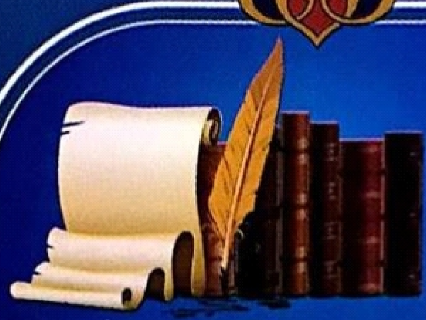
آپ کے مسائل

مؤلف

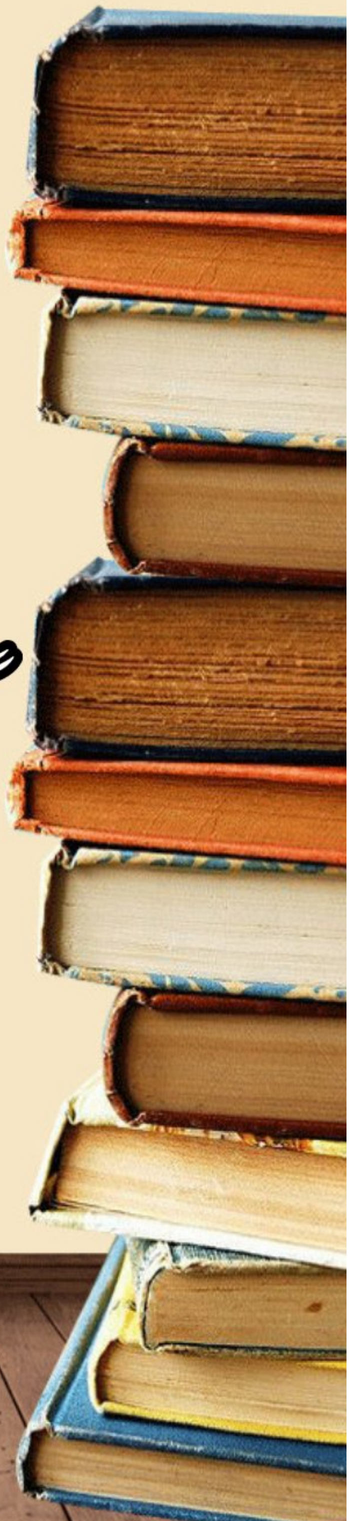
سراج الفقہاء محقق مسائل جدیدہ
حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی
صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔

ترتیب و تخریج

محمد سلمان رضا مصباحی



مکتبہ برہان ملت
جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی



نام کتاب : آپ کے مسائل

مؤلف : محقق مسائل جدیدہ علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

ترتیب و تخریج : محمد سلمان رضا مصباحی

پروف ریڈنگ : مولانا محمد شمیم احمد مصباحی، مولانا محمد سراج احمد مصباحی، مولانا محمد نصیر احمد مصباحی، مولانا محمد توصیف رضا مصباحی، مولانا عبدالوکیل مصباحی، مولانا صدام حسین مصباحی،

کمپوزنگ : حافظ بدر خالد نورانی اشرفی، حافظ محمد خبیب رضا رضوی، حافظ محمد اشتیاق احمد رضوی، مولانا محمد اشرف علی فاروقی۔

تعداد : ۱۱۰۰

اشاعت اول : بموقع ۴۰ واں سالانہ عرس حافظ ملت و جشن دستار فضیلت ۲۰۱۵ء/ ۱۴۳۶ھ

صفحات : ۲۴۰

قیمت : ۱۳۰

ملنے کا پتہ

مکتبہ برہان ملت

MAKTABA BURHAN-E-MILLAT

Jama Masjid, Raja Mubarak Shah, Mubarakpur, Azam Garh, U.P.

9621111959, 9120205786

فہرست مضامین

شرف انتساب

امام الفقہا والمحدثین، امام الائمہ سراج الامہ

امام اعظم حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ولادت: ۸۰ھ - وصال: ۱۵۰ھ)

جنھوں نے دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے دین وایمان

کی لاج رکھی اور گم گشتگان راہ کو صراط مستقیم پر گامزن فرمایا۔

کے نام

نہ کیوں کریں ناز اہل سنت تم سے چمکا نصیب امت

سراج امت ملا جو تم سا امام اعظم ابوحنیفہ

(مفتی احمد یار خاں نعیمی سالک)

گر قبول افتد زہے عز وشرف

طالب دعا

محمد سلمان رضا مصباحی

عرض حال

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

یہ کتاب بنام ''آپ کے مسائل'' دراصل عصر حاضر کی دینی، سماجی، معاشرتی اور دیگر مسائل سے متعلق استاذ گرامی حضور سراج الفقہا محقق مسائل جدیدہ علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی سے کیے گئے گراں قدر سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے۔ جس کی اشاعت طویل عرصے سے وقتاً فوقتاً ماہنامہ اشرفیہ میں ہوتی رہی یوں تو جمع و ترتیب اور تبویب اور تخریج کا یہ کام وقت طلب بھی تھا اور دقت طلب بھی، مگر بعض احباب کے مسلسل اصرار اور حوصلہ افزائی سے اس راہ پر قدم رنجہ ہونا پڑا اور بالآخر راقم الحروف، ان اہم سوالات کے نفع بخش جوابات سے مزین ماہناموں کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ کافی محنت اور سعی پیہم کے بعد ۲۰۰۱ سے لے کر ۲۰۱۴ تک ماہنامے دستیاب ہوئے جن سے حالات زمانہ کے پیش نظر مسائل کو اخذ کر کے جمع و ترتیب کا سلسلہ شروع کر دیا اور بحمدہ تعالیٰ دیکھتے ہی دیکھتے چند مہینوں میں ناچیز کی کوششوں کا ثمرہ، ایک جامع سودمند اور راہ نما کتاب کی صورت میں ظاہر ہوا بالفضلہٖ تعالیٰ آج یہ کتاب زیر طباعت سے آراستہ ہو کر آپ کے پاکیزہ ہاتھوں میں ہے۔ لیکن یہ کار عظیم اتنی آسانی کے ساتھ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا بلکہ از ابتدا تا انتہا حزب مخالف کی تنقید و تشنیع اور مختلف موانع سے دوچار ہونا پڑا۔ ایسے دشوار کن حالات میں میرے چند رفقا نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا اور اس کام میں میری مدد بھی کی۔ جن میں سرفہرست مولانا ناصر حسین منیری صاحب ہیں جنھوں نے اپنی قائم کردہ ''منیری لائبریری'' سے ماہنامے فراہم کیے اس کے لیے میں ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور بالخصوص شکرگزار ہوں رفیق محترم الحاج مولانا عبدالرقیب مصباحی مبارک پوری کا جنھوں نے آلہ کمپیوزنگ کا انتظام فرما کر میرے کاموں کو آسان تر کر دیا۔

یوں ہی ممنون و مشکور ہوں حافظ بدر خالد نورانی (ممبئی) حافظ خبیب رضا رضوی (ممبئی)

حافظ اشتیاق احمد رضوی (ممبئی)،مولانا اشرف علی فاروقی (رائے پور) سلمہم العزیز متعلمان اشرفیہ کا جنھوں نے اس کتاب کی کمپیوزنگ میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ان کے علاوہ مولانا شمیم احمد مصباحی (اڑیسہ)،مولانا سراج احمد مصباحی (بہار)،مولانا نصیر احمد مصباحی (سلطان پور)، مولانا عبدالوکیل مصباحی (بہار) مولانا توصیف رضا مصباحی (بہار) مولانا صدام حسین مصباحی (کشی نگر طلبہ درجہ تحقیق کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ فرما کر میرا تعاون کیا۔

اور شکر گزار ہوں ادیب شہیر حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی،استاذ جامعہ اشرفیہ کا جنھوں نے عدیم الفرصت کے باوجود ایک قیمتی تأثر تحریر فرمایا اور بہت ہی ناسپاسی ہوگی اگر میں شکریہ ادا نہ کروں پیر طریقت جانشین حضور محسن ملت حضرت علامہ مفتی محمد علی فاروقی صاحب (رائے پور) کا جن کے تعاون اور کرم نوازی سے یہ کتاب منظر عام پر آچکی ہے۔بلاشبہ ان حضرات کی حوصلہ افزائیوں نے مجھ جیسے پست حوصلہ انسان کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا۔

نہ ہو مایوس اے اقبال اپنے کشت ویراں سے
ذرا نم ہو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اللہ تبارک وتعالی اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ہمیں دارین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور جملہ بزرگان دین کے فیوض سے مستفیض فرمائے۔اس کتاب کو عام وخاص کے لیے نفع بخش بنائے اور بالخصوص (ناشر) محسن ملت اکیڈمی چھتیس گڑھ کو دن دونی رات چوگنی ترقیاں عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

طالب دعا

محمد سلمان رضا مصباحی

کملا نگر جسمین مل روڈ

ماہم ایسٹ ممبئی ۱۷

تعارف وتأثر

ادیب شہیر حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ)

زیر نظر کتاب ''آپ کے مسائل'' سراج الفقہا علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مدظلہ العالی کے فتووں کا حسین گلدستہ ہے، حضرت سراج الفقہا اہل علم اور ارباب فقہ وتحقیق کے درمیان اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو علم وآگہی اور فضل وکمال کے جس بلند مقام پر فائز کیا ہے ہم عصروں میں اس کی مثال نہیں ملتی، درس گاہی گتھیوں کے سلجھانے میں جہاں آپ کو کامل مہارت حاصل ہے وہیں فقہ وفتاویٰ کے باب میں جدید تحقیقات نے اکابر واصاغر کے لیے قابل رشک بنادیا ہے، مزید برآں حسن اخلاق، سادگی، تواضع اور انکسار کے حسین امتزاج نے آپ کی شخصیت کو اور نکھار دیا ہے۔

حضرت سراج الفقہا ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فارغ ہوئے اور اسی سال شوال میں تدریس اور فتویٰ نویسی کے لیے منتخب کر لیے گئے، شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، سراج الفقہا کی کتاب ''جدید بینک کاری اور اسلام'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

جب یہ (سراج الفقہا) ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں فارغ ہوگئے تو ان کے سر پر ہوش مندی کے درخشاں ستارے کو میرے علاوہ اس وقت (جامعہ اشرفیہ کے) ارباب حل وعقد نے بھی دیکھا، میرے مبارک پور پہنچنے کے بعد دار الافتا کا کام بہت بڑھ گیا تھا، دار الافتا میں بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی میری درخواست پر ارباب حل وعقد نے انھیں تدریس وافتا دونوں کاموں پر مشترکہ رکھا، اور اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ میں نے یا ارباب حل وعقد نے انھیں منتخب کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی بلکہ ایسا انتخاب کیا تھا جو بالکل صحیح اور بجا تھا، تدریس وافتا دونوں شعبوں میں یہ ہر طرح کامیاب رہے، شعبۂ افتا میں ان کی کامیابی کی دلیل یہ کتاب (جدید بینک کاری اور اسلام) تو ہے ہی، ان کے ہزاروں فتاویٰ بھی ہیں اور ان کی دوسری تصانیف بھی۔

اس وقت جب کہ میں بہ تقاضاے سن، اضمحلال قویٰ وضعف بصارت کی وجہ سے، نیز بعض شدید ترین ذہنی الجھنوں کی وجہ سے اہم فتاویٰ لکھنے سے معذور ہوں یہی اس قسم کے تمام اہم فتاویٰ لکھتے ہیں اور بہت غور وخوص اور کامل مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں، جس سے مجھے ان پر مکمل اعتماد ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ رہے گا۔

(جدید بینک کاری اور اسلام، تصدیق جلیل۔ ص: ۱۷، ۱۸)

حضرت سراج الفقہا بڑی محنت اور جگر کاری کے ساتھ تدریس اور فتویٰ نویسی کی محولہ ذمہ داریاں انجام دیتے رہے، جس کی وجہ سے طلبہ میں ان کی تدریس کا نہایت خوش گوار اثر رہا اور اہل علم کے درمیان فتوے کی پذیرائی اور آج اس سے فزوں تر۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء میں وصال کے بعد ذمہ داران اشرفیہ نے آپ کو صدر شعبۂ افتا کے عظیم منصب پر فائز کر دیا، اس وقت سے اب تک تقریباً نصف درجن مفتیان کرام آپ کی نگرانی میں کار افتا انجام دے رہے ہیں اور تخصص فی الفقہ والحدیث کے طلبہ کو بھی تربیت دیتے ہیں۔اس طرح آپ کی مصروفیات گونا گوں ہیں اس دوران آپ نے بحث و تحقیق اور مقالہ نگاری میں منفرد مقام حاصل کیا اور مقالے تحقیق اور اتنے طویل کہ مستقل کتاب کی شکل اختیار کر گئے، جن کی تعداد سو سے بھی متجاوز ہے۔

اشرفیہ کے شب و روز گذرتے رہے یہاں تک کہ ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی کی مدت صدارت قانونی اعتبار سے پوری ہوگئی اور آپ جامعہ اشرفیہ کے عہدۂ صدارت سے ریٹائر ہو گئے اور اس منصب جلیل کو پر کرنے کی فکر جب بہی خواہان اشرفیہ کو ہوئی تو نگاہ انتخاب حضرت سراج الفقہا مدظلہ العالی پر جا کر مرکوز ہوگئی اور حضرت جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین بھی منتخب کر لیے گئے، اس طرح آپ اشرفیہ کے بیک وقت صدر المدرسین بھی ہیں اور صدر شعبۂ افتا بھی۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی صدارت میں اشرفیہ کا تعلیمی اور تربیتی کارواں بڑی خوش نظمی کے ساتھ منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہے۔

ماہنامہ اشرفیہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا ایک علمی، دینی اور اصلاحی ترجمان ہے جو ہر مہینے امت مرحومہ کی رہنمائی کے لیے صالح اور مفید مواد پیش کرتا ہے، اس کے گونا گوں کالموں میں سے ایک کالم ہے "آپ کے مسائل" اس کے تحت جامعہ اشرفیہ کے دار الافتا سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات شائع ہوتے ہیں شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے بعد سراج الفقہا علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مدظلہ العالی کے دیے گئے جوابات مستقل اس کالم کی زینت بنتے ہیں، یہ فقہی مسائل بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جو حالات اور زمانے کی ضرورت پوری کرتے ہیں، چوں کہ یہ مسائل عوامی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے شائع ہوتے ہیں اس لیے اختصار کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور بعض میں نفس مسئلہ کی تفہیم کی خاطر قدرے طوالت سے بھی کام لیا گیا ہے۔ان مسائل کی افادیت کے پیش نظر عزیز سعید مولانا محمد سلمان رضا مصباحی ماہی متعلم درجۂ فضیلت جامعہ اشرفیہ "ماہنامہ اشرفیہ" کے مختلف شماروں سے ان ہی پاروں کو اکٹھا کر کے شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، اس مجموعۂ فتاویٰ میں زندگی میں پیش آنے والے بیش تر مسائل کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ مثلاً: اعتقادی مسائل، نماز، روزہ، حج، زکاۃ، نکاح، طلاق اور معمولات اہل سنت وغیرہ مسائل، ان کے علاوہ اس مجموعے میں جدید مسائل بھی شامل ہیں، جیسے: انٹرنیٹ کے ذریعے نکاح، موبائل اور فون پر نکاح، شیئر بازار کا مسئلہ، نیٹ ورکنگ کمپنی میں شمولیت اور اس کے ذریعے کاروبار کا حکم، مخصوص کیمرے کے ذریعے نگرانی کا حکم، انٹرنیٹ کے ذریعے رویت ہلال، ایل آئی سی کی رقم میں زکاۃ کا حکم وغیرہ۔اس طرح یہ مجموعہ مسائل دینیہ شرعیہ کا حسین اور بیش قیمت انتخاب ہے جو مولانا سلمان رضا کے ذوق اور سعی و کوشش کا نتیجہ ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کی یہ کاوش قبول فرمائے اور انھیں قرآن و سنت کی

خدمت اور تعمیر دین وملت کا جذبہ وحوصلہ عطا فرمائے۔

اس کتاب کو قارئین تک پہچانے میں پیر طریقت مولانا محمد علی فاروقی مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین ودار الیتامیٰ رائے پور چھتیس گڑھ کی خدمات بھی قابل تحسین ہے کہ انھوں نے طباعت کا پورا خرچ اپنے ذمہ لے کر محسن ملت اکیڈمی رائے پور سے شائع کیا، اس خرد نوازی پر صد بار مبارک باد۔

مولائے کریم اس کتاب کو عوام خواص سب کے لیے یکساں مفید بنائے اور ہر ایک کو اس کی برکتوں سے حصہ عطا فرمائے۔آمین

اختر حسین فیضی مصباحی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

مورخہ: ۱۱/۵/۱۴۳۶ھ

۲/۳/۲۰۱۵ء

شب دوشنبہ

تقدیم

از: پیر طریقت جانشین محسن ملت مولانا محمد علی فاروقی قاضی شہر رائے پور چھتیس گڑھ

امام غزالی فقہ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

الفقه عبارة عن العلم والفقه۔لکن صاریعرف الفقهاءعبادةالعلم بالاحکام الشریعه لا فعال المکلفین (المستصفی جلداول مطبعه امیریه بلاق) لغت میں فقہ علم اور سمجھ کے معنیٰ میں ہے۔لیکن اب فقہ مکلف (عاقل بالغ) انسانوں کے تعلق سے خدائی احکام شریعت کے جاننے کا نام ہے۔

علامہ زمخشری کے مطابق

''الفقه حتیقة الشق والفتح والفقیه العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقها ویفتح ما استغلق منها (الفائق) ''لغوی اعتبار سے فقہ کا معنیٰ ہے کسی چیز کا کھولنا اور اسے واضح کرنا۔فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو شرعی احکام کی وضاحت کرے ان کے حقائق کا سراغ لگائے اور پیچیدہ و مغلق مسائل کی وضاحت کرے۔

صاحب توضیح اس کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''العلم بالاحکام الشرعیه عن ادلتها التفصیلة'' تفصیلی دلائل کے ساتھ احکام شرعیہ کا علم فقہ ہے۔

شروع میں فقہ کے دائرہ علوم میں صرف علم شریعت ہی نہیں تھے بلکہ علم الہیات، علم طریقت وغیرہ بھی اس میں شامل تھے اس وقت اس کی تعریف فقہا نے اس طرح کی ہے۔'' الفقه معرفت النفس مالها وماعلیها''

انسان کے فرائض اور اس کے حقوق کے ساتھ اس کے فوائد و نقصانات کا جاننا علم فقہ کہلاتا ہے۔جب فقہ کی وہ تعریف تھی اس وقت فقہ کا دائرہ کار کتنا وسیع تھا اس کا اندازہ صاحب مسلم الثبوت کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

ان الفقه فی الزمان القدیم کان متنا ولا لعلم الحتیقة وهی الٰهیات من مباحث الذات والصفات و علم الطریقه وهی مباحث المنجیات والمهلکات والحقیقة الظاهرة (مسلم الثبوت)

زمانہ قدیم میں علم فقہ میں علم حقیقت بھی شامل تھا جسے علم الشریعہ کہتے ہیں۔اس میں خدا کی ذات و صفات سے بحث کی جاتی تھی۔یہ علم علم طریقت کو بھی حاوی تھا جس میں نجات اور ہلاکت والے امور سے بحث ہوتی تھی اور یہ علم شریعت ظاہرہ پر بھی مشتمل تھا جس سے احکام شریعت میں بحث کی جاتی ہے۔

درمختار میں اس کی تشریح کرتے ہوئے بتایا گیا: الفقه لغة العلم بالشئی ثم خص بالعلم الشریعة

فقه لغۃً کسی شی کے جاننے کا نام ہے مگر پھر یہ علم شریعت کے ساتھ خاص ہوگیا۔

اقرب الموارد کی تشرح کے مطابق:

فقه الشئی (س) فقها فهمهٗ و فقهٔ (ك) فقاهة علم وكان فقيها فقه (س) کسی شئی کا جاننا اور اس کا سمجھنا۔ فقہ (ك) **فقاهة**۔ فقیہ ہونا۔ علم میں غالب ہونا۔

ان تشریحات سے واضح ہوتا ہے کہ ادلّہ مفصلہ کے ساتھ احکامِ شریعہ فرعیہ کے جاننے کا نام فقہ ہے جب فقہ احکام شریعہ کے جاننے کا نام ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدائی احکام یا احکام شریعت کسے کہتے ہیں اس سلسلے میں صاحب تلویح مع التوضیح اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ **مالا يدرك لولا خطاب الشارع سوأكان الخطاب بعض الحكم اوبنفس المقيس هوعليه**۔ (تلویح مع التوضیح ۱۱) شارع کی تشریح کے بغیر انسانی عقل کی وہاں تک رسائی ناممکن ہے۔ اس کے مقاصد جلیلہ کیا ہے جس سے گلشنِ انسانیت رحمت ونور کی نکہت باریوں سے معطر ومنور ہوجائے۔ اس پر صاحب ردّالمختار نے روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا ''**سعادة الدّارين**''۔ یعنی دنیا وآخرت کی کامیابی اور فلاح وظفر اس کا مقصد ہے۔

قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے **ومن يوت الحكمة فقد اوتى خيراً كثيراً** (۳ پارہ ع ۵) ترجمہ: اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔ اسی آیت کریمہ میں حکمت سے مراد فقہ ہے جس کی تائید کثیر مفسرینِ کرام کے ارشاد سے ہوتی ہے۔ رسول پاک ﷺ کا ارشاد گرامی وقار ہے کہ **من يردِ الله به خيرا يفقهه فى الدين (متفق عليه)** جس کی کے ساتھ رب کائنات خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی فقاہت اور صحیح سمجھ عطا فرماتا ہے۔

ایک فقیہ کا کتنا بلند مرتبہ ہے اس کا اندازہ اس حدیث پاک کی روشنی میں لگایا جاسکتا ہے، جس میں فقہ کی رفعت وعظمت پر روشنی ڈالی گئی ہے جب تک علمائے ملّت اسلامیہ کے سینے سے حدیث کے چشمے ابلتے رہیں گے تب تک یہ حدیث پاک اپنی تجلیات سے دماغوں کے آفاقوں پر فقہ کی عظمتوں کا پرچم لہراتی رہے گی۔

اشاد گرامی ہے:

فقيه واحداشد على الشيطان من الف عابد (ترمزى عن ابن عباس) ایک فقیہ ہزاروں عابد سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے

فان الفقه افضل قائدٌ — الى البر التقوى واعزل قاصداً
هو العلم الهادى الى سنن الهدىٰ — هو الحصن ينجى من جميع الشدائدِ

فان فقیہا واحد متورعا　　　اشد علی الشیطان من الف عابد

فقہ ضرور حاصل کرو۔ کیوں کہ ان سے اعمال صالحہ کی توفیق اور تقوی کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے فقیہ پر ہدایت کی راہیں روشن ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی پناہ میں آتے ہی فقیہ جملہ حوادثات اور آفات وبلیات سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔ یقینا ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

دنیا میں صرف یہی وہ قانون ہے جس کا دائرہ کار ماں کی گود سے لے کر لحد کی گود تک اور دھرتی سے لے کر میدانِ محشر تک پھیلا ہوا ہے امام شاطبی علیہ الرّحمہ کے بیان کے مطابق:

اتفقت الامۃ علی ان الشریعہ وضعت للمحافظۃ علی الضروریات الخمسۃ ھی الدین والنفس والنسل والمال والعقل (الموافقات للشاطبی جلد اول ۳۸)

اس بات پر پوری امت متفق ہے کہ شریعت کا اصل موضوع ان پانچ چیزوں کی حفاظت ہے۔

(۱) دین (۲) جان (۳) نسل (۴) مال (۵) عقل

فقہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر دور اوّل سے لے کر آج تک بیشمار فقہائے اسلام نے اس گلشن کی اس طرح آبیاری کی کہ دھرتی کا چپہ چپہ اس کی نکہت باری سے مہک اٹھا اور گلشن حیات کا ہر شجر اس کی باد بہاری سے مسکرا پڑا۔ سیاسیات ومعاشیات کے ہیرے ہوں یا تہذیب وتمدّن کی زلفیں، اخوت ومروت کی شمعیں ہوں یا ذکر وفکر کی محفلیں، خاندانی شیرازہ بندیوں کی سرحدیں ہوں یا قومی معاملات کی وسعتیں، گھر کی چہار دیواریوں کی محفوظ زندگی ہو یا ملکی اور عالم سطح کے مسائل ہر جگہ اس کی تجلیات نظر آئیں گی ہر مقام پر اس کی تنویر جگمگائے گی اور ہر فکر ونظر پر اس کا جلوہ دکھائی دے گا ہر محفل میں اس کے طلعت جمال کا عکس دلپذیر نظر آئے گا جو مردہ روحوں کو شعور بندگی دے کر اسے خدا سے ہمکنار کرتا نظر آئے گا۔

اسی لیے دور اول کے فقہائے سبعہ سے لے کر مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی تک فقہائے اسلام کی ایک ایسی تاریخ نظر آتی ہے جنہوں نے اپنے اپنے دور میں شریعت کی خدمت کا بے مثال کارنامہ انجام دیا اور ہر دور میں اسلام کو ایک زندہ مذہب کی شکل وصورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جس میں ہر درد کی دوا ہے، ہر مرض کا علاج ہے، ہر مشکل کا حل ہے۔

مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان شریعت کی ہمہ گیری، اس کی وسعت اور اس کی آفاقی حیثیت پر کس شان وشوکت اور کس جاہ وجلال کے ساتھ اور کیسے یقین محکم کے ساتھ ارشاد فرما رہے ہیں۔

اے عزیز: وہ مسائل جنھیں حوادث جدیدہ سے تعلق ونسبت ہے۔ جیسے تار برقی وغیرہ۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کتب

ائمہ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا۔ مگر نہ جانا کہ علمائے دین شکر اللہ تعالیٰ مساعیم الجمیلہ نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا۔ تصریحاً، تلویحاً، تفریعاً، تاصیلاً، سب کچھ فرما دیا ہے۔ زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے اور ان شاء اللہ العزیز زمانہ ان بندگان خدا سے خالی نہ ہوگا جو مشکل کی تسہیل، معقل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل کے ماہر ہوں، بحر سے صدف، صدف سے گہر، بذر سے شجر، شجر سے تمر نکالنے پر باذن اللہ قادر ہوں ''**لا خلا الكون عن افضالهم و كثر الله فى بلادنا من امثالهم**'' اھ۔ ملتقطا (فتاویٰ رضویہ جلد: چہارم، ص: ۵۲۶، ۵۲۷)

یہی وجہ ہے کہ جب خلافت راشدہ، خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ کے دور میں اسلامی حکومتوں کا سایہ جزیرۃ العرب سے نکل کر دنیا کے وسیع و عریض حلقے میں پھیل گیا جس میں افریقہ کے گھنے جنگلوں سے لے کر اندلس کے بارونق شہر تک شامل تھے۔ ایشیا کے برف پوش چٹانوں سے لے کر یورپ کے دانش کدوں تک جس کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اس دور میں ہر وقت نت نئے مسائل جنم لے رہے تھے۔

تمدنی دنیا ہو یا معاشرتی زندگی، معاملاتی میدان ہو یا عسکری دھرتی، سیاسی مسائل ہو یا ملّی شیرازہ بندی۔ ہر جگہ نئے نئے مسائل سر ابھار رہے تھے مگر فقہائے اسلام کا یہ مقدس گروہ ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر شریعت اسلامیہ کی تجلیات سے ان تاریک وادیوں کو روشن کر رہا تھا جسے دیکھ کر لوگ دہشت زدہ تھے اور اس فکر میں غلطاں تھے کہ اس ظلمت کدہ میں دین کی کون سی کرن پہنچتی ہے۔

جن فقہائے اسلام نے اپنے خون جگر سے گلشن شریعت کو انکے کچھ نے ملاحظہ فرمائیں۔

ابو القاسم عبد اللہ بن احمد البلخی (متوفی ۳۱۹ھ) نے اپنی کتاب عیون المسائل ۹ جلدوں میں مرتب فرمایا، امام ابو اللیث سمرقندی (متوفی ۳۸۳) نے خزانۃ الفقہ تحریر کی، امام حصاص رازی کے تلمیذ احمد بن محمد بن عمر الناطفی نے الواقعات للناطفی سے فقہ کے گیسو سنوارے۔ المبسوط جو شمس الائمہ سرخسی (متوفی ۴۸۳) ھ۔ کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی (متوفی ۵۵۲ھ) کی فتاوی خانیہ، ملک العلماء علاء الدین الکاسنی (متوفی ۵۸۷ھ) کی بدائع الصنائع سات جلدوں میں اور کنایہ ۸۰ جلدوں میں مرتب ہوئی جس کی تلخیص ہدایہ کی شکل میں علی بن ابی بکر برہان الدین المرغینانی (متوفی ۵۹۳) نے کی۔ اسی طرح المحیط البرہانی کو علامہ برہان الدین محمد (متوفی ۶۱۶ھ) نے ۴۰ جلدوں میں مرتب کرکے اسلام کے عالمی مذہب اور شریعت کے دائمی حیثیت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ الفتادی الحنفیہ جو سعد الدین سعود (متوفی ۷۹۳ھ) کی تصنیف ہے اور الفتاویٰ التاتارخانیہ جو عالم بن علاء الدین الانصاری (متوفی ۷۸۶ھ) کی مشہور زمانہ تصنیف ہے جس سے آج کوئی دار الافتا خالی نہیں۔ اسی طرح فتح القدیر جو پانچ جلدوں پر مشتمل حضرت کمال الدین ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) کی تصنیف ہے اور البحر الرائق جو ۷ جلدوں پر مشتمل

ہے جسے ۔ دین ابن النجیم مصری نے مرتب فرمایا۔
الدر المختار علامہ علاء الدین حصکفی نے (متوفی ۱۰۸۸) تصنیف کی ہندوستان میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸ھ) کے حکم سے مرتب کی جانے والی عالمگیر جو الفتاویٰ الھندیہ کے نام سے مشہور ہے۔ جسے ہندوستان کے کورٹ میں بھی دستور ہند کی سند حاصل ہے۔ اسی طرح اٹھارویں صدی تک دنیا کا سب سے بڑا امپائر (EMPIRE) عثمانی حکومت جس کا پرچم تقریباً پانچ صدی تک ایشیا سے لے کر افریقہ اور یورپ تک لہراتا رہا اور جس کی عظمت وسطوت اور شوکت کے سامنے جرمن، فرانس، اور انگلینڈ بھی سر عقیدت خم کیے اس کی عظمتوں کو خراج عقیدت پیش کرتے رہے۔ اس نے بھی فقہی دنیا میں "مجلۃ الاحکام العدلیہ" پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ فقہی دنیا میں عظیم الشان دبدبہ بنانے والی مشہور کتاب ردالمختار شرح درمختار علامہ ابن عابدین الشامی (متوانی ۱۲۵۲ھ) کے ذریعہ دنیا کو ملی یہاں تک کہ چودھویں صدی میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی فتاویٰ رضویہ اور صدر الشریعہ کی مشہور زمانہ کتاب بہار شریعت نے تو جو علمی مقام بنایا اور جس طرح ہر درس گاہ ہر دار الافتا اور بڑی بڑی یونیورسیٹیوں تک اس نے رسائی حاصل کی وہ تو صرف خدائی انعام ہے۔ جس نے بے شمار سلگتے مسائل کو نہ صرف حل کیا بلکہ مادیت کے دلدل میں دھنسی پھنسی دنیا کے سامنے اسلام کو ایک مکمل لائحہ عمل کی شکل میں پیش کر کے دہریت کے ظلمت کدوں میں بھٹکنے والوں کو وہ روشنی دی جس سے تاریک دل بھی جگمگا اٹھے اور مادیت کے قلزم رواں میں موسیٰ صفت راہ نکال کر شریعت کے علمبرداروں کو منزل مقصود سے اس نے ہمکنار بھی کیا۔

غرض کہ روز اول سے لے کر آج تک اور رہتی دنیا تک اسلام کو ایک زندہ مذہب کی شکل میں اور بدلتی ہوئی دنیا کے ہر نو پید مسائل کو شریعت اسلامیہ کی روشنی میں حل کرنے والے فقیہان اسلام ہر دور میں اٹھتے رہے ہیں اور ہمیشہ اٹھتے رہیں گے۔ یہ ایک خدائی انتظام ہے۔ جس نے اسلام کو دائمیت دی اسی نے دنیا کے ہر مسائل کے حل کے لیے ہر دور میں اپنے اپنے مقدس بندوں کو پیدا کیا جنھوں نے جھوپڑی میں رہ کر بڑے بڑے کج کلاہوں کو للکارا۔ اور اندھیرے گھروں میں بیٹھ کر دنیا کو اسلام کی روشنی دکھائی۔ ان کے مسائل حل کئے اور ان کی تاریک راہوں کو شریعت کے ابدی اصول کی روشنی سے روشن و منور اور معطر کیا۔

مسائل کل بھی اٹھے اور آج بھی اٹھ رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آج بھی دھرتی ان مقدس ہستیوں سے جگمگا رہی ہے جن کی بدولت گلشن اسلام میں فقہ کی باد بہاری ہے، جو اپنی خداداد صلاحیتوں سے ہستی کے زلف برہم کو سنوار رہے ہیں اور اس کی مانگ میں شریعت کی کہکشاں بھر رہے ہیں۔
انہیں عظیم ہستیوں میں رئیس المحققین، سند الفقہا، محقق مسائل جدیدہ حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب قادری

برہانی بھی ہیں جن کے نقوش قلم ہے نہ جانے کتنے مسائل جدیدہ نے شریعت کی روشنی حاصل کی اور دنیائے تحقیق نے کہکشاں کا جمال پایا۔

ازہرالہند الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور جس کے ایک ایک ذرّے ذرّے پر مرشدی استاذی حضور حافظ ملت (علیہ الرحمہ والرضوان) کی تنویر جگمگاتی ہے اور رنگ وچمن کی سرسبز وشاداب وادیوں سے لے کر بحر ظلمات کی لہروں تک اور ہندوستان سے لے کر ایشیا ویورپ کے مادہ پرستانہ ماحول تک ہر جگہ ان کے فیوض وبرکات کا چشمہ ابل رہا ہے اس عظیم درس گاہ کے عظیم اسٹیج سے آپ نے دنیائے سنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی جو خدمات انجام دے رہے ہیں وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

موجودہ کتاب آپ کے انھیں فتوں کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً ماہنامہ اشرفیہ میں شائع ہو کر ارباب علم ودانش سے خراج عقیدت وصول کر چکے ہیں۔ جسے ارباب حل وعقد سے لے کر دارالافتا کے ذمہ دار مفتیان کرام نے تحسین کی نظر سے دکھا اور اس کی گہرائیوں اور گہرائیوں پر عقیدت ومحبت کے موتی لٹائے۔

ماہنامہ اشرفیہ عالمی سطح کا رسالہ ہے۔ جس کی تحریر سند کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ ایک تاریخ ریکارڈ بھی ہے اور عالمی پیغام بھی۔ جس کے ذریعہ دنیا بھر کے مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے لائق وفائق اڈیٹر مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب رئیس التحریر کی حیثیت رکھتے ہیں اور سالار کارواں کی شان کے مالک ہیں۔ اس رسالہ میں چھپنے والے فتاویٰ اب آپ کے سامنے ہیں عزیز القدر مولانا اشرف علی فاروقی سلمہ متعلم درجہ رابعہ کے رفیق خاص مولانا محمد سلمان رضا صاحب مصباحی ماہمی (ممبئی) متعلم درجۂ فضیلت قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اسے مرتب کیا اور اب قوم وملت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

یہ کتاب محسن ملت اکیڈمی مدرسہ اصلاح المسلمین ودارالیتامی رائے پور چھتیس گڑھ کے تعاون سے آپ تک پہنچ رہی ہے۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت محسن ملت حضرت مولانا محمد حامد علی فاروقی علیہ الرحمہ جن کا ذکر فتاویٰ رضویہ میں حامد علی فاروقی الہ آبادی کے نام سے آتا اور خلفائے اعلیٰ حضرت (پاکستان) اور علمائے اہل سنت میں ان کی تفصیل ملتی ہے۔ آپ کی شخصیت دنیائے سنیت کے لیے غیر مانوس نہیں ہے آپ نے سب سے پہلے اس علاقے میں مسلک اعلیٰ حضرت کا جھنڈا بلند کیا اور اس شان کے ساتھ تبلیغ اسلام کی کہ پورا علاقہ مسلک اعلیٰ حضرت کا عظیم الشان گہوارہ بن گیا۔ انگریزوں نے آپ کو جیل میں ڈالا وہاں بھی آپ نے کئی غیر مسلموں کے ساتھ خود کوڑا برسانے والے انگریز کو مسلمان بنا کر مسلک اعلیٰ حضرت کا فیضان عطا کیا۔

رب کائنات کی رحمت سے مجھے یقین کامل اور امید واثق ہے کہ یہ کتاب مردہ دلوں کو نئی زندگی دے گی، اور تاریک قلوب میں شریعت وطریقت کی روشنی بکھیرے گی اور ہر روز پیدا ہونے والے مسائل میں ڈگمگاتے ہوئے قوموں کو ثبات واستقامت کی دولت لازوال دے کر شریعت کے سایہ میں زندگی گذارنے کا سلیقہ دے گی۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

فقط خادم العلما والفقہا

محمد علی فاروقی

مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین ودارالیتامیٰ

رائے پور چھتیس گڑھ۔

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ ۱۷؍فروری ۲۰۱۵ء

اعتقادی مسائل

نماز، روزہ اور احادیث کے منکر پیر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام کہ:

(۱) ایک مکار جاہل پیر جس کی داڑھی خشخشی حد شرع سے بھی کم ہے برائے نام داڑھی ہے جس نے جاہل لوگوں کو مرید کیا اور مرید کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کو کہا جس کی نیت یہ بتائی ''دو رکعت نماز واسطے اللہ کے منہ پیر کی طرف اللہ اکبر'' مریدوں نے دو رکعت نماز اسی طرح پڑھی، اور پنج وقتہ نماز پڑھنے کو یہ کہہ کر منع کر دیا کہ نماز پڑھنا شیطان کا طریقہ ہے، مکار پیر نے کہا کہ میں نے خود پینتیس سال نماز پڑھی مجھ کو کچھ نہ ملا اور جب سے نماز پڑھنا ختم کر دیا ہے تبھی اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، قرآن پاک میں بھی کہیں بھی نماز کا ذکر نہیں ہے پیر و مرید دونوں عوام کے سامنے نماز کی فرضیت کا انکار بڑی حقارت کے ساتھ کرتے ہیں۔

(۲) مکار پیر نے مریدوں کو اپنے آگے بٹھا کر سر جھکا کر قدم چومنے کو کہا اور کہا کہ یہ ہی تمہاری عبادت ہے۔

(۳) تاش بجا کر گانا گایا اور اس کے بعد بتاشے تقسیم ہوئے اس کے بعد مریدوں کو بتایا کہ علما اور مولوی کیا جانیں مولوی کی لائن اور ہے فقیروں کی لائن اور ہے اور علمائے کرام کو برا بھلا بھی کہا اور آج اس کے مرید بھی علمائے کرام کو برا کہتے ہیں۔

(۴) جو لوگ پنج وقتہ نماز پڑھتے ہیں ہم اس نماز سے آگے بڑھ گئے ہیں، پیر اور مریدوں کا کہنا ہے کہ ہمیں آواز آتی ہے کہ تمہیں نماز معاف ہے، تمہاری زندگی کی نماز مکمل ہو گئی۔

(۵) شب معراج میں اللہ نے حضور کو نوے ہزار باتیں بتائیں اور فرمایا تیس ہزار باتیں عوام کو دے دو اور تیس ہزار باتیں اپنے پیاروں کو دے دو، وہ پیارے ہم ہیں اور تیس ہزار باتیں اے رسول تم جانو یا ہم۔

اللہ سورہ فتح میں فرماتا ہے جو مرید ہے وہ مسلمان ہے اور جو مرید نہیں وہ مسلمان نہیں ہے۔

(۷) قربانی کرنا قرآن میں منع ہے اور گوشت کھانا حرام ہے۔

(۸) جس نے حضور کے روضہ کی زیارت کی اس پر روزہ فرض نہیں ہے بلکہ روزہ کی فرضیت سے ہی انکار ہے۔

(۹) حضرت آدم کا مزار کعبہ میں ہے پوری دنیا آدم ہی کو سجدہ کر رہی ہے۔

(۱۰) کافر کو کافر نہ کہو اس کا ذکر قرآن میں نہیں خنزیر کا نام نہ لو اس کا ذکر قرآن میں نہیں۔

(۱۱) یہ حدیثیں کہاں سے آئیں جب کہ سب حدیثیں جلادی گئی تھیں۔اور قرآن کے تیس پارے عوام پر ہیں اور دس پارے ہمارے پاس ہیں۔

ایسے جاہل پیر و مرید جن کا عقیدہ اوپر بیان کیا گیا ان کے لیے حکم شرعی کیا ہے نیز ان پیر و مرید کا ایمان و نکاح باقی رہا یا نہیں مسلمان ان لوگوں سے سلام و کلام کریں یا نہیں کسی بھی تقریب میں شریک کریں یا نہیں اور جو امام ان کی نماز پڑھائے اس کے لیے حکم شرع کیا ہے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہونے دیں یا نہیں جو لوگ ان سے تعلق رشتہ داری کی بنیاد پر رکھیں کہ میں ان کی نظر میں برا نہ ہو جاؤں ان کے لیے حکم شرع کیا ہے۔

الجواب: (ا رتا ۱۱) یہ پیر اور اس کے ہم عقیدہ اس کے سارے مرید اسلام سے خارج، کافر و مرتد ہیں اور ایک نہیں، بلکہ بہت سے وجوہ سے کافر و مرتد ہیں مثلاً ا۔ یہ نماز پنج گانہ کی فرضیت کے منکر ہیں حالانکہ نماز کے فرض ہونے پر نصوص قطعیہ موجود ہیں، ساتھ ہی اس پر اجماع امت بھی ہے۔

ب۔ رمضان شریف کا روزہ فرض ہے، یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں حالانکہ اس کا فرض ہونا کتاب اللہ، حدیث رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

ج۔ قرآن کو چالیس پارے مانتے ہیں ۳۰ر عوام کے پاس ۱۰ر اپنے پاس جو قرآن و حدیث و اجماع امت کا کھلا ہوا رد و انکار ہے۔

د۔ علمائے دین کو بوجہ علم دین برا کہتے ہیں یہ بھی کفر ہے۔

ہ۔ یہ کہنا کہ "میں نے خود ۲۵ ر سال نماز پڑھی مجھ کو کچھ نہ ملا" کفر ہے۔

و۔ نماز کی تحقیر، استخفاف، اسے شیطان کا طریقہ بتانا یہ بھی کفر ہے۔

ان کے علاوہ دوسری خرافات وبکواس۔قرآن شریف میں ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:''بسیار نماز کردم ہیچ حاجت من روانہ شد، وآں بروجہ استخفاف وطنز گوید، کافر گردد، کذا فی التاتارخانیہ۔(۲/۲۶۸)(الباب التاسع فی احکام المرتدین)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''**ثلاثة لا يستخف بحقهم الا منافق بين النفاق، ذو الشيبة فى الاسلام، وذو العلم ومعلم الخير۔**''

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:''**الاستخفاف بالاشراف والعلماء كفر، ومن قال لعالم عويلم قاصداً به الاستخفاف كفر۔**''

فتاوی رضویہ میں ہے:اور یہ لفظ کہ مولوی لوگ کیا جانتے ہیں اس سے ضرور علما کی تحقیر نکلتی ہے اور علماے دین کی تحقیر کفر ہے۔(ج:۶ص:۶۶)

یہ اور اس طرح کے دوسرے کفریات کی وجہ سے وہ پیر اور اس کے ہم عقیدہ مرید سب کافر و مرتد ہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''نماز سے منکر کافر ہے، روزہ سے منکر کافر ہے جو نماز پڑھنے کو برا کہے کافر ہے، گوشت کھانے کو مطلقاً حرام کہنا کفر ہے، قربانی کو ظلم کہنے والا کافر ہے، ان اعتقادوں والے مطلقاً کفار ہیں، پھر اگر اس کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان کہتے، یا کلمہ پڑھتے ہوں تو مرتد ہیں کہ دنیا میں سب سے بدتر کافر ہیں، ان سے میل جول حرام، ان کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑیں تو ان کو پوچھنے جانا حرام، مرجائیں تو ان کے جنازے کی نماز حرام۔یہ سب مضامین قرآن کی آیتوں اور حدیثوں سے ثابت ہیں جو بارہا ہمارے فتاوی میں مذکور ہیں۔''(فتاوی رضویہ ص:۶۶/۶۷، ج۶)

ان کا عقیدہ جانتے ہوئے جو شخص ان کی نماز جنازہ پڑھے، یا پڑھائے وہ بھی کافر ہے، اور اس پر توبہ تجدید ایمان اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی لازم ہے۔انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں ہرگز دفن نہ ہونے دیں جب کہ استطاعت ہو اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کا سخت بائیکاٹ کریں، یہ حکم رشتہ داروں کے لیے بھی ہے اور دوسروں کے لیے بھی۔جب وہ لوگ اللہ عزوجل و رسول ﷺ اور مسلمان سب کے

د یک برے ہیں اور وہ لوگ تمام مسلمانوں حتی کہ علما کو بھی برا جانتے ہیں تو ان سے رشتہ داری کیسی، پھر ان
سے اس وجہ سے "معاملہ رکھنا کہ ان کی نگاہ میں برا نہ ہو جاؤں" نادانی ہے انہوں نے تمہیں دل سے کبھی اچھا
ر جانا اچھے جانتے تو نماز، روزہ، حدیث، علما کا مذاق نہ اڑاتے، تمہارے ساتھ ان کی ظاہری رواداری محض
ن کا فریب ہے اس لیے ان سے بالکل دور رہو، اور انہیں اپنے سے دور رکھو یہی حکم قرآن وحدیث کا ہے۔

تاریخ ولادت اور جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) حضور ﷺ کی تاریخ ولادت آیا ۹ ربیع النور ہے یا ۱۲ ربیع النور، ان میں اصح قول کیا ہے؟

(۲) بارہ ربیع الاول کے موقع پر جلوس محمدی ﷺ نکالنا جائز ہے نہیں، اس کے جواز پر کیا ثبوت
ہے؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرما کر
ند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حضور سید عالم تاج دار آدم وبنی آدم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت
ہ ربیع النور کی بارہویں تاریخ ہے۔ یہی اکثر کا قول اور اسی بات پر امت کا عمل ہے۔ یوں آپ کی تاریخ
لادت کے تعلق سے متعدد اقوال ہیں۔ مگر ۹ ربیع الاول کا کوئی قول نہیں، یہ کہنا کہ آپ کی ۹ ربیع النور کو
وئی بالکل غلط اور علم تاریخ سے جہالت ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کو اس فن میں بھی
کافی دسترس وکمال حاصل تھا اور انھوں نے تاریخ ولادت کی تحقیق میں ایک رسالہ ہی تصنیف فرمایا۔ "**نطق
ھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال**" اس میں بھی ۹ تاریخ کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی رسالہ کا ایک
قتباس یہ ہے: "اس میں (تاریخ ولادت میں) اقوال بہت مختلف ہیں۔ دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ،
ئیس۔ سات قول ہیں، مگر اشہر واکثر وماخوذ معتبر بارہویں ہے۔ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ میں مکان
ولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں، کذا فی المواھب والمدارج۔ اور خاص اسی مکان جنت نشان میں اسی
ریخ میں مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔ کذا فی المدارج، علامہ قسطلانی وفاضل زرقانی فرماتے ہیں۔

**مشھور انه ﷺ ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد بن اسحق
سام المغازی وغیرہ وعلیه العمل** ۔ مشہور یہ ہے کہ حضور ﷺ دوشنبہ کے دن بارہ ربیع الاول کو پیدا

ہوئے، یہی امام مغازی ابن اسحاق وغیرہ کا قول ہے، اور اسی پر عمل ہے۔ شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے۔ "ھوالمشھور عندالجمھور" اسی میں ہے، ھوالذی علیه العمل۔ جمہور علما کے نزدیک یہی مشہور ہے اور اسی پر عمل۔ شرح الہمزہ میں ہے۔ ھوالمشھور وعلیه العمل۔ اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقول کے لیے شان عظیم ہے۔ لا جرم عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے، جمہور مسلمین کے قول وعمل ہی کے مطابق بہتر ہے۔" (فتاوی رضویہ، ص:۲۶، ۲۷، ج:۱۲ رضا اکیڈمی)

(۲) عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقع پر باوقار جلوس نکالنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے کہ یہ حضور رحمت عالم ﷺ کی آمد آمد پر خوشی کا اظہار ہے۔ قرآن پاک میں ہے: **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔** (یونس، آیت:۵۸) اے محبوب فرما دیجیے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منائیں اور حضور سید عالم ﷺ خدائے وحدہ لاشریک کا سب سے بڑا فضل اور سب سے بڑی رحمت ہیں اس جلوس کی اصل یہ ہے۔

الف: علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب شرف المصطفی میں امام بیہقی کی سند متصل سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ہجرت کے موقع پر حضرت بریدہ اپنے قبیلہ بنو سہم کے ستر سواروں کے ہم راہ رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے آپ تک پہنچ گئے، پھر کچھ باہمی گفتگو کے بعد حضرت بریدہ اور ان کے تمام ہمراہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حضرت بریدہ نے عرض کی کہ حضور آپ مدینہ منورہ میں اس شان کے ساتھ داخل ہوں کہ آپ کے ساتھ ایک پرچم رسالت ہو۔ پھر انہوں نے اپنا عمامہ کھول کر نیزے میں باندھ دیا اور پرچم بلند کیے ہوئے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے آگے چلنے لگے۔ شرف المصطفی کے الفاظ یہ ہیں:

فقال بریدة للنبی ﷺ من انت؟ قال: انا محمد بن عبدالله رسول الله، فقال بریدة: اشهد ان لا اله الا الله، واشهد ان محمدا عبده ورسوله، فاسلم بریدة واسلم من کان معه جمیعا، فلما اصبح قال بریدة للنبی ﷺ لا تدخل المدینة الا ومعك لواء، فحل عمامته ثم شدها فی رمح ثم مشی بین یدیه ﷺ۔

(وفاء الوفا باخبار دار المصطفی تالیف الامام نور الدین علی بن احمد سمہودی م ۹۱۱ھ، ص ۲۴۵، ج:۱)

ظاہر یہ کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ جو ستر سوار مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، وہ بھی سرکار کے

اعزاز میں آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے، تو یہ شکل جلوس ہی کی ہوئی، اس کی مزید وضاحت مدارج النبوۃ کے اس اقتباس سے ہوتی ہے:

"جب انصار محبت شعار نے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی خبر سنی تو روزانہ مدینہ منورہ کی چوٹیوں پر آتے اور آفتاب جمال محمدی ﷺ کے طلوع کے منتظر رہتے۔ جب سورج گرم ہو جاتا اور دھوپ سخت ہو جاتی تو گھروں کو لوٹ جاتے، اچانک ایک یہودی کی جو مقام مقررہ پر کھڑا تھا اس جماعت مبارکہ کے کوکبہ قدوم پر نظر پڑی اس نے جان لیا کہ حضور انور تشریف لے آئے ہیں، تو قبیلہ انصار کو جو کہ اس کے قریب تھے آواز دی کہ یہ آ رہے ہیں تمہارے مقصد و مقصود۔ تمام مسلمان اپنے اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر سرور عالم ﷺ کے استقبال اجلال کے لیے نکل پڑے اور انہوں نے "بالائے حرہ" ملاقات کی "مرحبا اهلا وسهلا" پڑھتے ہوئے مبارک بادی و خوشی و مسرت کا اظہار کرنے لگے، ان کا ہر جوان بچہ، عورت و مرد اور چھوٹے بڑے کہنے لگے۔ جاء رسول الله وجاء نبی الله۔ اللہ کے رسول تشریف لائے اور اللہ کے نبی نے قدوم میمنت لزوم فرمایا۔ اور اپنی عادت کے مطابق خوشی و مسرت میں اچھلنے کودنے لگے۔

بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنونجار کی لڑکیاں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی و شادمانی میں دف بجاتی و گاتی ہوئی نکل آئیں۔ نحن جوار من بنی النجار۔ یا حبّذا محمدًا امّن جار۔

قبیلہ بنونجار کو ایک جانب سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ قریبی نسبت بھی تھی (یعنی سیدہ آمنہ اس قبیلہ کی دختر تھیں) اس کے بعد حضور نے قبائل انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا تم مجھے پسند کرتے ہو؟ سب نے بیک زبان کہا یقیناً یا رسول اللہ! حضور نے فرمایا میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں۔ قبائل انصار کی پردہ نشیں عورتیں اپنی اپنی گھروں کی چھتوں، دروازوں اور گلیوں میں کھڑے ہو کر یہ تہنیت گانے لگیں۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا — مادعا للّٰه داع

بعض روایتوں میں اتنا زیادہ اور آیا ہے۔

ایها المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں میں آٹھ یا نو سال کا تھا،

آپ کی آمد سے درودیوار ایسے روشن ومنور ہو گئے جس طرح آفتاب طلوع کرتا ہے۔اسی طرح جس دن اس آفتاب نے اس جہان سے روپوشی اختیار کی سب جگہ تیرہ وتاریک ہو گئی تھی۔

بعینہ اسی طرح جیسے سورج غروب ہو جاتا ہے۔(مدارج النبوۃ مترجم،ص۱۰۵،۱۰۶ج:۲)

مواہب لدنیہ میں ہے کہ تہنیت کے اشعار بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور حافظ محمد ابراہیم ابوبکر مقری نے کتاب الشمائل میں ابن ابی عائشہ سے روایت کئے ہیں۔

(شرح زرقانی علی المواہب،ص:۳۵۹رج:۱رقصہ سراقہ)

صحیح مسلم شریف میں حدیث ہجرت میں ہے،صحابی رسول حضرت براء بن عازب ہجرت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے مدینہ منورہ پہنچنے پر انصار مدینہ کے پر جوش استقبال منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں ’’فصعد الرجال والنساء فوق البیوت و تفرق الغلمان والخدم فی الطرق ینادون یامحمدیارسول الله یامحمدیارسول الله ‘‘تو مرد اور عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور لڑکے اور خدام راستوں میں پھیل گئے،سب کی زبان پر یہی نعرہ تھا۔ یا محمد یا رسول اللہ۔(صحیح مسلم شریف،ص:۴۱۹،ج:۲رباب فی حدیث الہجرۃ)

(ب)مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں ہے:لماقدم رسول الله ﷺ من تبوک کلهم رجالا رنساء وصبیاناوولائد فرحاًوسروراً(یتلقونه من ثنیة الوداع وقال الطبری :وتفرق الغلمان والخدم فی الطرق ینادون)فرحاً(جاء محمد،جاء رسول الله)وهذااخرجه الحاکم فی الاکلیل عن البراء،ولفظه:فخرج الناس حین قدم المدینة فی الطرق والغلمان والخدم،یقولون :(جاء محمد رسول الله،الله اکبر،جاء محمدرسول الله اھ ملتقطاً۔جب رسول اللہ تبوک سے واپس ہوئے تو سارے لوگ مرد،عورتیں،بچے، بچیاں خوشی ومسرت کے باعث باہر نکل پڑے اور آپ سے ملنے کے لیے ثنیۃ الوداع پہنچ گئے۔علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اور بچے وخدام راستوں میں پھیل گئے اور خوشی میں پکارنے لگے۔آ گئے محمد،آ گئے رسول اللہ۔ اور حاکم نے اکلیل مصر میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب حضور مدینہ طیبہ آئے تو لوگ،چھوٹے چھوٹے بچے اور نوکر چاکر سب باہر نکل کر یہ نعرہ لگانے لگے۔

"آ گئے محمد رسول اللہ، اللہ اکبر، آ گئے محمد رسول اللہ۔" (المواہب اللدنیہ وشرح العلامۃ الزرقانی، ص:۳۵۹/۳۶۰،۳۶۱، ج:ا رباب الہجرۃ المصطفی رقصہ سراقہ ردار المعرفتہ، بیروت)

ایک قول یہ ہے کہ اس موقع پر بھی عورتیں حضور ﷺ کے استقبال میں تہنیت کے وہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔ (شرح زرقانی علی المواہب، ص:۳۶۰، ج:ا دار المعرف)

ان روایات سے چند باتیں واضح ہو کر سامنے آئیں۔

☆ حضور سید عالم ﷺ کی مدینہ منورہ آمد آمد پر انصار کرام اور ان کے بچے کثیر تعداد میں آپ کے استقبال کے لیے گھروں سے نکل پڑے اور ثنیۃ الوداع سے پورے اعزاز کے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئے، بچے، بچیاں، نوکر چاکر، ان سب نے بھی سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا بڑے والہانہ انداز سے خیر مقدم کیا۔

☆ ایسا دو بار ہوا یا ایک بار ہجرت کے موقع پر اور ایک غزوہ تبوک سے واپسی پر۔ الجلوس کی شکل یہ تھی کہ آگے آگے ایک صحابی پرچم رسالت بلند کیے ہوئے چل رہے تھے اور دوسرے کثیر صحابہ کرام اللہ اکبر اور یا محمد اور یا رسول اللہ کے نعرے لگا رہے تھے اور بچوں میں یہ دھوم مچی تھیں۔ آ گئے محمد، آ گئے رسول اللہ" عورتیں اور بچیاں نعت پاک کے یہ اشعار گنگا رہی تھیں۔

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا　　ما دعا للہ داع

ایہا المبعوث فینا　　جئت بالامر المطاع

یہ جلوس رسالت تھا جو مدینہ منورہ میں آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں انصار مدینہ نے نکالا تھا اور سرکار دو عالم ﷺ نے اسے پسند فرمایا۔ اب غور فرمائیے، آج عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جو جلوس رسالت نکالا جاتا ہے، وہ اسی کی مکمل نقل تو ہے، اس میں انصار کرام کی پیروی میں شمع رسالت کے پروانوں کا ایک بڑا مجمع ہوتا ہے، سب لوگ اچھے اچھے کپڑے پہنے عقیدت مندانہ جمع ہوتے ہیں، کچھ کے ہاتھوں میں پرچم ہوتا ہے، جس پر یا رسول اللہ یا اس طرح کے کلمات لکھے ہوتے ہیں، کچھ لوگ سرکار کی نعتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں اور اسی میں وقفے وقفے سے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر نعرۂ رسالت یا رسول اللہ کی صدائیں گونجتی رہتی ہیں، تو یہ پورے طور سے انصار کرام کے "جلوس رسالت" کی مشابہت ہوئی۔ تمام مسلمانوں کا عقیدہ

ہے کہ حضور سید عالم ﷺ آج بھی زندہ ہیں اور امت کے احوال کا مشاہدہ فرماتے ہیں: جیسا کہ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''سلوك اقرب السبل ''میں صراحت فرمائی ہے۔تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام ضرور اپنے چاہنے والوں کے جلوس عید میلاد کا مشاہدہ فرماتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں، یہ ایک کارحسن ہے، حدیث میں ہے: **من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شی** ۔جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اس کے بعد جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے، اس کا اجر بھی اسے ملے گا، بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی ہو۔

(صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح، ص:۳۳، کتاب العلم، مجلس برکات)

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **مارأه المسلمون حسنافهو عندالله حسن** جسے مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔(حاکم مستدرک)

نیز ارشاد رسالت ہے: ''**من تشبه بقوم فهو منهم** ''(مشکوۃ المصابیح ص:۳۷۰، کتاب اللباس، مجلس برکات) جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا صحابہ کرام کے جلوس رسالت کے مشابہ جلوس نکالنا ایک محمود اور مستحسن کام ہے۔پھر مسلمان جو کام اچھا سمجھ کر کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے، بلکہ جو اچھی بات یہ ایجاد کریں اس پر اللہ عزوجل انھیں ثواب عطا فرماتا ہے اس لیے آج کے زمانے میں بھی یوم ولادت کے موقع سے خوشی منانا، فرح وسرور کا اظہار کرنا اور سرکار کی تعظیم وتوقیر کے لیے جلوس رسالت نکالنا سب جائز ومستحسن ہے۔البتہ جو چیزیں شرعی نقطۂ نظر سے ممنوعات ومنکرات سے ہیں، وہ بہر حال ممنوعات ومنکرات سے ہیں رہیں گے۔مثلاً ڈی جے بجانا اور ڈی جے پر حمد ونعت کے اشعار پڑھنا، ناچنا، تھرکنا، آتش بازی کرنا، اذان وجماعت کے وقت نماز سے غافل رہ کر کسی دوسرے کام میں مشغول رہنا وغیرہ وغیرہ یہ غیر شرعی کام جلوس رسالت کے ساتھ ہوں تو بھی ممنوع وگناہ ہیں۔اور کسی عبادت کے ساتھ ہوں تو گناہ وممنوع ہیں، اگر کہیں ناعاقبت اندیش عوام نے اس طرح کی خرافات شروع کردی ہیں تو انھیں سمجھا کر ان خرافات کو روک دیا جائے، مگر جلوس کو جاری رکھیں۔قرآن پاک میں ہے: لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۔(المائدہ، آیت:۱۰۵) واللہ اعلم

محفل میلاد شریف کا ثبوت

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام کہ ایک شخص زید حال ہی میں گجرات اجتماع سے ہو کر آیا ہے، وہ میلاد پاک کو نا جائز اور غلط بتاتا ہے۔ قرآن وحدیث سے دلیلیں طلب کرتا ہے۔ کہتا ہے کہاں سے ثابت ہے؟ ہم کو دکھاؤ تب مانیں گے نیز میلاد پاک کو کرشن کے جنم دن سے تشبیہ دیتا ہے۔ پس مذکورہ بالا شخص کا اطمینان بخش اور مسکت جواب عنایت فرمائیں۔ نیز ہندوؤں کے دیوتا کرشن کے جنم دن سے میلاد پاک کو مشابہ قرار دینے والے کا حکم وضاحت سے درج فرمائیں۔

الجواب: محفل میلاد منعقد کرنا بلاشبہ جائز و مستحسن ہے اس پر سلف سے خلف تک ساری دنیا کے سچے مسلمانوں کا اجماع ہے مولانا محمد بن سلیمان مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اصل ذكر المولدالشريف وسماعه سنة،والمسلمون من زمان السلف الى الآن كلهم رأوه حسناً:

اصل میلاد شریف اور اس کا سننا سنت ہے اور مسلمان سلف سے لے کر آج تک علما اولیا سب اسے مستحسن سمجھتے آئے۔

اب قرآن شریف سے ثبوت لیجئے: (۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔** (المائدہ، آیت:۷) اپنے اوپر اللہ کی نعمت کا ذکر کرو اور میلاد پاک میں اسی نعمت الٰہیہ کا ذکر ہوتا ہے۔ لہٰذا میلاد شریف کرنا اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔** (الضحیٰ، آیت:۱۱) اپنے رب کی نعمت کا خوب خوب چرچا کرو، اور حضور ﷺ کی تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا مسلمانوں پر احسان جتایا تو ذکر میلاد شریف اس آیت کریمہ پر عمل ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔** (یونس، آیت:۵۸) اللہ کے فضل ورحمت پر خوب خوشیاں مناؤ اور حضور ﷺ رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی۔ اور ذکر میلاد شریف اسی فضل ورحمت پر خوشی منانا ہے لہٰذا یہ آیت بھی ذکر میلاد شریف کا ثبوت ہے۔

(۴) حضور ﷺ کا ذکر میلاد شریف خود اللہ تعالیٰ نے انبیاورسل کے مجمع میں کیا۔ ارشاد باری ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ـ الخ (ال عمران، آیت: ۸۱)

ترجمہ: اور یاد کروائے رسول! جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب وحکمت دوں، پھر تمہارے پاس رسول آئے اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا، اور بہت ضرور اس کی مدد کرنا، پھر فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب انبیا نے عرض کی کہ ایمان لائے، فرمایا ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ، اور میں تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

اس طرح کی کثیر آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا ذکر میلا شریف مندوب ومستحسن، باعث اجر وثواب ہے۔ جس شخص نے حضور ﷺ کے میلاد پاک کو کرشن کے جنم دن سے تشبیہ دیا اس نے بڑی گستاخی کی، سبع سنابل شریف میں ہے کہ کرشن کافر تھا۔ غور فرمائے کافر کا جنم دن اور رحمت عالم کا جنم معاذ اللہ یکساں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ حضور کی بعثت بارے میں فرماتا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ـ (آل عمران، آیت: ۱۶۴)

یقیناً اللہ نے بڑا احسان فرمایا مسلمانوں پر کہ ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا، یہاں رسول سے مراد بالاتفاق حضور سید عالم ﷺ ہیں قرآن تو حضور کی بعثت کو احسان عظیم قرار دیتا ہے، اور یہ شخص اسے کرشن کے جنم دن سے تشبیہ دیتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اس شخص کے دل میں حضور ﷺ کی بڑی عداوت ودشمنی ہے اس کے باعث وہ کافر ہوگیا مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس شخص کا سختی سے بائیکاٹ کریں اس سے سلام کلام، بات چیت، اس کے یہاں اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا سب بند کردیں، اسے اپنی مسجد سے روک دیں یہ شخص تبلیغی، دیوبندی ہے اور دیوبندیوں پر علما حل وحرم وعرب وعجم وہند وسندھ نے سرکار ﷺ کی شان اقدس میں ان کی گستاخیوں کی وجہ سے بہت پہلے کفر کا فتویٰ دے دیا ہے ارشاد باری ہے: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ـ (الانعام، آیت: ۶۸) اگر شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔

نیز حدیث میں ہے: ایاکم وایاهم لا یضلونهم ولا یفتنونکم۔ ان کو اپنے سے دور رکھو، وہ کہیں تم کو گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (مشکوۃ شریف، ص: ۲۸، باب الاعتصام بالکتاب

...نتہ) اور فرمایا: ولاتواکلوھم ولاتشاربوھم ولاتناکحوھم۔ یعنی نہ ان کے ساتھ کھاؤ پیو، نہ ان
...ے ساتھ شادی بیاہ کرو۔ (المستدرک الحاکم، ج:۳، ص:۶۳۲) واللہ تعالیٰ اعلم

...حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات مبارک پاک ہیں یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید جو ایک سنی صحیح العقیدہ عالم
...ین ہے اس نے بیان کیا کہ حضرت علی نے سرکار کا بول مبارک پیا، اس پر بکر نے کہا کہ اس میں حضرت علی
...ی توہین ہے، زید کو کلمہ پڑھنا پڑے گا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:
(۱) کیا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین ہے، اور اس بیان کہ وجہ سے عالم دین کو تجدید ایمان کرنا پڑے گا؟
(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بول مبارک کو پینا جائز ہے یا نہیں کسی صحابی یا صحابیہ نے اسے نوش فرمایا ہے یا نہیں؟

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات، بشمول بول مبارک پاک تھے یہ مذہب امام اعظم
...وحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور اہل علم کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے۔ صحابیات میں حضرت ام
...یمن اور ام یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نیز ایک صحابی نے آپ کا بول مبارک نوش فرمایا، یہ صحابی کون تھے،
...ن کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ مدارج النبوۃ جلد اول میں ہے:

”وقاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ در شفا گفتہ کہ تحقیق رفتہ اند قومے از اہل علم بطہارت حدثین از
...نحضرت، وایں ست قول بعض اصحاب شافعی، واما بول را مشاہدہ کردہ اند بسیارے ونوشیدہ است ورام
...یمن کہ خدمت میکرد وآنحضرت را۔ وبار دیگر زنے بود کہ نام وے برکتہ بود او نیز خدمت می کرد آنحضرت را
...ں بخورد بول را وفرمود آنحضرت راخوردہ بود پس بوے خوش می دمید از وے واز اولاد وے تا چند پشت۔
...ر روایت است کہ مردم تبرک می کردند ببول ودم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتہی ملخصا“ (ص ۲۵،۲۶ ج ۱)

خصائص الکبری میں ہے: ”باب اختصاصہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بطھارۃ دمہ وبولہ وغائطہ“
...نی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خون، پیشاب و پاخانہ کا پاک ہونا آپ کی خصوصیت ہے۔ اس کے تحت کئی حدیثیں
...ذکور ہیں (ص ۲۵۷ ج ۲) عمدۃ القاری ج ۱/ ۔ اور فتح الباری ج ۱/۔ اور مواہب لدنیہ وشرح مہذب وغیرہ
...یں اس کی تفصیل ہے۔ الغرض جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک پاک ہے صحابہ کرام نے اسے بطور تبرک پیا،

سرکار نے اس پر بیمار نہ ہونے کی بشارت دی اس کی نسبت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اگر غلطی سے کسی عالم دین نے کردی تو وہ حضرت مولائے کائنات کی شان میں ہرگز ہرگز گستاخی یا بے ادبی نہیں ہے اور نہ اس کی وجہ سے قائل پر توبہ وتجدید ایمان واجب ہوا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرب دم منقول ہے۔ اگر شرب دم کی نسبت حضرت علی کی شان میں گستاخی نہیں، تو شرب بول کی نسبت بھی گستاخی نہیں قائل سے دم کی جگہ بول کہنے میں خطا ہوئی اس کی وہ اصلاح کرلے اس پر شرعاً کوئی ملامت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوری بشر ہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

زید کہتا ہے کہ حضور ﷺ بشر ہیں اور بشر نور کیسے ہوسکتا ہے؟ زید کا یہ کہنا از روے شرع کیسا ہے؟

الجواب : یہ کہنا کہ کوئی بشر نور کیسے ہوسکتا ہے اور حضور ﷺ جب بشر ہیں تو نور کیسے ہوسکتے ہیں، بڑی نادانی ہے اور یہ ایک طرح سے اللہ عزوجل کی قدرت کے انکار کی مانند ہے۔ حضرت جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم عام طور پر حضور سید الانبیا ﷺ کی بارگاہ میں شکل انسانی میں آیا کرتے تھے اور وہ بھی زیادہ تر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں۔ تو کیا یہ کہنا بجا ہوگا کہ وہ نور ہیں تو شکل بشر میں کیسے آئے؟ آنکھ نور ہے حالانکہ بشر کا ایک جز اور جسم ہے، پھر تو چاہیئے کہ آنکھ کی نورانیت کا بھی انکار کیا جائے۔ اور حضور سید عالم ﷺ کی ذات بابرکات اللہ تعالیٰ کی برہان اور معجزہ ہے اور بطور اعجاز کوئی حیرت کی بات نہیں کہ آپ نور بھی ہوں اور بشر بھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا اس کی واضح نظیر ہے۔ قرآن کریم کی آیتِ کریمہ: **قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔** میں نور سے مراد حضور سید عالم ﷺ کی ذات شریفہ ہے۔ جیسا کی عامۂ مفسرین نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے، تفسیر طبری میں ہے: **قال أبو جعفر يقول جل ثناؤه لهؤلاء الذين خاطبهم من أهل الكتاب: (قد جاءكم) يا أهل التوراة والأنجيل (من الله نور) يعنى بالنور محمد** ﷺ۔ (ص:۵۰۲، ج:۴)

تفسیرِ بغوی میں ہے: **قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ يعنى بالنور محمد** ﷺ (ص:۹۸، ج:۴)

اس لیے جو شخص وہ کلمات بکتا ہے جو اوپر مذکور ہوئے وہ اس آیتِ کریمہ کے معنیٰ مراد کا انکار کرتا ہے۔ اس

یاتو بالکل عامی اور کم فہم ہے یا پھر وہابی معاند جو حضور ﷺ کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں اور "یوحیٰ الی"
ول جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اللہ تعالیٰ کوسب سے پیاراکون ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل میں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے
ی چیز کیا ہے؟

الجواب: اللہ تبارک تعالیٰ کے نزدیک کائنات میں سب سے زیادہ پیارے اور سب سے
م ومعظم حضور سید عالم، تاجدار بنی آدم وآدم جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ چناں چہ آپ خود ارشاد
تے ہیں: "لما اقترف اٰدم الخطيئة، قال: رب اسئلك بحق محمد لما غفرت لی، قال:
ف عرفت محمداً قال لانك لما خلقتنی بيدك، ونفخت فیّ من روحك، رفعت
سی، فرأيت على قوائم العرش "لااله الاالله محمد رسول الله "فعلمت انك لم
ف الی اسمك، الا احب الخلق اليك، قال: صدقت يا ادم، ولولا محمد ما خلقتك۔
ی رواية عند الحاكم: فقال الله تعالى: صدقت يا ادم، انه لاحبُّ الخلق الیّ اما اذا
لتنی بحقه فقد غفرت لك، وما خلقتك۔ الخ جب حضرت آدم علیہ السلام سے سہو واقع ہوگیا تو
ں نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار، محمد ﷺ کے صدقے و طفیل میں میری مغفرت فرما۔ تو پروردگار نے
ا کہ تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہنچانا؟ عرض کی جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے بنایا اور میرے اندر
روح ڈالی، تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر یہ کلمہ لکھا دیکھا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اس سے
نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام ملایا ہے۔ جو تجھے تمام مخلوق میں سب سے پیارا ہے۔
ہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اے آدم تو نے سچ کہا، اگر محمد نہ ہوتے تو میں تیری مغفرت نہ کرتا۔ حاکم کی ایک
ت میں اس طرح ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ آدم تو نے سچ کہا اس میں کوئی شبہ نہیں واقعی وہ میرے
یک ساری کائنات میں سب سے زیادہ محبوب و پیارا ہے۔ اور جب تو نے اس پیارے کے صدقے میں
ا ہے تو جا میں نے تیری مغفرت فرمادی، اور اگر محمد نہ ہوتے تو نہ میں تیری مغفرت کرتا اور نہ ہی تجھے

پیدا کرتا۔

(حاکم، بیہقی، طبرانی، آجری، ابونعیم، ابن عساکر بروایت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

اس مسئلے کی تفصیل جمیل مجدد اعظم، امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" میں ہے، تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ کیجیے۔ سرکار علیہ التحیۃ والثنا کے بعد جن چیزوں کی بھی محبوبیت کا نصوص میں تذکرہ ہے وہ محض اضافی و جزئی ہے "محبوبیت مطلقہ" کا شرف عظیم تو صرف نبی رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کو حاصل ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا — نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا

کہ کلام مجید نے کھائی شہا — ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

یزید کے مظالم اور اس کا حکم

زید واقعۂ کربلا کے بارے میں کہتا ہے کہ یزید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل نہیں ہے۔ نیز یہ کہ یزید کو بھی حضرت یزید رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں اور یہ کہ یزید اگر حق پر نہیں تو ناحق پر بھی نہیں تھا، کیا مذکورہ شخص کی امامت اذان واقامت درست ہو سکتی ہے؟

شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: علماے امت کے درمیان اس باب میں اختلاف ہے کہ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا قاتل یزید پلید ہے یا نہیں، لیکن اس کے فسق و فجور میں کوئی اختلاف نہیں، اہل سنت وجماعت کا اجماع قطعی ویقینی ہے کہ یزید کبائر گناہ کے ارتکاب میں جری و بے باک اور فاسق و فاجر تھا۔ شراب خور اور بدکار تھا، مدینہ طیبہ پر لشکر کشی کی، ہزاروں صحابہ اور تابعین کو شہید کیا تین دن رات تک مدینہ طیبہ کی پاک دامن و پارسا خواتین کو اپنی فوج پر حلال کر دیا، اہل مدینہ اس کے خوف سے یوں روپوش رہے کہ کئی روز تک مسجد نبوی میں جماعت نہ ہو سکی، کتے اور بھیڑیے مسجد اطہر میں داخل ہو گئے اور منبر اقدس پر پیشاب کیا، منجنیق سے کعبہ معظمہ پر پتھر برسائے، اس میں آگ لگائی ان سب کی قدرے تفصیل صواعق محرقہ ص:۱۳۲/۱۳۳ میں ہے یزید بلاشبہ ناحق پر تھا۔ ایسے فاسق فاجر کو کلمۂ ادب سے یاد کرنا ہرگز جائز نہیں۔ حضرت عمر بن

عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی یزید کو امیرالمومنین کہہ دیا تو آپ نے اسے ڈانٹا اور اسے بیس کوڑے لگوائے۔(صواعق محرقہ ص:۱۳۲)اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ لکھتے ہیں:

''یزید کے فسق وفجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہل سنت کے خلاف ہے اور ضلالت وبدمذہبی صاف ہے بلکہ انصافا یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم ﷺ کا شمہ ہو شک نہیں کہ اس کا قائل ناصبی مردود اور اہل سنت کا عدو وعنود ہے'' (فتاویٰ رضویہ جلد سادس،ص:۱۰۷/۱۰۸،سنی دارالاشاعت)

زید جو یہ کہتا ہے کہ یزید ناحق پر نہیں تھا اور اسے ''حضرت'' اور ''رضی اللہ عنہ'' کہنا چاہیے اہل سنت کا مخالف ہے یہ خارجی ناصبی معلوم ہوتا ہے۔لہٰذا مسلمان اسے امامت کے منصب سے ہٹادیں، اذان واقامت کے لیے بھی دوسرے کو مامور کریں ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

تبلیغی جماعت کا بنیادی مقصد اور اس کا شرعی حکم

ہم محلہ پاڈی کے رہنے والے اہل طریقت ہیں۔ہماری جامع مسجد میں بارہ سال سے تبلیغی جماعت کی آمدورفت نہیں،بعض لوگوں کے ابھارنے کے سبب یہاں تبلیغی جماعت والے گشت کرنے اور اپنے مسلک کی اشاعتمیں کوشاں رہتے ہیں۔تبلیغی جماعت اور اس کے مسلک کی اشاعت کے لیے ہماری مسجد میں جگہ دینا کیسا ہے؟ آیا تبلیغی جماعت کے قائد،اہل سنت وجماعت کے موافق ہیں یا نہیں؟ کیا کسی تبلیغی جماعت والے کو مسجد کے تنظیمی امور میں حصہ لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟اور کیا تبلیغی جماعت کا عقیدہ رکھنے والے کی امامت میں نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ کیا ایسے امام کی اتباع درست ہے؟ آنجناب سے گزارش ہے کہ اپنے مدرسہ کی جانب سے ہمارے ان شبہات کا ازالہ فرمایئے گا۔

الجواب: کسی بھی جماعت کے مقاصد اور اس کی سرگرمیوں کے اصل محرکات سے باخبر ہونے کے لیے اس کے بانی کے مقاصد سے باخبر ہونا نہایت ضروری ہے اس سلسلے میں خود اس جماعت کے بانی کے دو اقوال ملاحظہ فرمایئے: مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ اپنے عزیز مولوی ظہیرالحسن صاحب سے فرمایا۔ظہیرالحسن میرا مدعا کوئی پاتا نہیں۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلاۃ نہیں۔ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا کہ میاں ظہیر الحسن ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے" (مولانا الیاس اوران کی دینی دعوت۔تصنیف مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۲۳۴)

مسلمان تو بہت پرانی قوم ہے اس لیے نئی قوم "مسلمان" کے علاوہ ہی کوئی قوم ہوگا اور بانی جماعت کے قول وقسم کے مطابق جب تبلیغی جماعت کی تحریک "تحریک صلاۃ" نہیں تو مسلمانوں میں نمازکی تحریک چلا کر سچ مچ انہیں کچھ اور ہی بنانے کی کوشش کی گئی۔

اس جماعت کے ایک سرگرم کارکن مولوی منظور نعمانی، مولوی الیاس کا ایک قول یوں نقل کرتے ہیں:

"ایک بار فرمایا: حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے؟" (ملفوظات مولانا محمد الیاس ص ۵۷) یہاں سے ثابت ہو گیا کی تبلیغی جماعت کا اولین مقصد سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو پھیلانا نہیں ہے، اور نہ ہی مسلمانوں کو نمازی بنانا مقصود ہے۔نماز کی تبلیغ تو ایک دھوکے کی ٹٹی ہے جسے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے کھڑا کیا گیا ہے ان کا بنیادی واولین مقصد محض مولوی اشرفعلی تھانوی کی تعلیمات کو پھیلانا ہے تھانوی صاحب یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں حضور اکرم سید عالم (ﷺ) کے علم غیب بلکہ بچے و پاگل بلکہ تمام جانوروں اور چوپایوں کے علم کے مشابہ بتایا ہے یا ان کے علم کے برابر قرار دیا ہے۔یہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں چونکہ بہت بڑی گستاخی ہے اس لیے علمائے حل وحرم، عرب وعجم وہندوسندھ نے باتفاق رائے انہیں کافر قرار دیا اور یہاں تک صراحت فرمائی: "من شك فی كفره وعذابه فقدكفر." "جو ایسے شخص کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔کچھ اسی طرح کی اور بھی تھانوی صاحب کی تعلیمات ہیں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تبلیغی جماعت کا مقصد کتنا خطرناک ہے۔

یہ بات سچ ہے کہ جو جماعت حضور سید اکرم محمد (ﷺ) کی شان اقدس میں گستاخی کرے گی وہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور ہی قوم ہوگی یہ اتنی بات تو مولوی الیاس صاحب نے بالکل درست کہی۔

تبلیغی جماعت کا پہلا بانی:

البتہ اس دوسری قوم کو "نئی قوم" کہنے میں ان سے کچھ چوک ہوگئی کیوں کہ گستاخان رسول کی یہ

قوم نئی نہیں ہے بلکہ یہ بھی صدہا سال کی پرانی ہے اور فی الواقع اس قوم کا بانی ایک دوسرا شخص ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث رسول سے اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے۔

مشکوۃ شریف میں ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: کہ ہم لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلہ بنی تمیم کا رہنے والا تھا آیا اور کہا اے محمد انصاف سے کام لو۔ حضور نے فرمایا: افسوس تیری جسارت پر۔ میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرنے والا ہے۔ اگر میں انصاف نہ کرتا تو خائب و خاسر ہو چکا ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب نہیں رہا گیا تو انہوں نے عرض کیا حضور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں تو حضور نے فرمایا: **عدہ فان له أصحابا يحقر احدكم صلوته مع صلوتهم وصيامه مع صيامهم يقرأون القرآن لايجاوز تراقبهم يمرقون من الدين كمايمرق السهم من الرمية** ۔ اسے چھوڑ دو، یہ اکیلا نہیں ہے اس کے بہت سے ساتھی ہیں جن کی نمازوں اور جن کے روزوں کو دیکھ کر تم اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔

(ان ساری ظاہری خوبیوں کے باوجود) وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۳۵) یہی واقعہ حضرت شریک ابن شہاب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے اس میں انہوں نے اس گستاخی کے متعلق حضور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: ''**ثم قال يخرج في آخر الزمان قوم كان هذا منهم يقرأون القرآن لايجاوز تراقيهم، يمرقون من الاسلام كمايمرق السهم من الرمية سيماهم التحليق لايزالون يخرجون حتى يخرج آخرهم مع المسيح الدجال فاذا القيتموهم هم شر الخلق والخليقة. رواه النسائى.**''

پھر حضور نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک گروہ نکلے گا گویا یہ شخص اسی گروہ کا ایک فرد ہے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے، ان کی خاص پہچان ''سر منڈھانا'' ہے۔ وہ ہمیشہ گروہ در گروہ نکلتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان کا آخری دستہ مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا۔ جب تم ان سے ملو گے تو انہیں اپنی طبیعت و سرشت کے لحاظ سے

بدترین پاؤ گے۔ (مشکوۃ شریف ص ۳۰۹)

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی یہ ساری نشانیاں تبلیغی جماعت میں موجود ہیں اس کے لیے کسی ثبوت کی حاجت نہیں بس انصاف شرط ہے۔

اس تفصیل سے عیاں ہو گیا کہ تبلیغی جماعت مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم ہے جس کا تعلق ذوالخویصرہ تمیمی جیسے گستاخ رسول سے ہے اور ان کا مقصود ایک گستاخ رسول مولوی اشرف علی تھانوی کی تعلیمات کو پھیلانا ہے اس لیے یہ ہرگز ہرگز اہل سنت و جماعت سے نہیں ان کے عقائد اہل سنت و جماعت کے عقائد کے خلاف ہیں، مسجد و مدرسہ اور کسی بھی دینی کام کے تنظیمی امور میں انہیں شریک کرنا ناجائز و گناہ ہے، ان کے پیچھے نماز باطل ہے کبھی ان کی اقتدا میں نماز درست نہ ہو گی ان کو امام بنانا حرام و گناہ ہے۔

بندے اور خدا کے ایک ہونے کا اعتقاد کفر ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں: ایک کتاب جو "مصحف رخ" کے نام سے مشہور ہے اس میں کچھ اشعار ایسے ہیں جو کفر پر مشتمل ہیں نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش خدمت ہیں:

بسمل ہے یا خدا ہے غرض دو میں ایک ہے — زیور کو زر نہیں کہوں تو اور کیا کہوں (مصحف رخ ص ۵۴)

کوئی پوچھے کہ تم نے کیا دیکھا — شکل انسان میں خدا دیکھا (ایضا ص ۳۲)

بالیقین دیکھ لے وہ بسمل کو — نہ ہو جس نے کبھی خدا دیکھا (ایضا ص ۳۲)

ہم ہی مرشِد ہیں اور ہم ہی مرشَد — ہم ہی بسمل ہم ہی خدا ہیں ہم (ایضا ص ۵۶)

بسمل تو برائے نام ہوں میں حیرت نہیں ہے اللہ ہوں میں

عارف ہے اگر تو شک مت لا تو اور نہیں میں اور نہیں (ایضا ص ۶۴)

مذکورہ بالا اشعار کے متعلق زید کا کہنا ہے کہ یہ سارے اشعار کفریات پر مشتمل ہیں اور شاعر مذہب اسلام سے خارج، بددین ہے لیکن بکر مصر ہے کہ نہیں یہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر مشتمل ہیں جس طرح شیخ منصور حلاج نے "انا الحق" کہا بظاہر تو اس کا جملہ کفریہ تھا لیکن حقیقت میں وحدۃ الوجود کی بات تھی۔

لہٰذا حضور والا سے گزارش ہے کہ مکمل تحریر فرما کر مسئلہ کو واضح فرمائیں، نیز فرمائیں کہ

کیا مجدد اعظم ہند قدس سرہ کا اس سلسلے میں کوئی فرمان ہے اور ان اشعار کو حق و درست اور قائل کو حق بجانب
کہنے والے کے لیے کیا حکم شرع ہے؟ اگر قائل کا پیری مریدی کا سلسلہ ہو تو یہ سلسلہ کیسا ہے؟ اور اس سلسلے
کے خلفا کے بارے میں کیا حکم شرع ہے۔

الجواب : مجھے نہیں معلوم کہ ''مصحف رخ'' نام کی کوئی کتاب ہے نہ میں خود اس کے شاعر
کے احوال سے آگاہ، اس لیے کسی شخص معین پر حکم جاری نہیں کر سکتا، البتہ سوال میں جو کلمات درج ہیں ان
کے متعلق جو کچھ کہا صحیح کہا، یقیناً یہ اشعار صریح کفریات پر مشتمل ہیں اور ان کا قائل کافر، مرتد، اسلام سے
خارج ہے کیوں کہ ان اشعار میں قائل نے اپنے آپ کو ''خدا اور ''اللہ'' ہونے کا دعوی کیا ہے، جو یقیناً کفر
ہے۔ سورہ اخلاص شریف کی تمام آیات کھلے طور پر اس کا رد کر رہی ہیں۔

علاوہ ازیں ان اشعار میں قائل نے انسان کے بدن میں اللہ عزوجل کے سرایت کرنے اور اس
میں داخل ہونے کا دعوی کر کے یہ جتایا کہ انسان اور اللہ دونوں ایک ہیں چاہے اسے خدا کہو، یا انسان جب
کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بدن میں سرایت کرنے یا گھسنے سے پاک ہے۔

ارشاد باری ہے: **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ** اللہ کے جیسی کوئی بھی چیز نہیں ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی
بدن میں گھسے تو لازم آئے گا کہ اس کے جیسی ہزار ہا ہزار، بے شمار چیزیں ہوں، حالاں کہ ایسا ہر گز نہیں، تو یہ
عقیدہ بھی قرآن عظیم کا کھلا انکار ہے، ان دو وجوہ کی بنا پر ان اشعار کا قائل کافر، اسلام سے خارج ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان سے سوال میں درج پہلے اور آخری اشعار کے
ساتھ انہیں کے مثل کچھ اور اشعار نقل کر کے ان کے قائل زید کے بارے میں حکم شرعی معلوم کیا گیا تو آپ
نے یہ جواب تحریر فرمایا:

بالجملہ زید ان کافروں میں ہے جن کو فرمایا گیا ہے ''**من شك فی عذابه وكفره فقد كفر**''
جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے، سلطنت اسلام ہوتی تو اس کی تعزیر یہ تھی کہ بادشاہ اسلام
اسے قتل کرتا ہے۔ اس کا اختیار غیر سلطان کو یہاں نہیں، مسلمانوں کو اس سے میل جول حرام، اس سے سلام
کلام حرام، جنازہ اٹھانا حرام، جنازہ کے ساتھ جانا حرام، اس پر نماز حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں
دفن کرنا حرام، اسے مسلمانوں کی طرح دفن کرنا حرام، اس کے لیے دعائے بخشش حرام، اسے کچھ ثواب

پہونچانا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام، جوان باتوں میں سے کوئی بات اسے مسلمان جان کر کرے گا، یا اس کی موت کے بعد اس کے لیے دعائے بخشش کرے گا، یا اسے ثواب پہونچائے گا اگر چہ اسے کافر جان کر ہو، وہ خود کافر ہو جائے گا، جو لوگ مرید اس کے ہو چکے ہیں ان پر فرض ہے کہ اس سے جدا ہوں، دور بھاگیں کہ وہ بیعت اس کے ہاتھ پر نہیں، ابلیس کے ہاتھ پر ہوئی پھر ان مریدوں میں جو اس کے ان کفروں سے آگاہ تھے اور اس کے بعد مرید ہوئے یا بعد مریدی کے آگاہ ہوئے اور اس کی بیعت سے الگ نہ ہوئے وہ سب بھی اسلام سے خارج ہیں، ان پر بھی فرض ہے کہ نئے سرے سے مسلمان ہوں توبہ کریں، توبہ و اسلام کے بعد ان کی عورتیں اگر ان سے دوبارہ نکاح پر راضی نہ ہوں تو ان پر جبر نہیں، عورتیں جس سے چاہیں اگر عدت گزر چکی ہے تو ابھی ورنہ بعد عدت اپنا نکاح کر لیں، اور اگر انہیں سے دوبارہ نکاح کریں تو مہر جدید لازم آئے گا اور پہلا مہر بھی اگر باقی ہے دینا ہوگا"۔ (فتاوی رضویہ ص:۱۹۵ ج:۶)

تحقیق کے لیے فتاوی رضویہ (ص:۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ج:۶) کا مطالعہ فرمائیں۔

اور حضرت شیخ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے استدلال بالکل غلط ہے، وہ حلول واتحاد (کسی بدن میں اللہ تعالیٰ کے گھسنے، اور بندہ وخدا کے ایک ہو جانے) کے قائل نہ تھے، ان کی زبان پر کلمہ عالم سکر میں جاری ہو گیا تھا اس وقت وہ ہوش میں نہ تھے، اور نہ ہی شرعاً مکلّف تھے جیسے عام انسانوں میں پاگل مکلّف نہیں ہوتا، یوں ہی گروہ صوفیہ میں جو حضرات سکر کی حالت میں ہو جاتے یا رہتے ہیں وہ بھی مکلّف نہیں ہوتے کیوں کہ انہیں اس کا ہوش ہی نہیں رہتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے انا الاحق فرمایا تھا، لیکن سننے والوں نے انا الحق سنا، اس لیے بہر حال حلول واتحاد کے قائلین کا اس سے استناد بیجا وزیادتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

"میں قرآن وحدیث کو نہیں مانتا" کہنا کیسا ہے؟

زید کے اوپر بکر نے سرقہ کا الزام لگایا، تو زید نے بکر سے کہا کہ آپ مجھ پر غلط الزام لگا رہے ہیں، میں مسجد میں قرآن پاک ہاتھ میں لے کر قسم کھانے کو تیار ہوں کہ میں نے ایسی حرکت نہیں کی ہے۔ اس بات پر بکر نے برجستہ کہا کہ "میں قرآن وحدیث کو نہیں مانتا" بکر کے اس قول پر مسجد کے امام ونائب امام صاحبان جو اس وقت وہاں موجود تھے، انھوں نے بکر سے کہا کہ یہ کفریہ الفاظ ہیں، آپ توبہ کریں تو بکر نے

توبہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ”میں نے کوئی غلط بات نہیں کی ہے، میں توبہ نہیں کروں گا“
جواب طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا قول کے قائل کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟
کیا بکر نے جو الفاظ کہے وہ واقعی کفریہ ہیں؟ نیز اس قسم کے قائل پر تجدید ایمان و نکاح لازم ہے یا نہیں؟
قرآن حدیث کی روشنی میں آسان لفظوں میں صراحت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: یہ کہنا کہ ”میں قرآن وحدیث کو نہیں مانتا“ کفر ہے، اس لیے بکر اس قول سے علانیہ رجوع و توبہ کرے، ساتھ ہی تجدید ایمان بھی اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی۔

حدیث جبریل میں ہے: **قال: (جبرئیلُ) فاخبرني عن الايمان، قال: أن تؤمن بالله وملٰئكتِهٖ وكُتُبِهٖ ورُسلهٖ واليومِ الاٰخروتؤمن بالقدرخيره وشرّه۔**
(صحیح مسلم ص: ۲۷، ج: ۱، کتاب الایمان، مجلس برکات) واللہ تعالیٰ اعلم

منکرین حدیث کے عقائد اور حکم

(منکرین حدیث کا گروہ اپنی خفیہ مگر منظم سازش کے ذریعہ جگہ جگہ اپنی جڑیں مضبوط کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے یہ لوگ گھنٹوں قرآن شریف پڑھتے رہتے ہیں اور قریب آنے والوں کو بڑی سادگی سے بتاتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو ہمارے لیے کافی ہے وبس۔ قرآن شریف کو مسلمان مانتا ہے اس لیے سادہ لوحی میں وہ ان کے قریب ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ حضرات علمائے اہل سنت ان کے فتنوں سے لوگوں کو باخبر کریں، اس سلسلے کی ایک معمولی کوشش درج ذیل فتویٰ بھی ہے، جس سے اس گمراہ فرقہ کا کچھ حال معلوم ہوگا۔)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل صورت حال کے بارے میں کہ رمضان المبارک میں ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس میں مندرجہ ذیل باتیں بھی درج ہیں:
(۱) اسلام میں اطاعت صرف قوانین خداوندی کی ہے، کسی اور کی نہیں، یہ حق کسی کو حاصل ہی نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے حتیٰ کہ رسول کو بھی نہیں (۸۷/۳)
(۲) اسلام کا پیغام تو قرآن میں مکمل ہوگا لیکن اس کا مکمل طور پر ایک نظام کی شکل میں متشکل اور

متمکن ہونا ضروری نہیں تھا کہ حضور کی زندگی میں ایسا ہوتا (۲۸/۷۷)

(۳) خدا اور بندے کے درمیان کوئی ذریعہ اور واسطہ نہیں، کوئی حاجب درمیان نہیں، قرآن کے ذریعہ انسان کا تعلق براہ راست خدا سے قائم ہو جاتا ہے۔(۷۲/۱۸۶)

یہ تعلق خدا کی کتاب کے ذریعہ قائم ہوتا ہے جو انسان کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔

(رسالہ طلوع اسلام ۲۵ گلبر گہ لاہور ماہ اگست ۱۹۲ص:۵۱) یہ مضمون کیسا اور اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب: بعون الملك الوهاب۔ ماہنامہ طلوع اسلام گلبر گہ ۲/۔ لاہور ۱۱/۔ اسلام دشمن ''منکرین حدیث'' کا رسالہ ہے یہ فرقہ چودھویں صدی ہجری میں لاہور سے ظاہر ہوا اور اسلام کی بیخ کنی میں پورے طور پر مصروف عمل ہو گیا۔ اس فرقے کا بانی ملا چکڑالوی ہے اس لیے اس کے ماننے والوں کو ''چکڑالوی'' کہا جاتا ہے۔

چکڑالوی دین کا اصل اصول یہ ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت ناجائز ہے یعنی ٹھیک وہی دین جو کفار و مشرکین کا تھا، قرآن کا ارشاد ہے: وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَراً مِثْلَكُم اِنَّكُم اِذَاً لَّخٰسِرُونَ (۲۳-۳۴)

(قوم کفار کے سردار بولے) اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی (رسول) کی اطاعت کرو تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔

یہ وہی ملا چکڑالوی ہے جس کے بارے میں رسول اکرم (ﷺ) نے یہ پیشین گوئی دی تھی۔

ألاانی أوتيت القران ومثله معه ألايوشك رجل شبعان على أريكته يقول عليكم بهذاالقرآن فماوجدتم فيه من حلال فاحلوه وماوجدتم فيه من حرام فحرموه وانّ ماحرم رسول الله كماحرم الله الخ۔

آگاہ ہو! کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کے مثل (حدیث) بھی۔ خبردار! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا اپنے مسہری پر کہے کہ صرف قرآن کو تھام لو، اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور جو حرام پاؤ اسے حرام جانو حالاں کہ رسول اللہ کا حرام فرمایا ہوا ویسا ہی حرام ہے جیسا کہ اللہ کا حرام کیا ہوا۔

(مشکوۃ، باب الاعتصام ص:۲۹، مجلس برکات)

ان کا مذہب ہے کہ ہر شخص کو اپنی سمجھ کے مطابق عمل کر لینا نجات و ہدایت کے لیے کافی ہے۔ اور

تمام حدیثیں معاذ اللہ یکسر باطل اور ردی کے ٹوکرے میں پھینکنے کے قابل ہیں۔ اسی کا اظہار رسالہ طلوع اسلام میں انداز بدل کران الفاظ میں کیا گیا:

''اسلام میں اطاعت صرف قوانین خداوندی کی ہے، کسی اور کی نہیں، یہ حق کسی کو حاصل ہی نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے، حتیٰ کہ رسول کو بھی نہیں۔ (۸۷/۳)

خدا اور بندے کے درمیان کوئی ذریعہ اور واسطہ نہیں، قرآن کے ذریعہ انسان کا تعلق براہ راست خدا سے قائم ہو جاتا ہے۔ (۷۲/۱۸۶)

چکڑالویوں کا یہ مذہب حقیقت میں مذہب اسلام کے بالمقابل ایک نیا مذہب ہے، جس کا مقصد اسلام کی بنیادوں کو متزلزل کر کے اس کی پرشکوہ عمارت کو ڈھا دینے اور مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں، اسی لیے انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد اس امر پر رکھی:

''رسول کی اطاعت کوئی چیز نہیں، حدیث باطل ہے'' کھلی ہوئی بات ہے کہ جب حدیث رسول اطاعت رسول کا کوئی اعتبار نہ ہوگا تو قرآن اور ایمان سے بھی ہاتھ دھولینا پڑے گا۔ کیوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا کلام قرآن مجید ہمیں رسول کے واسطہ سے ہی ملا ہے۔ اور انہوں نے ہی ہمیں یہ بتایا کہ یہ کلام الٰہی ہے چونکہ آپ کی حدیث باطل ہے اس لیے قرآن کا قرآن وکلام اللہ ہونا بھی چکڑالوی دین میں باطل ہوا۔ رسول اللہ (ﷺ) قرآن حکیم کے شارح ہیں آپ نے جس آیت کی جو تشریح فرمائی وہ واجب العمل ہے لیکن حدیث کے باطل ہونے کی وجہ سے آپ کی تشریح وتفسیر بھی باطل ہوئی۔ اور اب ہر دشمن اسلام کے لیے آسان ہو گیا کہ قرآن کی تشریح کے نام پر اس میں جی بھر کر تحریف وتبدیل کرے۔

ایمان نام ہے ''التصدیق بماجاء به النبی ﷺ'' کا یعنی ان تمام امور کی تصدیق کا جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں۔ ان امور میں آپ کے اقوال، افعال، وحی الٰہی سبھی داخل ہیں اور یہ سب کے سب چکڑالوی مذہب میں بے کار و ناقابل اعتبار ہیں اس لیے اب ایمان واسلام کی بھی حاجت نہ رہی۔ دیکھ رہے ہیں آپ! کس شاطرانہ چال سے کھودی جارہی ہے جڑ مذہب اسلام کی، یہ دشمنان اسلام کی انتہائی خطرناک اور منظم سازش ہے کہ ان کے صرف ایک اصول کے مان لینے کے بعد رسول، حدیث رسول، قرآن، تفسیر قرآن ایمان وضروریات ایمان سب کی بنیادیں منہدم ہو جاتی ہیں اور اسلام کی حقیقت سوائے

لفظ ''اس ل ام'' کے کچھ نہیں رہ جاتی۔

یہ گمراہ کہنے کو تو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں مگر فی الواقع یہ محرف قرآن بلکہ منکر قرآن ہیں، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ سوال میں جو اقتباسات نقل کیے گئے ہیں اور آیت و سورت نمبر لکھ کر انہیں قرآن میں ہونا ظاہر کیا گیا ہے وہ قران حکیم میں نہیں ملتے، حوالے کے لیے آیتوں اور سورتوں کے جو نمبر اشتہار میں شائع کیے گئے ہیں وہ سفید جھوٹ ہیں قرآن پاک کھول کر دیکھ لیجئے یہ حوالے مع مضامین نہیں ملیں گے، ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ اقتباس نمبر۴ میں سورہ نمبر۲۷ آیت نمبر۱۸۶ کا حوالہ ہے، جب کہ سورہ ۲۷ یعنی سورۂ جن میں صرف ۲۸ر آیات ہیں۔ شاید چکڑالوی مذہب کا قرآن کوئی اور ہے جو ''اللہ کی کتاب'' نہیں بلکہ ''چکڑالوی کی کتاب'' ہے اور اس میں اسلام کے خلاف یہ امور درج ہیں اگر ایسا ہے تو وہ کتاب چکڑالویوں کو مبارک ہو، اقتباس نمبر۱ کا مضمون جو چکڑالوی مذہب کی بنیاد ہے۔ وہ بھی کتاب اللہ میں موجود نہیں سورہ نمبر۳ آیت :۷۸ کا جو مضمون ہے اس کا اقتباس سے دور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ چکڑالویوں کے ایک بہت بڑے ملا جوان کے نزدیک مجدد عصر تھے یعنی (غلام احمد پرویز) نے آیت ۷۹ کا سہارا لیا ہے لیکن وہ سرتاسر تحریف پر مبنی ہے وہ آیت یہ ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران، آیت:۷۹)

کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم و پیغمبری دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ (میری عبادت کرو)

اس آیت کریمہ میں ''عِبَادًا لِّيْ'' کا لفظ آیا ہے ''مطیعاً لی'' کا لفظ نہیں۔ ''عبادت'' اور چیز ہے اور ''اطاعت'' اور چیز۔ عبادت غیر اللہ کی نہ صرف ناجائز بلکہ شرک ہے اور اطاعت غیر اللہ کی بہت سی صورتوں میں نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے خود قرآن نے رسول کی اور اولوالامر کی اطاعت کو واجب ولازم قرار دیا ہے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء، آیت:۵۹) سورۂ آل عمران کی آیت نمبر۷۹ میں عبادت کی نفی کی گئی ہے اور اسلام دشمن چکڑالوی اسے اطاعت کی نفی قرار دیتا ہے۔ جبکہ ''عبادت'' اور اطاعت'' دو مستقل لفظ ہیں اور دونوں کے معنی بھی الگ الگ ہے۔ کسی کا حکم ماننا

اطاعت کہلاتا ہے اور یہ جائز ہے جیسے ماں باپ کا حکم ماننا، استاذ کا حکم ماننا، امیر جماعت وسردار قوم کا حکم
ماننا، یہ وہ کام ہے جسے ساری دنیا کررہی ہے، یہ شرک نہیں۔لیکن عبادت اللہ کے سوا خواہ کسی کی بھی ہو شرک
ہے اور یہ کام مشرک کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا۔تو کتنا فرق ہے عبادت اور اطاعت کے درمیان۔
ایسے روشن فرق کے باوجود عبادت کو اطاعت قرار دینا یقیناً قرآن مقدس کی کھلی تحریف اللہ عزوجل پر افترا،
اور اسلام پر ظلم وزیادتی ہے، اس کی جرأت وہی کرسکتا ہے جس کے سینے میں اسلام اور مسلمانوں سے
بدرجہ بغض اور عداوت ونفرت ہو۔

غور کیجئے اگر یہاں رسول کی اطاعت کی نفی ہوتی تو دوسری آیات میں رسول کی اطاعت کا لازمی
حکم ہرگز نہیں دیا جاتا۔

اب ہم ذیل میں قرآن حکیم کی چند آیات پیش کرتے ہیں جن سے عیاں ہوگا کہ رسول اللہ شارح
قرآن ہیں، حدیث حجت ہے، اور آپ کی اطاعت واجب ہے۔

(۱) وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ۔

اور اے رسول ہم نے تمہاری طرف یہ ذکر (قرآن) اتارا تاکہ تم لوگوں سے بیان کردو جو ان کی
طرف اترا۔

اس آیت کریمہ سے بخوبی عیاں ہے کہ رسول اللہ کو خدا نے شارح قرآن بنایا ہے تاکہ آپ
لوگوں کو قرآن حکیم کے مفاہیم ومطالب سمجھا دیں۔یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے مگر امت بغیر
رسول کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی، یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن کو ہر چیز کا روشن بیان بتایا گیا ہے وہاں نزول کی
نسبت خاص رسول کی طرف فرمائی گئی جیسا کہ ارشاد باری ہے: "وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ" اور اس آیت
کریمہ میں امت کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ مانزل الیھم فرمایا گیا تو اس کا مطلب امام احمد رضا قدس
سرہ کے الفاظ میں یہ ہوا:

"اے محبوب تم پر تو قرآن حمید نے ہر چیز روشن فرمادی اس میں سے جس قدر امت کے بتانے کو
ہے وہ تم ان پر روشن فرمادو" (اقامۃ القیامہ ص:۴۰) تو رسول کی شرح وتفسیر کو باطل قرار دینا قرآن حکیم کی اس
آیت سے کھلا انکار ہے۔

(۲) وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر، آیت:۷)

جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ رسول کے اوامر کا امتثال اور آپ کے نواہی سے اجتناب واجب ہے اور اسی کا نام "وجوب اطاعت" ہے۔

(۳) قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ۔ (آل عمران، آیت:۳۲)

اے رسول تم فرمادو کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

(۴) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء، آیت:۶۴)

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اس آیت کریمہ میں بعثت کا مقصد ہی اطاعت رسول کو بتایا گیا ہے۔

(۵) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ (النساء، آیت:۵۹)

اے ایمان والوں اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں حکومت والے ہیں۔

(۶) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء، آیت:۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۷) فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا: (النساء، آیت:۶۵)

اے محبوب، تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔

(۸) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی: (النجم، آیت:۳/۴)

رسول کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

یہ اور اس طرح کی کثیر آیات کریمہ سے بہت واضح ہو کر یہ عیاں ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت واجب ہے آپ کی حدیث اور تفسیر حجت ہے، آپ کی ہر بات وحی الٰہی ہے اور آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور چونکہ آپ کا ہر فیصلہ اور ہر بات وحی الٰہی ہے اس لیے آپ کا فیصلہ "حکم بماانزل اللہ" ہوا۔ لہٰذا یہاں **من لم یحکم بماانزل اللہ**، اور **فاحکم بینهم بما انزل اللہ** سے معارضہ سخت حماقت و جہالت ہے۔

چکڑالویوں کا حکم: ان آیات کو سامنے رکھ کر چکڑالوی مذہب کے اصول کا جائزہ لینے سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ چکڑالوی آیات قرآنیہ کے منکر بھی ہیں اور محرف بھی۔ لہٰذا وہ اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہیں کہ انکار قرآن اور تحریف قرآن دونوں ہی کفر ہیں مسلمانوں پر واجب ہے کہ مکمل طور سے ان کا بائیکاٹ کریں، ان سے سلام و کلام، میل و جول سب ختم کر لیں، ان کی کتابیں و پرچے خریدنا، انہیں پڑھنا اور شائع کرنا سخت حرام و گناہ ہے لہٰذا ان باتوں سے بھی احتراز کریں۔ قرآن فرماتا ہے:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناشائستہ کلمات کہنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے خدائے تعالیٰ کے بارے میں ناشائستہ کلمات کہے اور گالیاں بھی بک دیں، سننے والے فوراً ٹوک پڑے اور توبہ کرنے کو کہا از روئے شرع زید کے بارے میں حکم کیا ہے بیان کریں اس کی بیوی اگر عقد سے نکل گئی ہو اور عقد ثانی کے لیے تیار نہ ہو تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: اللہ تبارک و تعالیٰ کو گالی دینا کفر اور گالی دینے والا کافر ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **یکفر اذا وصف اللہ تعالیٰ بمالایلیق به، او سخر باسم من اسمائه، او نسبه الی الجهل او العجز او النقص** ۔اھ (۲/۲۸۱) لہٰذا زید خدائے پاک کو گالیاں دینے کی وجہ سے کافر ہو گیا اس پر فرض ہے کہ فوراً توبہ و تجدید ایمان کرے۔ اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی اور وہ مدخولہ ہو تو بعد

عدت ورنہ فوراً دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

"مسلک اعلیٰ حضرت" کیا ھے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں:

(۱) مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے۔؟

(۲) کیا سنی ہونے کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کو ماننا ضروری ہے۔؟

(۳) نعرۂ مسلک اعلیٰ حضرت لگانا کیسا ہے؟

(۴) کیا نعرۂ مسلک اعلیٰ حضرت لگانا شدت پسندی ہے؟

(۵) کیا مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ آج سے پہلے بزرگوں نے لگایا ہے۔؟

(۶) اگر کوئی مسلک اعلیٰ حضرت کو نہ مانے وہ سنی رہے گا یا نہیں۔؟

(۷) مذکورہ تمام سوالوں کے جواب حوالے اور دلائل کے ساتھ عنایت فرمائیں، اور مسلک اعلیٰ حضرت کی وضاحت میں قرآن وحدیث اقوال سلف وخلف کی مثالیں بھی عنایت فرمائیں: (نوٹ) حالات کے پیش نظر کثیر علمائے اہل سنت کی دستخط کی ضرورت درپیش ہے، اس لیے برئے کرم ادارے کے علما کی دستخط کے ساتھ جواب ارسال فرمائیں بہت بہت نوازش ہوگی۔

الجواب: عرف ناس شاہد ہے کہ "اعلیٰ حضرت" کا لفظ اس زمانے میں "اہل سنت وجماعت" سے کنایہ ہوتا ہے، جیسے حاتم کا لفظ سخاوت سے، موسی کا لفظ محق اور فرعون کا لفظ مبطل سے کنایہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج یہ لفظ اہل سنت وجماعت کی شناخت بن چکا ہے کسی بھی مقام پر کوئی شخص اگر عقیدت سے اعلیٰ حضرت کا لفظ بول دیتا ہے تو سننے والے بلا تامل اسے "سنی" یقین کر لیتے ہیں، اور ہر شخص سمجھ جاتا ہے کہ یہ اہل سنت وجماعت سے ہے۔

اجل علمائے مکہ معظّمہ حضرت مولانا سید محمد مغربی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث حرم مکہ فرماتے ہیں:

اذاجاء رجل من الهند نسئله عن الشيخ احمدرضافان مدحه علمناأنه من أهل السنة، وان ذمه علمناأانه من أهل البدع، هذا هوالمعيار عندنا۔ اھ ملتقطا

یعنی جب ہندوستان سے کوئی آتا ہے تو ہم اس سے مولانا شیخ احمد رضا خاں صاحب کے بارے
یں پوچھتے ہیں اگر وہ ان کی تعریف کرتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ ''اہل سنت'' سے ہے۔ اور اگر ان کی
رائی کرتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ بد مذہب ہے، یہی ہماری کسوٹی ہے۔

حضرت علامہ سید محمد علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ قاضی القضاۃ مکہ معظمہ اعلیٰ حضرت کی شان میں فرماتے ہیں:

نحن نعرفه بتصنيفاته وتاليفاته، حبه علامة السنة، وبغضه، علامة البدعة۔اھ

یعنی ہم اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کو ان کی تصنیفاف وتالیفات سے پہچانتے
یں ان کی محبت سنیت کی علامت ہے اور ان سے بغض بد مذہبی کی پہچان ہے۔

حاصل اعلی حضرت کا لفظ سنیت کی شناخت ہے۔ پہچان ہے، عرف عام میں اہل سنت کا مترادف ہے اس
لیے ''مسلک اعلی حضرت'' کا معنی ہے ''مسلک اہل سنت'' جس کا اطلاق بلا شبہ جائز ہے۔

ممکن ہے کسی کے دل میں یہ شبہ گزرے کہ جب اس کا معنی ''مسلک اہل سنت'' ہے تو پھر لفظ
'اعلی حضرت'' کے ذکر سے کیا فائدہ؟

اس کا جواب کسی ذی ہوش سے پوشیدہ نہیں آج حالات یہ ہیں کہ ''سنی'' کا لفظ شیعہ کے مقابل
یں بولا جاتا ہے اس لیے ''سنی'' کا لفظ آج وہابیوں، دیوبندیوں، ندویوں وغیرہم سے امتیاز کے لیے کافی نہ
ہا، یہی حال آج لفظ اہل سنت کا بھی ہے وہابی اپنے کو وہابی اور دیوبندی اپنے کو دیوبندی نہیں کہتے، بلکہ وہ
ھی اپنے آپ کو اہل سنت ہی کہتے ہیں اور اپنے علما کو حامی سنت اور امام اہل سنت کا خطاب دیتے ہیں۔ اس
لیے یہ لفظ بھی آج اہل سنت اور اہل بدعت وہابیہ، دیابنہ وغیرہم کے درمیان امتیاز کے لیے کافی نہ رہا، اب
مارے جو بھائی کسی ذاتی رنجش اور باہمی چپقلش کی وجہ سے اعلی حضرت کی شان گھٹانے میں لگے ہوئے ہیں
ھوڑی دیر کے لیے خالی الذہن ہو کر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ بد مذہبوں سے امتیاز کے لیے کون سا جامع
ختصر لفظ انتخاب کیا جائے، ہمیں یقین ہے کہ وہ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ ''مسلک اعلی حضرت'' کے لفظ سے
یادہ موزون کوئی لفظ نہیں کیوں کہ ''سنیت کا شعار'' یہی لفظ ہے، اہل سنت کی شناخت یہی کلمہ ہے،
د مذہبوں سے امتیاز اسی کا خاصہ ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق تھا چند برسوں پہلے باہمی
ختلاف کے نتیجے میں کچھ کرم فرماؤں نے اسے سوالیہ نشان بنانے کی کوشش کی جو بے دلیل ہونے کی وجہ

سے سابقہ اتفاق میں رخنہ انداز نہیں ہوسکتا۔حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مارآه المسلون حسن فهوعندالله حسن۔'' جسے مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔(مسند احمد)

اشباہ قاعدۂ سادسہ میں ہے:**اعلم ان اعتبار العادة والعرف ترجع اليه فى الفقه فى مسائل كثيرة حتى جعلواذالك**۔اھ(۱۱۶)صحابی رسول حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر یہ سوال کرتے ہیں کہ **مادينك** ؟''تیرا دین'' کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے دینی الاسلام ''میرا دین'' اسلام ہے۔(مشکوۃ شریف ص ۲۵ بروایت احمد وابوداؤد)

اس حدیث میں ایک فرد خاص کی طرف ''دین'' کی نسبت ہے تو اعلیٰ حضرت کی طرف مسلک کی نسبت میں کیا قباحت، جب کہ لفظ اعلیٰ حضرت معیار حق ہے۔**هذاهوالمعيارعندنا**۔

اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر اب ترتیب وار ہر سوال کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مسلک اعلیٰ حضرت ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا۔قرآن شریف کی پہلی سورہ سورۂ فاتحہ میں ہے۔**صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ**۔(الفاتحہ،آیت:۷)

صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صراط مستقیم طریق اہل سنت ہے جو اہل بیت واصحاب اور سنت وقرآن وسواد اعظم سب کو مانتے ہیں''(خزائن العرفان ۳)

یہ وہ مسلک ہے جس پر حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رہے حدیث میں ہے: **قالوا:من هيى (الملة الناجية) يارسول الله ؟قال:ماانا عليه واصحابى**۔صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ، ملت ناجیہ کون ہے؟ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ''جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ'' بعض روایتوں میں ہے وھی الجماعۃ یعنی جماعت اہل سنت (مشکوۃ شریف، ص:۳۰)

یہ مسلک سواد اعظم ہے۔حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**اتبعواالسوادالاعظم**۔''سواد اعظم کی پیروی کرو۔

مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری وقت مدینہ منورہ میں یہ وصیت تحریر فرمائی تھی: ''الحمدللہ میں مسلک اہل سنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہی ہے جو اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں مرقوم ہے اور الحمدللہ آخری وقت اسی مسلک پر حضور پرنور ﷺ کے قدم مبارک میں خاتمہ بالخیر ہورہا ہے''۔ (ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ شمارہ صفر ۱۴۱۶ھ ص ۱۰ بحوالہ ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی شمارہ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ)

''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا ابھی جو تعارف کرایا گیا اس کے ثبوت کے لیے کھلے ذہن سے آپ کی تصانیف مبارکہ مثل حسام الحرمین، فتاوی الحرمین، الدولۃ المکیہ، الکوکبۃ الشھابیہ، سجن السبوح، النھی الاکید، ازالۃ العار، اطائب الصیب، رسالہ فی علم العقائد والکلام، تمھید ایمان، الامن والعلی، تجلی الیقین، الصمصام، ردالرفضہ، الجراز الدیانی، جزاراللہ عدوہ، خالص الاعتقاد، نفی الفی، انباء المصطفی، الزبدۃ الزکیۃ، شمائم العنبر، دوام العیش، انفس الفکر، الفضل الموھبی وغیرہا کا مطالعہ کافی ہے۔

(۲۔۳۔۴۔۵۔۶) جب یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوگئی کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا معنی ''مسلک اہل سنت و جماعت'' ہے تو ان امور میں جو موقف اور جو حکم عامۂ اہل سنت کے نزدیک لفظ ''مسلک اہل سنت وجماعت'' کا ہے وہی حکم مسلک اعلیٰ حضرت کا بھی ہے۔ اب ہر شخص اپنے طور پر انصاف و دیانت کے ساتھ خود فیصلہ کرے، اور ضد و عناد سے باز رہے۔

دارالافتا میں بارہا اس طرح کے سوالات آتے ہیں اور سب ایک مخصوص علاقے سے ہی آتے ہیں ہم اپنے ایسے بھائیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ذرا یہ بھی سوچیں کہ وہ کس روش پہ چل رہے ہیں، کیا ٹھیک اسی طرح کے سوالات ایک بدبودار غیر مقلد نہیں کرتا ہے، کہ مسلمانوں کا مذہب تو صرف ایک اسلام ہے، یہ چار مذاہب کہاں سے پیدا ہوگئے، کیا حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، مذاہب اسلاف کے زمانے میں تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ٹھیک اسی طرح کی باتیں کیا تصوف کے دشمن مشرب قادری، چشتی، نقش بندی، سہروردی پھر ان کی گوناگوں شاخوں کے بارے میں نہیں کرتے، ذرا اور قریب آیئے، کیا اپنے کو رضوی اور اشرفی کہنا شدت

پسندی ہے، کیا اسلاف نے اپنے آپ کو رضوی، اشرفی کہا ہے؟ یہ سب عامیانہ باتیں ہیں جو جاہل عوام کو فقہا، صوفیہ، علما سے برگشتہ کرنے کے لیے ان کے معاند کہا کرتے ہیں۔ تو ہمارے بھائیوں کو تو کم از کم ان کی روش پر نہ چلنا چاہیے جو لوگ عرف و عادت و حالات زمانہ سے نگاہیں بند رکھتے ہیں انہیں یہی سب سوجھتا رہتا ہے۔ فقہا فرماتے ہیں۔ من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل. واللہ تعالیٰ اعلم

(ردالمحتار المطبوع مع الدر المختار، باب الا حصار، ص:۳۰،۴ ج:۴ دارالکتب العلمیہ)

مسائل نماز

ریڈیو کی خبر پر نماز تراویح پڑھ لی، صحیح ہوئی یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علما دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ۲۹ رشعبان کو رمضان کا چاند نظر آیا۔ لوگوں نے ریڈیو کی خبر پر اعتماد کر کے تراویح کی نماز باجماعت پڑھ لی۔ دن کے بعد ۲۹ کے چاند کا ثبوت شرعی حاصل ہو گیا۔ تو نماز تراویح صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز تراویح تو صحیح ہو گئی یعنی اب حکم یہی ہوگا لیکن بلا ثبوت شرعی اس شب کو شب رمضان اعتقاد کرنا ناجائز تھا۔

ردالمحتار، بحث اوقات الصلاۃ میں ہے:

یشترط لصحة الصلاة دخول الوقت واعتماد دخوله، کمافی نور الایضاح وغیره، فلو شك فی دخول وقت العبادة، فاتی بهافبا ن انه فعلها فی الوقت لم یجزه کمافی الأشباه فی بحث النیة۔ اھ (ص:۲۹ ج:۲ مطلب: یشترط العلم بدخول الوقت، بیروت)

(ترجمہ) نماز صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ نماز کا وقت ہو چکا ہو، ساتھ ہی نمازی کو وقت ہو جانے کا اعتماد و یقین بھی ہو ایسا ہی نور الایضاح وغیرہ میں ہے۔

اور اگر اسے نماز کا وقت ہونے میں شک تھا، پھر بھی پڑھ لیا اور بعد میں یہ ظاہر ہو کہ اس نے نماز وقت میں پڑھی ہے تو نماز نہ ہوئی کہ صحت نماز کی دوسری شرط نہ پائی گئی۔ اشباہ کی بحث نیت میں ایسا ہی ہے۔

یہاں تراویح پڑھنے والوں کو وقت عبادت کے موجود ہونے میں شک نہیں تھا بلکہ انہوں نے اس اعتماد واعتقاد کے ساتھ نماز پڑھی کہ وہ شب واقعی رمضان شریف کی شب ہے۔فتاوی رضویہ میں تار کی خبر پر روزہ توڑنے والوں کے بارے میں ہے:

''انہوں نے اپنے نزدیک عید ہی جان کر روزے توڑے اور وہ خبریں اگر چہ شرعاً نامقبول ہیں مگران عامیوں کے لیے موجب ظن، بلکہ ان کے گمان میں موجب یقین ہو چکی تھیں''۔

(ص:۵۲۲ ج:۴ کتاب الصوم، رضا اکیڈمی، ممبئی)

اور ثبوت شرعی سے یہ معلوم ہو گیا کہ دخول وقت واقع میں ہو چکا تھا تو صحت صلاۃ کی دونوں شرطیں ان کے حق میں پائی گئیں اس لیے حکم یہی ہوگا کہ ان کی نماز تراویح صحیح ہے مگر امر شرع میں جسارت کی وجہ سے گنہگار ہوئے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:''تار کی خبر شرعاً محض نامعتبر۔انہوں نے بے ثبوت رویت عید کر لی اور حکم احکم حاکم اعظم ﷺ سے مخالفت کی،ایسی خبر میں شرع نے فرض کیا تھا کہ زنہار بے تحقیق عمل نہ کریں''۔

(المصدر السابق،ص:۵۲۱)اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے یہاں فساد نماز عید کا حکم نہ دیا۔واللہ تعالی اعلم

پتلون میں نماز

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین:

(۱) اگر پتلون ٹخنوں کے نیچے تک ہو تو نماز پڑھتے وقت نیچے یا اوپر سے چڑھا کر نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں میرے ذاتی مطالعہ سے مجھے یہی جانکاری ہے کہ کف ثوب لازم آئے گا۔

(۲) لیکن ایک مفتی صاحب پینٹ پہننا جائز قرار دیتے ہیں اور دوسرے مفتی صاحب پینٹ پہننا مکروہ قرار دیتے ہیں اور یہ فتوی اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔قرآن کریم وحدیث قدسی کے مطابق دونوں مفتیان کرام کے فتاوے کو ذہن نشیں کر کے مدلل اور مفصل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: (۱) پتلون کو اگر اوپر سیدھا چڑھا جائے کہ نیچے سے بدوضع، بے ڈھنگا نہ معلوم ہو تو

کوئی حرج نہیں کہ اس طرح ٹخنے کھل گئے اور بدوضع بھی نہ ہوئی، نہ ہی فقہی نقطۂ نظر سے کف ثوب ہوا۔اور اگر نیچے سے چڑھائے جیسا کہ کچھ لوگ پائنچوں کو موڑ کر اوپر اٹھا لیتے ہیں تو یہ دیکھنے میں بھی مکروہ لگتا ہے اور شرعاً بھی ناجائز و مکروہ ہے کہ پتلون کو اس طور پر نہیں پہنا جاتا، نہ شرفا و حکام کے یہاں کوئی اس طور پر جاتا ہے تو یہ طریقہ عادت کے خلاف ہے اور کف ثوب جو جو عادت کے خلاف ہو وہی مکروہ ہے صحاح ستہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''امرت ان اسجد علی سبعة أعظم ولا اكف ثوبا ولا شعرا ''۔(مسلم شریف، ج:۱،ص:۱۹۳باب اعضاء السجود، مجلس برکات) تمام متون مذہب میں ہے: كره كف ثوبه اھ۔ردالمحتار میں ہے: حرر الخبر الرملي ما يفيد ان الكراهة فيه تحريمية ۔اھ (ردالمحتار علی الدرالمختار، ج:۲ص:۴۰۶ مطلب فی الکراہۃ التحریمیۃ الخ)

ہمارے بعض علما نے اس کی اجازت دی ہے اور اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ پتلون کو اوپر سے موڑ کر پہننا عادت کے مطابق ہے ممکن ہے کبھی ایسی عادت رہی ہو، یا کہیں ایسی عادت ہو، لیکن اب بغیر موڑے ہوئے پہننا عادت کے مطابق ہے میں نے اب تک کسی کو نہیں دیکھا جو عام حالت میں پتلون کے نیچے سے موڑ کر پہنتا ہو، ہاں نماز کے لیے موڑنے کی عادت پائی جاتی ہے، مگر اس کا اعتبار نہیں، اعتبار حکموں آفسوں وغیرہ میں پہن کر جانے کی عادت کا ہے وہی معیار ہے حالت نماز کے موڑ کے خلاف عادت ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار نہیں اور اس کی بنا پر پتلون کو نیچے سے پہننا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ گذرا۔

(۲) فتاوی رضویہ جلد سوم میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ والرضوان نے مطلقا انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام لکھا ہے، الفاظ یہ ہیں: انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام، واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گنہگار، مستحق عذاب والعیاذ باللہ العزیز الغفار'' (۴۲۲ ج۳ مفسدات صلوۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی)

یہ فتوی آج سے ایک سو دس سال پہلے جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ کا ہے اس زمانے میں کوٹ، پتلون وغیرہ خاص انگریزوں کے شعار تھے اس کی تائید آپ کے ایک دوسرے فتوی نوشتہ صفر ۱۳۱۳ھ سے ہوتی ہے الفاظ یہ ہیں: انگریزی منڈا انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون، الٹا پردہ کہ اگر چہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ'' (فتاوی رضویہ ص۹۱ ج۹ رضا اکیڈمی)

اس فتوے سے معلوم ہوا کہ پتلون وغیرہ کے حرام ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ یہ کپڑے اس زمانے
ں خاص نصاری کے شعار تھے، ان کی مزید وضاحت درج ذیل فتویٰ سے ہوتی ہے۔ درباره لباس اصلی کلی
ہے کہ جو لباس جس جگہ کفار یا مبتدعین، یا فساق کی وضع ہے اپنے اختصاص وشعاریت کی مقدار پر مکروہ،
حرام یا بعض صورتوں میں کفر تک ہے۔ ہیٹ اسی قسم میں ہے، اور پتلون قسم اول میں (یعنی مکروہ)۔
احکام شریعت حصہ سوم ص:۲۳۴)

بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ بنیاد "شعاریت" ہے نیز شعاریت کی مقدار بھی لہٰذا اگر
رف نصاری کا شعار ہو، دوسری قومیں اس سے مکمل اجتناب کرتی ہوں تو مسلمان کے لیے وہ لباس پہننا
رام سخت حرام اشد حرام کہ جب دوسری قومیں بھی اس سے نفرت کرتی ہیں تو مسلمان کو بدرجہ اولیٰ اس سے
رت کرنی چاہیے لیکن اگر دوسری قومیں بھی اسے پہننے لگیں اور صرف نصاری کا شعار نہ رہ جائے تو مکروہ،
لبًا احکام شریعت میں یہ فتوی اس زمانے کا ہے جب پتلون وغیرہ خاص نصاری کے شعار نہ رہ گئے تھے بلکہ
سری قومیں بھی اسے استعمال کرنے لگی تھیں۔

ر جب کہ یہ لباس عام طور سے مسلمان بھی پہننے لگے بلکہ بہت سی جگہوں پر علمانے بھی اسے اختیار کر لیا،
رف نصاری اور دوسری اقوام کے ساتھ خاص نہ رہا تو اب یہ لباس نہ حرام ہے نہ مکروہ۔ ہاں ان دیار میں کہ
و صلحا اسے ناپسند کرتے ہیں ایسے لباس پہننا خلاف اولیٰ ہے۔

فتاوی رضویہ میں ایک تفصیلی فتوی کے ضمن میں ہے:

"اور تشبہ لزومی میں بھی حکم ممانعت ہے مگر اس کے تحقق کو اس زمان ومکان میں ان کا شعار خاص
ا قطعا ضرور جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں اور ان میں اور ان کے غیر میں مشترک نہ ہو ورنہ لزوم کا کیا
ا تشبہ وہی ممنوع ومکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شی ان بدمذہبوں کا شعار خاص ہو یا فی
ہ شرعا کوئی حرج رکھتی ہو، بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں"۔ ملتقطاً
ادی رضویہ ص:۹۱ ج:۹ رضا اکیڈمی)

اس تفصیل سے عیاں ہوگیا کہ انگریزی وضع کے کپڑے جب تک نصاری کے شعار خاص تھے
م، اشد حرام تھے، اور جب ان کے شعار خاص نہ رہے مگر دوسری قوموں کے ساتھ ان کا اختصاص تھا تو

مکروہ تھے، اوراب نہ شعار خاص، نہ اختصاص تو مباح ہو گئے البتہ ہمارے دیار میں اب بھی یہ غیر علما و صلحا کے لباس ہیں اس لیے ان سے بچنا اولیٰ وانسب ہے۔

فقہا فرماتے ہیں: کم من احکام تختلف باختلاف الزمان والمکان۔ بہت سے احکام زمانہ اور جگہ کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں یہ مسئلہ بھی انہیں احکام سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

گھڑی کی چین کا مسئلہ

چین والی گھڑی پہننا اور پہن کے نماز پڑھنا کیسا ہے کچھ لوگ چین والی گھڑی کے چین پر کپڑا لپیٹ کر پہننے کو جائز قرار دیتے ہیں اگر ہم گھڑی کو ہمیشہ آستین کے اندر رکھتے ہوں اور نماز پڑھتے وقت نکال لیں، یا آستین کے اندر چھپا کر نماز پڑھیں تو نما ہو جائے گی یا مکروہ ہوگی؟

الجواب : اس مسئلے میں میری کوئی تحقیق نہیں، اکثر علمائے اہل سنت کا موقف عدم جواز کا ہے وہی رجحان میرا بھی ہے، ناجائز فعل دھات کی چیز کا پہننا ہے اور چین پر کپڑا لپیٹ دیا جائے تو وہ دھات کا پہننا نہ ہوا بلکہ کپڑے کا پہننا ہوا۔ ناپاک زمین پر نماز پڑھنی حرام ہے لیکن اس پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے کہ یہ پاک کپڑے پر نماز پڑھنا ہے، چین کے اوپر آستین ڈال دینے سے اوپر سے چین چھپ تو گئی مگر بدن سے دھات کا رشتہ ختم نہ ہوا تو وہ دھات کا ہی پہننا ہے۔ مذہب عدم جواز پر چین کا استعمال نماز اور خارج نماز ہر حال میں ناجائز ہے ہاں اگر نماز میں چین اتار لے تو نماز اس کی کراہت سے محفوظ رہے گی۔ اور بہر حال اب اختلاف علما کی وجہ سے بچنا اولیٰ اور اس کے خلاف، خلاف اولیٰ ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ: عن الحسن بن علی قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دع ما یریبك الی ما لا یریبك الخ۔ یعنی ایسی چیز کو چھوڑ دو جس میں شک وشبہ ہو اور اسے اختیار کرو جس میں کوئی شبہ نہیں۔

(مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۲/ کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال) واللہ تعالیٰ اعلم

بے وضو نماز پڑھانے والے کا حکم

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے بغیر وضو کیے نماز پڑھائی شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر مسئلہ کے اعتبار سے زید اسلام سے خارج ہو گیا تو اسے کلمہ شریف پڑھنا پڑے گا اور نکاح جدید کرنا پڑے گا تو کیا زید کو اپنی بیوی ہندہ سے نکاح کرنے کے لیے کسی اور سے نکاح کرنے کی ضرورت پڑے گی یا نہیں؟

الجواب: زید نے اگر قصداً بے وضو نماز پڑھائی تو سخت گنہگار ہوا اس پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور مقتدیوں کو اکٹھا کر کے بتائے کہ فلاں دن فلاں وقت کی نماز نہیں ہوئی سب پر قضا لازم ہے۔ اور اگر یہ حرکت زید نے استخفاف نماز کے طور پر کی ہے یا بے طہارت جواز نماز کا عقیدہ رکھتے ہوئے کی ہے تب تو یہ کھلا ہوا کفر ہے اس پر توبہ، تجدید ایمان لازم اور از سر نو کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہو بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے فتاوی عالمگیری میں ہے: واختلف المشائخ رحمهم الله تعالىٰ في كفره قال شمس الائمة الحلوائي الاظهر انه اذا صلى الى غير القبلة على وجه الاستهزاء و الاستخفاف يصير كافرا أولو ابتلى انسان بذلك لضرورة بان كان يصلي مع قوم فاحدث واستحيا ان يظهر وكتم ذلك وصلى هكذا أو كان يقرب من العدو فقام وصلى وهو غير طاهر قال بعض مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ لا يصير كافرا لأنه غير مستهزئ۔ (جلد:۲ص:۳۶۹ ملخصا) اور زید نے اگر بھول کر بے وضو نماز پڑھا دی تو گنہگار بھی نہیں مگر اس پر لازم ہے کہ یاد آنے پر فوراً اعلان کرے وقت باقی ہے تو اعادہ کرے اور وقت نکل چکا ہے تو قضا کا اعلان کرے۔

(۲) اگر بالفرض توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح کی حاجت ہو تو تجدید نکاح کے لیے کسی اور شخص سے عورت کا نکاح کرنے کی حاجت نہیں، بلکہ بعد توبہ و تجدید ایمان زید فوراً نکاح اس عورت سے کر سکتا ہے دوسرے شخص سے نکاح کی حاجت صرف حلالہ میں ہوتی ہے جب شوہر نے بیوی کو تین طلاق مغلظہ دے دی ہو یہاں ایسا نہیں۔ لہذا دوسرے شخص سے نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

وھابی دیوبندی کی نمازجنازہ پڑھنے کا حکم

۱۱۴ر سال پرانا آستانہ ہے جو معتقدین کے لیے فیض و کرم کا سرچشمہ بنا ہوا ہے۔ جہاں ہر عقیدے کے لوگ زیارت کی سعادت سے فیض یاب ہوتے ہیں اور آپ کے آستانہ میں زائرین کا آنا جانا

لگا رہتا ہے۔ آستانہ ہونے کے سبب یہاں ہر خاص وعام کو آنے کی عام اجازت ہے۔ ساتھ ہی شہر واطراف میں جب کسی مسلم کی میت ہوتی ہے تو حضور غوث بنگالہ کے صحن میں نماز جنازہ ادا کرنا اور شہر کی قبرستان جو درگاہ سے متصل ہے اس میں دفن کرنا ایک روایت بن چکی ہے۔ فی زماننا ان میں بد مذہب کے جنازے بھی آتے ہیں، جو عوام میں تنقید وفساد کا باعث بن چکا ہے۔ ایسے میں یہ اراکین آستانہ کے لیے بھی ایک پیچیدہ مسئلہ بن چکا ہے۔ بعض دفعہ زائرین جانتے نہ جانتے ہوئے جنازے میں شامل ہو جاتے ہیں، جس کے پیش نظر اراکین آستانہ نے تنقید وفساد سے بری الذمہ ہونے کے لیے متفقہ طور پر یہ رائے قائم کی ہے کہ جنازہ کی امامت آستانہ کے امام کریں گے تاکہ عوام کی تنقید سے بچ سکیں۔ مزید اگر کسی کے والد خالص سنی ہوں اور بیٹا بد مذہب اور بد مذہب بیٹے کا انتقال ہو جائے ایسے میں والد نے اپنی مرضی کے موافق کسی سنی امام سے اپنے بیٹے کے جنازے کی نماز پڑھوائی یا والد کے انتقال ہونے پر بیٹے نے کسی بد مذہب امام سے اپنے والد کے جنازے کی نماز پڑھوائی۔ بعض دفعہ رشتے داری کی وجہ سے بھی سنی حضرات بد مذہب کا جنازہ پڑھ لیتے ہیں، وہ چاہے سنی امام کے پیچھے ہو یا بد مذہب امام کے پیچھے اور بعض اوقات بد مذہب کا جنازہ صحن میں آچکا ہوتا ہے اور اس کے امام بھی موجود نہیں ہوتے تو لوگ سنی امام سے نماز جنازہ پڑھوانے پر بضد ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا صورتوں کے مدنظر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ لہٰذا شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بد مذہب وہابی دیوبندی کی نماز جنازہ پڑھنا کفر ہے اس لیے ہرگز ہرگز ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں، نہ اپنے امام سے پڑھوائیں، ولیوں کی بارگاہ سے حصول فیض ہمارا عقیدہ ہے، وہابی دیوبندی تو اسے بدعت، ناجائز اور شرک تک کہتے ہیں۔ اس لیے انھیں اپنے مردوں کو وہاں نہیں لے جانا چاہیے۔ جیسا کہ وہ وہاں اپنی زندگی میں بھی نہیں جاتے۔ انھیں وہاں آنے سے روکنے کی کوشش کی جائے۔ مان جائیں تو ٹھیک ورنہ ہرگز ہرگز ان کے جنازے میں نہ شریک ہوں۔ وہابی اور دیوبندی مذہب کے بہت سے عقائد اسلام کے خلاف ہیں، ان مذاہب کے بانیوں نے حضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں اور ضروریات دین کا انکار کیا۔ تفصیل کے لیے "**المصباح الجدید، تمہید الایمان، منصفانہ جائزہ، الکوکبۃ الشہابیۃ**" وغیرہ کتابیں دیکھیں۔ اور ضروریات دین کا انکار اور بارگاہ رسالت کی گستاخی کفر ہے۔ اس لیے وہابی دیوبندی مذہب کے پیروکاروں کی نماز جنازہ پڑھنا کفر ہے۔ اور جو دانستہ

ان کی نماز جنازہ پڑھے یا پڑھائے اس پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: وَلَاتُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍمِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًاوَّلَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْابِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْاوَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔(التوبہ، آیت:۸۴) یعنی کبھی نماز نہ پڑھ کران کے کسی مردے پر نہ اس کی قبر پر کھڑا ہوانھوں نے اللہ ورسول کے ساتھ کفر کیا اور مرتے دم تک بے حکم رہے۔

شامی میں ہے: "قدعلمت ان الصحیح خلافه فالدعاء کفر" ۔اھ

(ردالمحتار علی الدرالمختار، ج:۲، ص:۲۳۷، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب فی خلف الوعیدالخ دارالکتب العلمیہ بیروت)

درمختار میں ہے: "ومافیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدیدالنکاح ۔اھ

(درمختار المطبوع مع ردالمحتار، ج:۶، ص ۳۹۰/۳۹۱، کتاب الجہاد، باب المرتد، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

نماز جنازہ میں تکبیریں کتنی اور سلام کے الفاظ کیا ہیں؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں کتنی تکبیریں ہیں اور سلام کے الفاظ کیا ہیں آیا السلام علیکم ہے برائے کرم امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ کے مسائل کے مطابق مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب : امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، یہی مذہب امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور دوسرے ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالی کا ہے۔ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔ شافعی مذہب کی معتمد کتاب "مغنی المحتاج" میں مجموع کے حوالے سے اور "الفقه علی المذاهب الربعه" میں ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ سلام کے الفاظ نماز جنازہ میں بھی دوسری نمازوں کے سلام کی مقدار ہی ہیں یعنی "السلام علیکم ورحمة الله" "مغنی المحتاج میں ہے کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ "وبرکاته" کا اضافہ غیر مسنون ہے۔ حوالہ: منهاج فی الفقه الشافعی، ومغنی المحتاج (ص:۳۴۱ ج:۱) شرح مسلم للنووی الشافعی (ص:۳۰۹ ج:۱) الفقہ علی

المذاہب الاربعہ (ص:۴۵۳ ج:۱) منہاج کے الفاظ یہ ہیں: لـلـصـلاتـہ أرکـان: الثانی: اربع تکبیرات، فان خمس لم تبطل علی الاصح. الثالث: السلام کغیرھا۔ اھ ملخصا مغنی المحتاج کے الفاظ یہ ہے: اربع بالاجماع، کما فی المجموع کغیرھا) ای کسلام غیرھا من الصلوۃ فی کیفییتہ وتعددہ ویوخذ من ذلک عدم سن زیادتہ و برکاتہ۔ اھ (۱/۳۴۱) واللہ اعلم

نماز جنازہ کے کچھ مسائل

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان دین: حاجی صاحب اور جمن صاحبہ میاں بیوی ہیں حاجی صاحب بوڑھے ہو چکے ہیں اور جمن صاحبہ بھی بوڑھی ہو چکی ہیں ان میں سے ایک بریلی اور ایک دیوبندی ہیں اس کی کوئی اولاد نہیں ہے دونوں کے بھائی بھتیجے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو نماز جنازہ پڑھانے کا مستحق کون ہوگا، مستحق کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا پڑھادے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دونوں میں جو سنی بریلوی ہے اس کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور نماز جنازہ کی امامت کا حق قاضی شریعت کو ہے، وہ نہ ہو تو امام جمعہ کو، وہ بھی نہ ہو تو امام محلّہ کو اور ان سب کے بعد امامت کا حق ولی کو ہے بھائی بھتیجے بھی ولی ہیں۔ البتہ ان میں بھائی کا حق مقدم ہے۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے: والـصـلاة علیه فرض کفایة و شرطها اسلام المیت وطهارته. ویقدم فی الصلاة علیه السلطان ثم القاضی، ثم امام الحی، و فی الدرایة: امام المسجد الجامع اولی من امام الحی (ای مسجد محلته) نهر. ثم الولی بترتیب عصوبة الانکاح. اھ ملتقطاً (تنویر الابصار والدر المختار المطبوع مع الرد المحتار باب صلاۃ الجنازۃ ص: ۱۰۲/۱۲۰ ج:۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسائل مسجد

مساجد کے ائمہ سے تقرری کی شرط پر رقم وصول کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل میں کہ یورپ کچھ ممالک میں اور خاص کر برطانیہ :یو،کے، میں علما وحفاظ کی مساجد میں تقرری اس شرط پر ہوتی ہے کہ ان سے مساجد کی کمیٹی والے کچھ رقم وصول کرتے ہیں اس رقم کو ان حضرات کو دینا پڑتا ہے،اس کے بغیر ان کو وہاں کی شہریت کمیٹی والے حاصل نہیں ہونے دیتے تو کمیٹی والوں کا یہ رقم لینا عندالشرع جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب : ظاہر یہ ہے کہ کمیٹی والے اس طرح کی جو رقم امام سے وصول کرتے ہیں وہ کسی کام کا معاوضہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو یہ رشوت ہے جو بلا شبہ حرام وگناہ ہے اور اگر اس کے لیے انہیں آفسوں میں اور حکام کے یہاں آنا جانا پڑتا ہے،فون کرنا ہوتا ہے،اپنے کاغذ پر کچھ لکھ کر مثلاً تصدیق نامہ دینا پڑتا ہے اور اس کام اور وقت کے معاوضہ کے طور پر اماموں سے کچھ رقم وصول کرتے ہیں تو یہ جائز ودرست ہے۔البتہ انہیں پہلے ہی واضح کر دینا چاہیے کہ ہم اپنی خدمات کے عوض اتنی رقم لیں گے اس طور پر یہ معاملہ عقد اجارہ ہوگا،جو شرعاً،عقلاً جائز ودرست ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد میں بلند آواز سے صلاۃ و سلام پڑھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام :بعد نماز فجر یا بعد نماز جمعہ بلند آواز سے مائک پر صلاۃ وسلام پڑھنے سے اگر کسی نمازی یا ورد وظائف میں بیٹھے لوگوں کو خلل آئے تو صلوۃ سلام پڑھنا کیسا ہے؟ بات یہ ہے کہ ابھی ایک روزنامہ بنام فاروقی تنظیم نے ۲۰/۱۱/۲۰۰۲ء کو ای 'مضمون' جماعت کے بعد بلند آواز سے سلام پڑھنا کا شرعی حکم' شائع کیا ہے جس سے لوگوں میں کافی خلفشار مچا ہوا ہے۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب عطا فرمائیں۔اور جس نے یہ مضمون چھاپا ہے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ فاروقی تنظیم کا ایک فوٹو کاپی بھی اسی میں لگا ہوا ہے۔جواب جلد سے جلد عطا فرمائیں۔نقل فوٹو کاپی

"روزنامہ بنام فاروقی تنظیم ۲۰۔۱۱۔۲۰۰۲ء "جماعت کے بعد بلند آواز سے سلام پڑھنے کا شرعی حکم" حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی آواز کے ساتھ ورد وظائف یا قرآن کی تلاوت سے لوگوں میں خلل ہوتا ہو اس کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں اسے جہر سے منع کرنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم، ص، ۵۹۶)

اور تحریر فرماتے ہیں کہ: ایسا جہر جس سے کسی کی نماز یا تلاوت یا نیند میں خلل آئے یا مریض کو ایذا پہنچے نا جائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر ص: ۱۲۶)

لہذا بلند آواز سے صلوۃ وسلام پڑھنے کے سبب بعد میں آنے والے نمازیوں کو نماز میں خلل ہوتا ہو تو اس طرح صلاۃ وسلام پڑھنے سے روکنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ اور پڑھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اس طرح پڑھنے سے باز آ جائیں۔ اس کی بجائے ہر شخص الگ الگ اور آہستہ آہستہ پڑھے، اور یا تو فجر کی جماعت ایسے وقت میں قائم کریں کہ اس سے فارغ ہو کر صرف دو تین بند سلام پڑھیں، جس میں نئے آنے والے نمازی بھی شریک ہو جائیں پھر اس کے بعد وہ بآسانی سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز پڑھ سکیں۔ اور اس طرح صلاۃ وسلام پڑھے جانے کا بار بار اعلان کرتے رہیں۔ تا کہ جماعت کے بعد آنے والے سلام ختم ہونے سے پہلے نماز نہ شروع کریں۔

کتبہ۔ جلال الدین احمد امجدی۔ ۲۶ ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ (ص: ۴۳۰، ۴۳۱، فتاویٰ برکاتیہ کتب خانہ امجدیہ بستی، یوپی طبع اول ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۸ء)

اہل سنت وجماعت مسلک اعلیٰ حضرت کے حامیوں میں آج کل عام طور پر جو یہ طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ فجر وعصر کی جماعت کے بعد بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں۔۔ بے شک یہ غلط ہے اس لیے کہ اس کے سبب بعد میں آنے والے لوگ بھول جاتے ہیں۔ ان کے خیالات بدل جاتے ہیں۔ اور وہ اپنی نمازوں کو صحیح طور پر ادا نہیں کر پاتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس طرح صلاۃ وسلام ہرگز نہ پڑھیں، اور مخصوص لوگوں پر واجب ہے کہ یہ طریقہ بند کرائیں، اگر قدرت کے باوجود ایسا نہیں کریں گے تو گنہ گار ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے: ان الناس اذا رأوا منکرا فلم یغیروہ یوشك أن یعمهم

...لہ بعقابہ (مشکوۃ شریف ص:۴۳۶) یعنی لوگ جب کوئی ناجائز کام دیکھیں اور اس کو نہ مٹائیں تو
قریب خدائے تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اگر لوگ بعد نماز درود وسلام کی برکت
...ل کرنا چاہتے ہیں تو الگ الگ اور آہستہ آہستہ پڑھیں۔
...ذاماعندی والحق عندالله تعالی و رسوله جل مجده ﷺ۔ جلال الدین احمد امجدی۔
...ص:۲۵۴۔ فتاوی برکاتیہ، کتب خانہ امجدیہ بستی یوپی)

لہذا لاؤڈ اسپیکر سے یا اس کے بغیر جہر سے صلاۃ وسلام پڑھنے کے سبب اگر لوگوں کی نمازوں
...ں خلل واقع ہوتا ہو تو لوگوں پر واجب ہو کہ امام کو ایسا کرنے سے روکیں۔ اگر قدرت کے باوجود امام کو ایسا
...رنے سے لوگ نہیں منع کریں گے تو وہ گنہ گار ہوں گے اور امام پر لازم ہے کہ وہ اس طرح صلاۃ وسلام
...ھنے سے باز آجائیں۔ اس کی بجائے ہر شخص الگ الگ آہستہ آہستہ صلاۃ وسلام پڑھے، اور یا تو فجر کی
...اعت ایسے وقت میں قائم کریں کہ اس سے فارغ ہو کر صرف دو تین بند سلام پڑھیں جس میں نئے آنے
...لے نمازی بھی شریک ہو جائیں۔ پھر اس کے بعد وہ بآسانی سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز پڑھ سکیں۔ اور
...ں طرح صلاۃ وسلام پڑھے جانے کا بار بار اعلان کرتے رہیں تاکہ بعد جماعت آنے والے ختم سلام
...ے پہلے نماز شروع کریں۔ اور بعد نماز جمعہ تاوقتیکہ لوگ نماز سے فارغ نہ ہو جائیں صلاۃ وسلام ہرگز شروع
...ریں۔ (ص:۳۰۹۔ فتاویٰ برکاتیہ۔ کتب خانہ امجدیہ بستی۔ یوپی۔ بشکریہ۔ ماہنامہ کنزالایمان)

الجواب: ماہنامہ کنزالایمان اہل سنت وجماعت کا پرچہ ہے اور اس میں فتاوی برکاتیہ کے
...لے سے جو فتاوی شائع ہوئے ہیں، وہ فقیہ ملت حضرت العلام مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ
...فتاوی ہیں، ان فتاوی کا ماخذ فتاوی رضویہ جلد سوم وجلد دہم ہے حکم اپنی جگہ پر صحیح ہے یہی علمائے اہل سنت
...مذہب ہے یہی وجہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ میں بعد نماز فجر وبعد جمعہ صلاۃ وسلام بلند آواز سے نہیں پڑھا جاتا۔
...پنے طور پر لوگ پست آواز سے پڑھتے ہیں عوام کی پریشانی یہ ہے کہ یہ تو وہ جانتے ہیں کہ صلاۃ وسلام پڑھنا
...ار اہل سنت سے ہے، مگر انہیں یہ نہیں معلوم کہ کسی وقت منع بھی ہے، نماز پنجگانہ وجمعہ شعار اسلام سے ہیں
...ر تین اوقات میں یہ مکروہ وممنوع ہے طلوع، غروب، نصف النہار۔ تو ان اوقات میں جمعہ وپنج گانہ کا ممنوع
...ہر گز ان کے شعار ہونے کے منافی نہیں کہ یہ ممانعت ایک خارجی عذر کی وجہ سے ہے۔ پھر یہ ممانعت بھی

بلند آواز کرنے سے ہے۔ آہستہ آہستہ تو کبھی بھی پڑھ سکتے ہیں کہ آہستہ پڑھنے سے لوگوں کی نماز میں خلل نہ
واقع ہوگا۔ قرآن پاک تو اللہ پاک کی مقدس کتاب ہے۔ مذہب اسلام کا سرچشمہ ہے اس کی تلاوت ثواب
عظیم کا ذریعہ ہے مگر جب لوگ نماز میں مشغول ہوں تو بلند آواز سے تلاوت کرنا ممنوع ہے کہ نمازیوں
تشویش لاحق ہوگی۔ اوران کا خیال بٹے گا۔ بھول بھی سکتے ہیں۔ ہاں پست آواز سے اس وقت بھی تلاوت
کی اجازت ہے فتاوی رضویہ میں ہے: ''جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور قرآن مجید
استماع کے لیے کوئی فارغ نہ ہو وہاں جہراً تلاوت کرنے والے پر اس صورت میں دوہرا وبال ہے۔ ایک
تو وہی خلل اندازی نماز وغیرہ کہ ذکر جہر میں تھا۔ دوسرے قرآن عظیم کو بے حرمتی کے لیے پیش کرنا

(۳-۵۹۶)

اس باب میں میں جو حکم تلاوت قرآن مجید کا ہے وہی حکم صلاۃ وسلام کا بھی ہے۔ یہ اصل حکم ہے
لیکن اب جب کہ عوام کی ناواقفیت کی وجہ سے ممانعت کے باعث فتنہ پیدا ہورہا ہے اور لوگ باہم تفرقہ
وانتشار کے شکار ہورہے ہیں تو اس عاجز بے مایہ کا موقف اس باب میں وہ ہے جو دیہات میں جمعہ کے تعلق
سے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہے کہ جہاں شروع نہ ہو وہاں یہ رسم قائم نہ کی جائے اور جہاں
قائم ہو وہاں روکا نہ جائے۔ ہاں نرمی کے ساتھ شریعت کا حکم بتادیں، سمجھانے کی کوشش کریں، لوگ مان
جائیں تو بہتر، ورنہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں اور خود بچیں۔ واللہ تعالی اعلم

مسجد میں نمازیں اور سنتیں پڑھنے کا حکم

زید اور بکر پکے دوست ہیں اور نماز پنج گانہ جماعت سے پڑھتے ہیں ظہر اور عصر اور عشا کی اذان
جماعت کے وقت سے پندرہ منٹ پہلے ہوجاتی ہے۔

بکر اور زید دونوں اذان کے وقت مسجد میں پہونچ جاتے ہیں۔

(۱) زید سنت موکدہ کے بعد جو بھی وقت جماعت سے پہلے بچ جاتا ہے نفل نماز پڑھتا ہے کیونکہ
اس کی پچھلی نماز کوئی قضا نہیں ہے۔

(۲) جبکہ بکر کی پچھلی نماز بہت سی قضا ہے۔ سنت کے بعد جو بھی وقت جماعت سے ملتا ہے قضا
نماز پڑھتا ہے۔

(۳) اور وتر نماز میں دعائے قنوت سے پہلے کانوں تک ہاتھ نہیں اٹھاتا ہے تاکہ دوسرے لوگ نہ سمجھ سکیں کہ قضا پڑھتا ہے۔ مسجد میں قضا نماز اس طرح پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل حکم شرع یہ ہے کہ نفل اور سنت نمازیں مسجد کے بجائے گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ سرکار ﷺ نے اسی کا حکم دیا ہے اور اسی پر آپ کا اور آپ کے صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کا عمل تھا اور فقہا نے بھی اسی کی صراحت فرمائی ہے۔

مثلاً ہدایہ میں ہے: **والافضل فی عامۃ السنن والنوافل المنزل و ھو المروی عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم۔**

البتہ دو نمازیں تراویح اور تحیۃ المسجد اس حکم سے خارج ہیں دلائل کے ساتھ اس مسئلے کی پوری تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد ۳ ص ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹ میں ہے۔ مگر اب نماز فرض سے پہلے اور بعد کی سنتوں اور نفلوں کے بارے میں عام طور سے مسلمانوں کا عمل یہ ہے کہ وہ مسجد میں ہی یہ سنتیں پڑھتے ہیں جس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ گھروں میں تنگی کی وجہ سے نماز کے لیے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہو پاتی یعنی مساجد بیوت اب نہ رہیں تو گھر کے لحاظ سے مسجد میں اطمینان اور سکون زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اب یہ تعامل اس حد کو پہونچ چکا ہے کہ لوگ مسجد میں یہ سنتیں نہ پڑھیں تو ان کی طرف انگشت نمائی ہوگی اور کتنے لوگ اس بدگمانی میں مبتلا ہوں گے کہ یہ سنتیں نہیں پڑھتے اور اس سے غیبت کا دروازہ کھلے گا اور ایک مستحب کام کے لیے یہ مناسب نہیں کہ لوگوں کو بدگمانی میں پڑنے اور غیبت میں مبتلا ہونے کا موقعہ دیا جائے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مگر اب عام عمل اہل اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اور اس میں مصالح ہیں کہ ان میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں۔ اور عادت قوم کی مخالفت موجب طعن وانگشت نمائی وانتشار ظنون وفتح باب غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف استحبابی تھا تو ان مصالح کی رعایت اس پر مرجح ہے ائمہ دین فرماتے ہیں: "**الخروج عن العادۃ شھرۃ و مکروہ۔**" اھ (۳/۴۵۹)

مگر فرض کے قبل و بعد کے سوا بقیہ نوافل کے بارے میں امت کا یہ عمل نہیں ہے اس لیے ان کے بارے میں اصل حکم برقرار ہے کہ انہیں گھر میں ہی پڑھنا افضل و مستحب ہے نیز یہاں لوگوں کو اس بدگمانی میں پڑنے کا اندیشہ ہے کہ وہ قضا نماز پڑھتے ہیں اور جیسا کہ عنقریب آرہا ہے قضا نماز عام لوگوں کے سامنے مسجد

میں پڑھنا منع ہے اس لیے زید کو نفل نمازیں گھر پر یا مسجد میں تنہائی میں پڑھنی چاہئے۔

(۲) قضا نماز عام لوگوں کے سامنے مسجد میں پڑھنا (جیسا کہ بکر پڑھتا ہے) جائز نہیں وجہ یہ ہے کہ بلا عذر شرعی نماز قضا کرنا ناجائز و گناہ ہے اور لوگوں کے سامنے علانیہ قضا پڑھنا اپنے اس گناہ کا اظہار ہے اور گناہ کا اظہار بھی ناجائز و گناہ ہے۔

درمختار میں ہے: **یکرہ قضاء ھا فیہ (ای فی المسجد) لان التاخیر معصیۃ فلا یظھر ھاب۔ اھ**

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "اگر کسی امر عام کی وجہ سے جماعت بھر کی نماز قضا ہو گئی تو جماعت سے پڑھیں یہی افضل و مسنون ہے اور مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور اگر بوجہ خاص بعض اشخاص کی نماز جاتی رہی تو گھر پر تنہا پڑھیں کہ معصیت کا اظہار بھی معصیت ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۲۳، ۶۲۴ سنی دارالاشاعت)

لہٰذا بکر قضا نمازیں اپنے گھر پر پڑھے، یا مسجد میں جب تنہا ہو، یا غیر موکدہ سنتوں اور نفلوں کی جگہ پڑھے کہ نماز کی قضا ایسی سنتوں اور نفلوں سے بہت اہم ہے۔

(۳) یہ طریقہ صحیح ہے اور حکم شرعی کے مطابق ہے چنانچہ بہار شریعت میں اور فتاویٰ عالم گیری کے حوالے سے ہے۔ "وتر کی نماز کی قضا ہو گئی تو قضا واجب ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الصلاۃ الوتر، ج ۱ ص ۱۱۱)

البتہ قضا میں تکبیر قنوت کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے جب کہ لوگوں کے سامنے پڑھتا ہو کہ لوگ اس کی تقصیر پر مطلع ہونگے" (بہار شریعت ص ۷ ج ۴ وتر کا بیان)

وہ اپنے گھر کچھ جگہ نماز کے لیے خاص کر لے جہاں اسے نماز پڑھنے میں اطمنان و سکون حاصل ہو سکے وہیں نوافل پڑھے اور قضا بھی پڑھے اور اذکار و اوراد کرے یہ گھر میں خیر و برکت کا باعث بھی ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ سنت پر عمل بھی ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مساجد میں نماز کے بعد ذکر بالجہر کا شرعی حکم

صدیوں سے کشمیر کی وادی میں نماز کے بعد ذکر واذکار اور درود وسلام بالجہر پڑھنے کا معمول ہے

اس طرح ہے؟

(۱) سلام کے بعد دعا **اللھم انت سلام و منك سلام** الخ ایک بار، آیت الکرسی ایک بار،
توحید ایک بار، تسبیحات فاطمہ گیارہ گیارہ بار اور اس کے بعد درود شریف ۱۱ر باران الفاظ میں ادا کرتے
(صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ) مذکورہ ذکر واذکار میں صرف دس منٹ کا وقت لگتا
اس کے بعد امام صاحبان کی مختصر دعا سے نماز اختتام کو پہونچ جاتی ہے۔

(۲) نماز کے بعد مذکورہ ذکر واذکار کی مختصر مجلسوں میں جماعت اہل حدیث اور دیوبندی، تبلیغی
اعت (عرف اللہ والے) شرکت نہیں کرتے ہیں بلکہ امام صاحب کے سلام پھیرنے کے ساتھ ہی صفوں
الگ ہوکر بقیہ سنت نمازیں جلدی جلدی ادا کر کے مسجدوں سے چلے جاتے ہیں۔

ان حضرات کا کہنا ہے کی سلام پھیرنے کے بعد مقتدی اور پیش امام کا کوئی تعلق نہیں۔ امام کی
ذا صرف نماز ہی تک محدود ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ امام صاحب کی اجتماعی دعا کے لیے مقتدی انتظار
ریں۔ شریعت کی روح سے نماز کے بعد مسجد شریف میں بلند آواز سے ذکر واذکار اور درود وسلام پڑھنا نہ
رف منع ہے بلکہ بدعت اور جہالت ہے۔ حتی کہ مسجد شریف میں بات کرنا بھی جائز نہیں۔ بلند آواز سے
ر کرنے سے نمازوں کے ادا کرنے میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

(۳) تمام عرب ممالک بشمول ہند و پاک کی کسی بھی سنی بریلوی مسجد مین ایسا دستور کہیں نہیں ہے
لانکہ بریلوی علما بالجہر درود وسلام پڑھنے کے قائل ہے لیکن وہ بھی نماز کے بعد اپنی مسجدوں میں بالجہر اذکار
درود وسلام نہیں پڑھتے ہیں۔ یہ رسم سوائے کشمیر کے اور کہیں نہیں ہے۔ کیونکہ ابتدا مین کشمیر کے لوگ برہمن
ے۔ چوں کہ برہمن لوگ ہی مندروں میں پوجا پاٹ کا شور وغل مچاتے ہیں۔ یہی عادت کشمیر کے
converte مسلمانوں کی ہے جس کو ابھی وہ بھولتے نہیں۔

(۴) نیز حنفی مسلک کی روہ سے مساجد میں بلند آواز سے ذکر واذکار اور درود وسلام پڑھنا بالکل
نع ہے۔ جیسا کہ در مختار، شامی وغیرہ کتب میں منقول ہے۔ مذکورہ بالا اعتراضات وحقائق کے پیش نظر

قرآن وسنت کی روشنی میں مساجد میں نماز کے بعد ذکر واذکار اور درود شریف بالجہر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
کیا رسول پاک ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ معمول تھا یا نہیں؟
(۵) نیز کیا نماز کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے؟ کیا محمد عربی ﷺ سے ایسا ثابت ہے کہ وہ نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ فرما کر دستِ مبارک اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔

الجواب (۵/۱): پہلے یہ سمجھ لیں کہ دیوبندی مذہب اسلام سے جدا ایک الگ مذہب ہے دیوبندی مذہب کے عقائد اسلامی عقائد سے پورے طور پر متصادم ہیں اس مذہب کے بانیوں نے حضور سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں بہت کھل کر گستاخیاں کی ہیں اور ان گستاخیوں کو اپنی کتابوں میں بار بار چھاپا بھی ہے۔ اس لیے علمائے حل وحرم، عرب وعجم وہند وسندھ نے باتفاق رائے انہیں کافر ومرتد قرار دیا اور یہ فیصلہ بھی صادر کیا کہ جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ اس لیے دیوبندیوں کی نماز باطل ہے ان کی نماز واقع میں نماز نہیں، اور انہیں مسلمانان اہل سنت کے معمولات پر اعتراض کرنے کا بھی کوئی حق نہیں اور اگر وہ اعتراض کرتے ہیں تو مسلمان ہرگز ہرگز اس کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ اس موقع پر یہ آیت پڑھ کر سنا دیں۔ "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" (پارہ: ۳۰/الکافرون)

مسجد میں بلند آواز سے ذکر الٰہی کرنا بالاجماع جائز و مستحسن ہے، ردالمختار میں ہے: **وفی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الاان یشوس جهرهم علیٰ نائم اومصل او قارئ۔** الخ

ترجمہ: حاشیہ حموی میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ علمائے سلف وخلف کا اجماع ہے کہ مسجد میں اور دوسری جگہوں پر جماعت کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کی آواز سے سونے والے یا نمازی یا قاری کو تشویش ہو۔ (ص ۴۳۴ ج ۲)

اور اگر وہابی سویا ہو جیسا کہ عام طور سے ایسا ہی ہے نہ کوئی مسلمان نماز یا تلاوت میں مشغول ہو تو حکم وہی استحباب کا رہے گا واضح رہے کہ وہابیوں دیوبندیوں، تبلیغیوں کی نماز وتلاوت کا یہاں کوئی اعتبار نہیں جب وہاں تمام سنی نمازی ذکر ودعا میں شریک ہوتے ہیں تو پھر کسی مسلمان کی تلاوت ونماز میں تشویش کا سوال نہ رہ گیا۔

نمازوں کے بعد ذکرو دعا مسنون و مستحب ہے لیکن طویل ذکر فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد ہونا چاہیے جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں مختصر ذکر پر ہی اکتفا کرنا چاہیے بہار شریعت میں ردالمحتار کے حوالے سے ہے:

''نماز کے بعد جو اذکار طویلہ احادیث میں وارد ہیں وہ ظہر و مغرب وعشا میں سنتوں کے بعد پڑھے جائیں قبل سنت مختصر دعا پر قناعت چاہیے ورنہ سنتوں کا ثواب کم ہو جائے گا'' ۹۲/۳

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں لوگ ایک ساتھ نماز پڑھ لیں وہاں بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرنا، صلاۃ وسلام پڑھنا مستحب ہے کہ یہ کسی کے لیے خلل کا باعث نہیں، اور جہاں کسی نمازی یا قاری کو خلل واقع ہو وہاں پست آواز سے ذکر کریں۔ اور ظہر و مغرب وعشا میں جماعت کے بعد ذکر مختصر کریں۔ اور سنتوں سے فارغ ہو کر جتنی دیر چاہیں ذکر کر سکتے ہیں۔

اور دیوبندی جو یہ کہتے ہیں کہ:

''ابتدا میں کشمیر کے لوگ برہمن تھے، چونکہ برہمن لوگ ہی مندروں میں پوجا پاٹ کا شور وغل مچاتے ہیں یہی عادت کشمیر کے کنورڈ مسلمانوں کی ہے جس کو ابھی وہ بھولتے نہیں''

یہ مسلمانوں سے ان کی عداوت پر کھلی دلیل ہے مسلمانوں پر طعن و تشنیع کرنا اور ان کے پہلے کے گناہ سے عار دلانا ظلم ہے اور حرام و گناہ، حدیث شریف میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا اے ان لوگوں کے گروہ جو زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں مگر ایمان ان کے دل تک نہ پہنچ سکا مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور انہیں عار نہ دلاؤ اور ان کے عیوب کا تجسس نہ کرو کیوں کہ جو مسلمان بھائی کے عیب کا تجسس کرے گا اللہ اس کے عیب کھول دے گا اور اسے رسوا کرے گا (ترمذی شریف، مشکوٰۃ ص ۴۲۹،۴۲۸)

اور مسجد کے اندر ذکر بالجہر کو مندر کے پوجا پاٹ سے تشبیہ دینا تو بڑی بے باکی اور مسجد و ذکر الٰہی کی بے ادبی ہے، ایسی بے ادبی وہابیہ، دیابنہ ہی کی شان ہے اس سے اللہ کی پناہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جماعت مسجد میں حاضری کا وجوب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مدرسہ ہے جس کے دوبا ڈھائی سوقدم قریب مسجد ہے اب مدرسے میں طلبہ کی اصلاح وتربیت کے لیے باجماعت نماز ادا کرارہے ہیں زید کہتا ہے کہ مدرسے کے تمام بچوں کو مدرسے ہی میں جماعت کرائیں گے۔ کیوں کہ اس میں بچوں کی اصلاح ہوتی ہے اور بچے بھی پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ بچے مسجد جاتے ہیں تو نہ صحیح سے نماز پڑھتے ہیں نہ ان کی اصلاح ہوتی ہے۔ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے زید کا کہنا ہے کہ مدرسے ہی میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔بکر کا کہنا ہے کہ پنج وقتہ نماز باجماعت مسجد میں پڑھنا واجب ہے۔اگر تم مدرسہ میں پڑھتے ہو تو ترک جماعت لازم آئے گی اور تارک جماعت کو حدیث پاک میں ''مردود الشہادۃ '' کہا گیا ہے۔اور بکر کا کہنا ہے کہ جتنی نمازیں باجماعت مدرسے میں پڑھی ہیں ان تماموں میں ترک جماعت لازم آئی۔اگر چہ آپ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہو۔کیوں کہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا محلّہ والوں کے لیے واجب ہے اور مدرسہ بھی محلّہ ہی میں ہے نیز محلّہ والوں کو اس جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟ جب کہ مسجد میں امام مؤذن موجود ہیں۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر کا قول صحیح ہے یا زید کا؟

الجواب: جماعت مسجد میں حاضر ہونا واجب ہے یعنی جماعت بھی واجب ہے اور اس کے لیے مسجد کی حاضری بھی واجب ہے اشعۃ اللمعات میں: ''ودر بدائع گفتہ کہ واجب ست بر خرد عاقل وبالغ کہ معذور نیست حاضر شدن بمسجد برائے جماعت'' بدائع میں فرمایا کہ آزاد، عاقل، بالغ، غیر معذور پر جماعت کے لیے مسجد میں حاضر ہونا واجب ہے۔(ج۱ص:۴۹۲)

عن عبد اللہ بن مسعود قال: ان رسول اللہ ﷺ علّمنا سنن الھدیٰ وان من سنن الھدیٰ الصّلوۃ فی المسجد الّذی یؤذن فیہ۔فان اللہ شرع لنبیکم سنن الھدیٰ وانھن من سنن الھدیٰ،ولوانکم صلّیتم فی بیوتکم کمایصلیّ ھٰذاالمتخلّف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیّکم،ولوترکتم سنّۃ نبیّکم لضللتم۔ولقدرایتناومایتخلّف عنھا

الامنافق۔ (مشکوۃ، باب الجماعۃ وفضلھا، ص ۹۶ر۹۷ مجلس برکات)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم صحابہ کو "سنن ہدیٰ" (وہ سنتیں جن پر عمل کرنا باعث ہدایت ورضائے الٰہی ہے) سکھائے اور جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز ادا کرنا یقیناً سنن ہدیٰ سے ہے۔ بے شک اللہ عزوجل نے تمہارے نبی ﷺ کے لیے سنن ہدیٰ کی شریعت قائم کی اور بے شک پانچوں وقت کی نمازیں سنن ہدیٰ سے ہیں۔ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو گے جیسے کہ پیچھے رہ جانے والا یہ شخص اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت چھوڑ دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: کہ ہم صحابہ کا مشاہدہ ہے کہ نماز با جماعت سے پیچھے وہی شخص رہ جاتا ہے جو کھلا منافق ہو۔ (مسلم شریف) (رواہ مسلم۔ مشکوۃ باب الجماعۃ ص: ۹۶، ۹۷)

مرقاۃ المفاتیح میں اس حدیث کی شرح یوں ہے:

(وانھنّ) ای: الصلوات الخمس بالجماعۃ. (لو انّکم صلّیتم فی بیوتکم) یعنی: ولو جماعۃ. (لو ترکتم سنۃ نبیّکم لضللتم) قال الطیبی: یدلّ علیٰ ان المراد بالسنۃ العزیمۃ، قال ابن الھمام: وتسمیتھا سنۃ علیٰ ما فی حدیث ابن مسعود، لا حجۃ فیہ للقائلین بالسّنّۃ اذ لا تنافی الوجوب فی خصوص ذلک الاطلاق، لانّ سنن الھدی اعمّ من الواجب لغۃ کصلاۃ العید، وقالہ: لضللتم یعطی الوجوب ظاھراً وفی روایۃ لابی داؤد عنہ: لکفرتم"

وقد روی مرفوع عنہ علیہ السلام قال: "الجفاء کل الجفاء الکفر، والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی الی الصلوۃ فلا یجیبہ" رواہ احمد والطبرانی، فیفید الوعید منہ علیہ الصلوۃ والسلام علیٰ ترک الجماعت فی المسجد وقد تقدم انہ انما قال: لھذا الواجب. سنۃ الکونہ ثبت بالسنۃ ای الحدیث. اھ (ج ۳ ر ص ۱۹۰) (وما یتخلف عنھا): ای عن صلاۃ الجماعت فی المسجد اھ.

بے شک پانچوں وقتوں کی نمازیں جماعت کے ساتھ سنن ہدیٰ سے ہیں۔ اگر تم اپنے گھروں

میں نماز پڑھ لوگے گو کہ با جماعت تو بھی تارک سنت ہو گے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ سرکار ﷺ نے ترک سنت پر گمراہی کا جو حکم دیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سنت سے مراد عزیمت ہے یعنی اصل حکم (جو وجوب کو بھی عام ہے)۔ امام ابن الہمام فرماتے ہیں کہ: حدیث ابن مسعود میں نماز با جماعت کو سنت فرمانا اس کے وجوب کے منافی ہے کیوں کہ ''سنن ہدیٰ'' کا لفظ واجب لغوی کو بھی عام ہے لہٰذا یہ خصوصی اطلاق جماعت کو سنت کہنے والوں کے لیے حجت نہیں بن سکتا اور ترک سنت پر گمراہی کا حکم تو وجوب جماعت پر ہی دلالت کرتا ہے اور ابو داؤد کی ایک روایت میں تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ لفظ مروی ہے کہ اگر تم نے اپنے نبی کی سنت چھوڑی تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ نیز سرکار ﷺ سے خود آپ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ پوری جفا کفر اور نفاق یہ ہے کہ آدمی اللہ کے منادی سے نماز کی ندا سنے اور اس کا جواب نہ دے (یعنی مسجد میں حاضر نہ ہو) (احمد و طبرانی)

یہ حضور ﷺ کی طرف سے مسجد کی جماعت چھوڑنے پر وعید ہے۔ اور اس واجب کو سنت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہے۔ (مرقاۃ ج ۳ ص: ۱۶۱، باب الجماعۃ)

اشعۃ اللمعات میں ''سنن الہدیٰ'' کے تحت ہے: ''بسنت اینجا طریقہ مسلوکہ در دین مراد دارند، یا آنکہ ثبوت وجوب او بسنت ست'' یہاں ''سنت'' سے مراد ''طریقہ مسلوکہ دین'' ہے یعنی دین کا راستہ جس پر امت چلے (تو اس طور پر یہ لفظ واجب کو بھی عام ہے) یا یہ مراد ہے کہ جماعت کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔ (ج: ۱ ص: ۴۹۸، باب الجماعۃ وفضلھا)

جد الممتار میں ہے: **وقد صح ان النبی ﷺ ھم باحراق البیوت علی الذین یصلون فی بیوتھم کما فی صحیح مسلم وقد استدل بہ عامۃ مشائخنا علی ایجاب الجماعۃ فان تمّ، تمّ دلیلاً علی وجوب الشھود فی جماعۃ المسجد فافھم** اھ. حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قصد فرمایا کہ جو لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں ان پر ان کے گھروں میں آگ لگا دیں (صحیح مسلم) ہمارے عامہ مشائخ نے اس سے وجوب جماعت پر استدلال کیا ہے اگر یہ دلیل تام ہے تو یہ مسجد میں جماعت کی حاضری کے وجوب کی دلیل ہے (ج ۱ ص: ۲۰۷ باب الاذان)

اور زید کا یہ عذر مسموع نہیں کہ ''مسجد میں نماز پڑھوانے سے ان کی اصلاح نہ ہو پائے گی'' کہ مسجد میں نماز

جماعت کا پابند بنانا بہت بڑی اصلاح ہے طلبہ کو اس کا عادی بنانا ضروری ہے آج وہ جماعت مسجد کے عادی نہ ہوں گے تو ہمیشہ حاضریٔ جماعتِ مسجد سے کترائیں گے، اوران کے دل میں اس کی اہمیت نہ ہوگی۔ اس کے لیے ترغیب وتشدید کی حاجت ہے پھر اصلاح بھی ہوگی اور پابندی بھی۔

علما وطلبہ جماعتِ مسجد کی حاضری سے رکیں گے تو عوام ایک تو ان کی غیبت میں مبتلا ہوں گے۔ دوسرے ان کو دیکھ کر وہ بھی حاضریٔ جماعت مسجد سے رکتے جائیں گے اور اس طرح مسجد ویران ہوسکتی ہے۔

ہاں بکر نے جو یہ کہا کہ مدرسہ میں جماعت سے ''ترک جماعت'' لازم آئے گا۔ یہ غلط ہے کہ تحقق جماعت کے لیے مسجد شرط نہیں اس کے متعدد شواہد کتب فقہ کے باب الاذان اور باب الامامۃ، باب الجماعت میں ہیں۔ مثلاً ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر: وقوله بوجوب اجابة بالقدم مشكل وانه يلزم عليه وجوب الاداء فی اول الوقت وفی المسجد. اقول: الراجح عنداهل المذهب وجوب الجماعة وانه ياثم بتفويتها اتفاقاً وحينئذٍ يجب السعی بالقدم، لالأجل الاداء فی اول الوقت أوفی المسجد، بل لاجل اقامة الجماعة۔ اھ ملخصا (ج۲ ص:۶۵، باب الاذان)

جدالممتار میں ہے: **والمقصود بالافادة الردعلی من زعم ان الاجروالتضعيف الموعو دانماهوفی جماعة المسجددون جماعة البيت أوالسوق كمابينه فی عمدة القاری۔**

(ج۲ ص:۱۹۶) (ج۱ ص:۲۰۸)

لہٰذا بکر اپنے قول سے رجوع توبہ کرے اور زید طلبہ کے ساتھ حاضری جماعت مسجد کی پابندی کرے۔

دسہرہ اور دیوالی پر مسجد کو سجانے کا حکم

مندر اور مسجد بغل میں ہے، ہندوؤں نے دسہرہ کے موقع پر مندر سجائی تو مسجد کمیٹی والوں نے مسجد بھی سجائی۔ کمیٹی والوں سے اس موقع پر مسجد سجانے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا ہمیں خوشی ہے اس لیے ہم نے سجائی ہے۔ تو ایسی صورت میں کمیٹی والوں پر کیا حکم شرعاً نافذ ہوتا ہے؟ نیز غیر مسلموں کی خوشی کے لیے اگر مسجد سجائی گئی ہے تو اس صورت میں سجانے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دسہرہ اور دیوالی کے موقع پر مسلمان اپنے گھر، مسجد یا مدرسہ نہ سجائیں کہ اس میں غیر مسلموں سے تشبیہ ہے جو ناجائز و گناہ ہے اور بعض صورتوں میں کفر بھی۔ ایسے عرف اور ماحول میں کمیٹی والوں کا دسہرہ کے موقع سے مسجد کو سجانا ضرور طریق مسلمین سے انحراف ہے، پھر دریافت کرنے پر یہ کہنا کہ "ہمیں خوشی ہے اس لیے ہم نے سجائی" اس بات کا اظہار ہے کہ انھوں نے دسہرے کی خوشی میں ایسا کیا، کیوں کہ اس وقت بھی ایک خوشی کا موقع ہے، پھر غیر مسلموں سے تشبیہ بھی ہے، اب اگر واقعی انھوں نے دسہرے کی خوشی میں ایسا کیا ہے تو ان پر حکم کفر اور ان کے لیے توبہ و تجدید ایمان تجدید نکاح کا حکم ہے۔

بہار شریعت میں ہے:

"ان کے تہواروں کے دن محض اس وجہ سے چیزیں خریدنا کہ کفار کا تہوار ہے، یہ بھی کفر ہے، جیسے دیوالی میں کھونے اور مٹھائیاں خریدی جاتی ہیں کہ آج خریدنا دیوالی منانے کے سوا کچھ نہیں یوں ہی کوئی چیز خرید کر اس روز مشرکین کے پاس ہدیہ کرنا جب کہ مقصود اس دن تعظیم ہو تو کفر ہے۔" اھ

(ص ۳۰-۱۷۲، حصہ نہم، مرتد کا بیان)

بحر الرائق میں ہے: وكذا يكفر بخروجه الى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلون في ذلك اليوم وبشرائه يوم النيروز شيئالم يكن يشتريه قبل ذلك تعظيما للنيروز لاللاكل والشرب وباهدائه ذلك اليوم للمشركين ولو بيضة تعظيما لذلك اليوم لاباجابته دعوة مجوسي حلق رأس ولده وبتحسين أمر الكفار اتفاقا. اھ

(البحر الرائق، ۵/۱۳۳، باب احکام المرتدین) واللہ تعالیٰ اعلم

مساجد کو وقف بورڈ سے رجسٹرڈ کرنے اور گفٹ کرنے کا حکم

بنگال میں حکومت کی جانب سے بتوسط وقف بورڈ ائمہ مساجد کو ماہانہ ڈھائی ہزار روپے بطور ہدیہ دیے جا رہے ہیں، مگر اس کے لیے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وقف ایکٹ 1995 کے سیکشن ۳۶ کے تحت مساجد کو وقف بورڈ سے رجسٹرڈ کرایا جائے۔ غیر رجسٹرڈ مساجد کے ائمہ کو مذکورہ بالا رقم نہ مل سکے گی۔

بعض علاقوں میں رجسٹرڈ کرانے کی درخواست کے فارم کی خانہ پری کے ساتھ مجسٹریٹ سے
ڈیٹ کرا کر عہد نامہ جمع کرنا پڑتا ہے، جس میں متولی اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں مسجد اور اس کی جائداد
ف بورڈ کو گفٹ کر رہا ہوں، نیز وقف بورڈ کے تمام قوانین پر عمل کرنے کا پابند ہوں، مگر بعض علاقوں میں
ں عہد نامہ کو پیش کیے بغیر بھی ہبہ کی رقم مل چکی ہے۔

حضور سے مودبانہ گزارش ہے کہ مساجد کو رجسٹرڈ کرانا اور ائمہ مساجد کو شرط مذکور پر ہبہ کی رقم لینا
ائز ہے یا نہیں؟ ایسے ائمہ کی اقتدا میں نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ جن مساجد کو رجسٹرڈ کرانے کے لیے اپڈیٹ
خل کرنے کی حاجت نہیں ان مساجد کے ائمہ کے لیے مذکورہ بالا رقم لینا کیسا ہے؟

امید کہ حکم شرعی سے آگاہ فرما کر مسلمانوں کے آپسی اختلافات دور فرمائیں گے۔

الجواب: (۱) ''وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء/سیکشن ۳۶'' کا مضمون استفتا میں نقل کرنا چاہیے تھا
ا کہ اس کے پیش نظر فیصلہ کیا جاتا کہ شرعاً مساجد کو وقف بورڈ سے رجسٹرڈ کیا جائے یا نہیں۔ اجمالی طور پر اتنا
مجھ لینا چاہیے کہ ''وقف ایکٹ مذکور'' کے مطابق مساجد کو وقف بورڈ سے رجسٹرڈ کرانے سے اگر مساجد کو
رف قانونی تحفظ فراہم ہوتا ہے اور اس کے امور داخلی و خارجی میں دخل اندازی کا حق وقف بورڈ کو نہیں
اصل ہوتا تو وقف بورڈ سے دوسروں کو دخل اندازی کا حق دینے سے مسجد ضائع بھی ہو سکتی ہے اور جماعت
یں بڑی حد تک کمی بھی آسکتی ہے، لہٰذا اس فعل سے اجتناب واجب ہوگا۔

(۲) اور جن علاقوں میں متولی یہ عہد نامہ جمع کرتا ہے کہ ''میں مسجد اور اس کی جائداد وقف بورڈ کو
گفٹ کر رہا ہوں نیز وقف بورڈ کے تمام قوانین پر عمل کروں گا'' ان علاقوں میں مساجد کو وقف بورڈ سے
رجسٹرڈ کرانا حرام و گناہ ہے کہ وقف جب تام ہو جائے تو کسی کو بھی اسے ہبہ کرنا یا گفٹ دینا حرام ہوتا ہے۔
ور مسجد کو اس طرح دوسرے کے حوالے کر دینا بدرجۂ اولیٰ حرام ہے کہ یہ گفٹ کی چیز نہیں، اس عہد نامہ کی
نیاد پر وقف بورڈ مسجد میں کوئی بھی ایسا تصرف کر سکتا ہے جو شرعی نقطہ نظر سے بے جا ہو۔ اس لیے ایسے
علاقوں میں ہرگز ہرگز اپنی مساجد کو وقف بورڈ سے رجسٹرڈ نہ کرائیں، نہ وظیفہ لیں، ایسی بے جا شرط کی
منظوری کے ساتھ وظیفہ لینا ناجائز و گناہ ہے۔ اگر ائمہ یہ شرط منظور کر لیں یا منظور کرائیں تا کہ وظیفہ ملے تو وہ
بھی گناہ گار اور فاسق ہوں گے اور ان کی اقتدا میں نماز مکروہ ہوگی۔

جن علاقوں میں ایسا کوئی عہد نامہ تو نہیں پیش ہوتا مگر رجسٹرڈ کرانے سے قانونی مداخلت کا حق وقف بورڈ کو حاصل ہو جاتا ہے وہاں بھی ائمہ اگر رجسٹریشن کرائیں یا اس کے لیے کوشش کریں تو وہ فاسق ہوں گے اور ان کی اقتدا میں نماز مکروہ ہوگی اور اگر رجسٹریشن سے صرف مساجد کا تحفظ ہوتا ہو، اس میں کسی کو مداخلت کا حق نہ ملے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بینک سے ملی زائد رقم مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

میری بستی میں مسجد تعمیر کرنے کے لیے چندہ ہوا، روپیہ کو لوگوں کے مشورہ سے بینک میں رکھ دیا گیا، تقریباً ۲ سال وہ رقم بینک میں رکھی رہی، جب تعمیری کام شروع ہوا تو وہ رقم نکالی گئی تو اس میں تقریباً گیارہ ہزار سے زیادہ روپیہ بیاج کا ملا ہے، کیا وہ زیادہ رقم جو بینک سے بیاج کی ملی ہے اس کو مسجد میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر لگایا جاسکتا ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: بیاج وسود تو حرام قطعی ہے، نہ اسے لینا جائز ہے، نہ اسے اپنے یا مسجد کے کام میں لانا جائز۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَحَرَّمَ الرِّبٰوا'' لیکن حکومت ہند کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو زیادہ رقم ملتی ہے وہ بیاج یا سود نہیں، بلکہ ایک مباح مال ہے جو مالک کی رضا سے مل رہا ہے، حکومت ہند ایک سیکولر حکومت ہے، اس کا کوئی مذہب نہیں، نہ یہ کسی مذہب کی پابند اور اس کے اپنے دستور کے مطابق قرض لے کر زیادہ دینا مناسب عمل ہے اس لیے اس کے مال میں سود کا تحقق نہ ہوگا کہ سود کی حرمت تو اسلام کا قانون ہے، اور وہ اسلام کی پابند نہیں۔ لہٰذا مسجد کے روپے بینک میں جمع کرنے پر جو گیارہ ہزار یا زائد روپے فاضل ملے وہ مسجد کی ملک ہیں اور ان کو مسجد میں لگانا جائز و درست ہے، تحقیق وتفصیل کے لیے میری کتاب ''اسلام اور جدید بینک کاری'' کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غیر مسلم مکھیا کی دی ہوئی سولر لائٹ مسجد میں لگانا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ گاؤں کا مکھیا جو ہندو ہے، وہ سرکاری فنڈ سے مسجد میں سولر لائٹ دے رہا ہے، تو کیا اس کا استعمال مسجد کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: سرکاری فنڈ میں مسلمانوں کا بھی حق ہے، اس لیے کھیا سرکاری فنڈ سے جو سولر لائٹ دے رہا ہے وہ مسلمانوں کا حق ہے، مسلمان اسے اپنا حق سمجھ کر لے لیں پھر اپنی طرف سے مسجد میں لگا دیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وقف کے چند ضروری مسائل

زید نے اپنی ایک زمین آج سے ۳۰ سال پہلے مدرسہ کے لیے دی یہ کہہ کر گاؤں میں جو پرانا مدرسہ ہے وہ مدرسہ منتقل ہو کر میری زمین پر بنے اور اس زمین پر زید اب تک کھیتی باڑی کر رہا ہے کمیٹی والے، زید نے جو زمین مدرسہ کے لیے دی تھی اس پر انگلش میڈیم (KG1,KG2) کھولنا چاہتے ہیں تو اب زید کا کہنا ہے کہ میں نے یہ زمین مدرسہ کے لیے دی تھی، انگلش میڈیم کے لیے نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ میری زمین پر یہ پرانا مدرسہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ پرانے مدرسہ میں زیادہ بچے رہتے ہی نہیں اور کمرہ خالی پڑا رہتا ہے، اس لیے مدرسہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) زید کی وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہوئی یا نہیں؟

(۲) اگر وقف ہوئی ہے تو ۳۰ سال پہلے جو اس میں کھیتی باڑی ہوئی اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر زید کی زمین مدرسہ کے لیے وقف ہو گئی ہے تو اس پر اسکول یا انگلش میڈیم قائم کرنا کیسا ہے؟

(۴) واقف وقف کرنے کے بعد اس پر کچھ شرائط لگا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) زید کی وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر وقف تام ہونے کے لیے متولی یا انتظامیہ کو سپرد کر دینا ضروری نہیں صرف ہمیشگی کی نیت سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ زمین مدرسے کو دی اور اوقاف میں فتویٰ انھیں کے قول پر ہوتا ہے، یہاں بھی وہ مفتی بہ ومقدم ہے، اور وہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔ مدرسہ کو جو زمین دی جاتی ہے یا مدرسہ کے لیے جو زمین خریدی جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لیے دی اور خریدی جاتی ہے۔ اس لیے زید نے جب وہ زمین مدرسہ کو دی اور یہ کہا کہ گاؤں والا مدرسہ منتقل ہو کر میری زمین پر بنے تو یہ ہمیشہ کے لیے ہی دینا ہوا۔ لہٰذا وقف صحیح و تام ہے۔

فتاوہ ہندیہ میں ہے: ”واذاکان الملك یزول عندهما، یزول بالقول عندأبي یوسف رحمه الله تعالیٰ وهوقول الأئمة الثلاثة، وهوقول أکثرأهل العلم، وعلیٰ هذا مشائخ بلخ، وفی المنیة: وعلیه الفتویٰ، کذافي فتح القدیر، وعلیه الفتویٰ، کذافی السراج الوهاج. وقال محمدرحمه الله تعالیٰ: لایزول حتیٰ یجعل للوقف ولیلاویسلم الیه وعلیه الفتویٰ کذافی السراجیة.“ اھ (ص: ۳۵۱، ج: ۲، الباب الأول من کتاب الوقف)

(۲) کھیت کی پیداوارزید کی ہے اورزید نے جب تک زمین وقف کواپنے پاس مشغول رکھا اوراس میں کھیتی کی اتنے دنوں کا مناسب کرایہ مدرسہ کوادا کرے۔

(۳) زمین مدرسہ کے لیے وقف ہے تو اس پر مدرسہ ہی قائم کرنا واجب ہے۔ اس کی مخالفت حرام وگناہ۔ فقہا فرماتے ہیں: ”مراعاة غرض الوقفین واجبة۔“

لہٰذا اس زمین پر کوئی اسکول یا انگلش میڈیم نرسری وغیرہ قائم کرنا حرام وگناہ ہے۔ مسلمان اس سے بچیں۔

(۴) وقف کے ساتھ جوشرطیں مناسب وقف لگانا چاہے لگا سکتا ہے، اس کے بعد وہ زمین اس کی ملک سے نکل جاتی ہے، پھراسے کوئی شرط لگانے کا حق نہیں رہ جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کے متعلق ایک ضروری مسئلہ

موضع پور ضلع پھیلواڑہ سے کوئی ساڑھے تین کلومیٹر کے فاصلے پر تین پہاڑیاں واقع ہیں جنھیں ”ترنگا پہاڑی“ کہا جاتا ہے۔ یہ پہاڑیاں اوران کے آس پاس کی زمینیں جو ۳۵ رکلومیٹر کے رقبے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ حکومت ہند سے ”جندل سالمیٹیڈ“ کمپنی نے ۱۹۶۷ء میں لیز پر لے لی تھیں اوراب کمپنی ان پہاڑیوں کوتوڑ کران سے لوہا نکالنے کا کام شروع کر چکی ہے۔ اس کا یہ کام عرصہ دراز تک چلتا رہے گا۔ انھیں پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑی پر جانب مغرب ایک پرانی دیوار مختصر زمین پر واقع تھی جو وقف بورڈ میں قلندری مسجد کے نام سے درج ہے۔ اس دیوار کے چاروں طرف دور دور تک کوئی آبادی نہیں ہے۔ سب سے قریبی آبادی موضع پور کی ہے اوراس موضع کے مسلم محلے سے قلندری مسجد کی دوری چار کلومیٹر ہے۔ شمال مغرب میں کوئی ۱۵ رکلومیٹر کے فاصلے پر ایک قصبہ مانڈل واقع ہے اوراس سے پہلے کوئی پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں دھول کھیڑا ہے جو مسلم، غیر مسلم کی مخلوط آبادی ہے۔ ان پہاڑیوں کے اردگرد چوں کہ

۳۵ رکلومیٹر کے رقبہ پر جندل کمپنی کا قبضہ ہے اس لیے مستقبل میں ایک عرصہ دراز تک وہاں کوئی آبادی بسنے
کی توقع بھی نہیں ہے۔اور اب کمپنی نے کئی جگہوں پر بیریر قائم کر کے عام لوگوں کے وہاں جانے پر پابندی
عائد کر دی ہے۔اگر کسی ضرورت سے کوئی جانا چاہے تو وہاں کے افسر سے اسپیشل اجازت لینی پڑتی ہے، یہی
حال واپسی کا بھی ہے۔خود کمپنی کے مزدور بھی یہاں نہیں رہتے، وہ شام ہوتے ہی اپنے گھر واپس ہو جاتے
ہیں اور خود یہ دیوار (قلندری مسجد) سطح زمین سے کافی بلند ہے اور چڑھتے چڑھتے سانس پھولنے لگتا ہے۔
اس دیوار کا بانی کون ہے معلوم نہیں اور بہت بوڑھے لوگ بھی اس تعلق سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے۔اس
صورت حال کے پیش نظر سوال یہ ہے کہ وہ دیوار شرعی نقطہ نظر سے مسجد ہے یا نہیں؟

الجواب: سوال میں ترنگا پہاڑی اور اس کے گرد و پیش کا جو حال درج ہے وہ ہماری تفتیش
کے مطابق صحیح ہے۔راقم الحروف نے پہاڑی پر چڑھ کر قلندری مسجد کی دیوار اور زمین کا مشاہدہ کیا، یہ دیوار
ویران پہاڑی پر اس کی چوٹی کے قریب واقع ہے، خود وہ زمین بھی ویران پڑی ہوئی ہے، اگر کبھی کسی مسلمان
کا ادھر سے گزر ہو بھی تو اس کے سطح زمین سے کافی بلندی پر واقع ہونے نیز مسجد کی واضح شناخت نہ ہونے
کے باعث وہ اوپر جانے کے بجائے نیچے ہی نماز پڑھ کر آگے بڑھ جائے گا، یوں ادھر سے دوسری آبادی میں
جانے کے لیے کوئی قدیم راستہ بھی نظر نہیں آیا اور اب کمپنی اپنی سہولت کے لیے راستہ بنا رہی ہے، مگر روک
لگا کر وہاں تک عام آدمی کے پہنچنے کو دشوار تر کر دیا ہے۔بغیر کسی افسر کی خصوصی اجازت کے پولیس وہاں سے
آگے نہیں بڑھنے دیتی ہے۔پہاڑی کی بلندی سے میں نے ہر چہار سو نظر دوڑائی مگر حد نظر تک کوئی آبادی نظر
نہیں آئی، تو نہ وہاں آس پاس میں مسلم آبادی ہے، نہ مستقبل میں عرصہ دراز تک وہاں مسلم آبادی ہونے کی
توقع ہے، نہ ہی ادھر عام مسلمانوں کی گزرگاہ ہے، اس لیے وہاں مسجد کی حاجت نہیں اور صورت مسئولہ میں
دیوار اور تہ زمین مسجد شرعی نہیں کیوں کہ مسجد شرعی کو ویران رکھنا حرام ہے اور یہ ایسی جگہ ہے جو پہلے ہی سے
ویران ہے اور آئندہ بھی اس کے آباد ہونے کا ظن غالب نہیں۔
قرآن حکیم میں ہے: اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ.(توبہ، آیت:۱۸)
اللہ کی مسجدیں تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔اس سے معلوم
ہوا کہ مسجدیں نماز و عبادت کے ذریعہ آبادی کا تقاضا کرتی ہیں، اسی لیے مسجد ایسی جگہ بنائی جاتی ہے جہاں

آباد ہو سکے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: **رجل بنیٰ مسجدا فی مفازة بحیث لا یسکنها احد وقل ما یمر به انسان لم یصر مسجدا لعدم الحاجة الی صیرورته مسجدا کذا فی الغرائب.** اھ (الفتاوی الھندیہ، ص:۳۲۰، ج:۵، الباب الخامس، فی آداب المسجد، بیروت)

فتاوی رضویہ میں اسی طرح کی ایک مسجد کے بارے میں ہے: ''جب کہ یہ صحیح ہو کہ وہ جگہ آباد نہیں ہو سکتی اور وہ مسجد کام میں بھی نہ آئے گی تو وہ مسجد نہ ہوئی، اینٹوں اور روپے کو دوسری مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے: **رجل مفازة الخ**.'' (فتاوی رضویہ، ص:۴۷۸، ج:۶، سنی دار الاشاعت)

خلاصہ یہ کہ وہ جگہ صورت مسئولہ میں شرعا مسجد نہیں، ہاں مسلمانوں کی مقبوضہ ہے، لہٰذا مسلمان اسے کسی بھی تصرف میں لا سکتے ہیں اور اس طرح کی زمین میں کوئی بھی تصرف کرنے کے لیے اپنے علمائے دین سے پہلے اجازت ضرور حاصل کریں اور اگر قاضی اسلام ہوں تو ان کی۔ خود عوام کو اپنے طور پر کوئی تصرف نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی شرعی امور کو اپنے اختیار میں لینا چاہیے۔ ارشاد باری ہے: **وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ**. واللہ اعلم

وقف میں تبدیلی جائز نہیں

مرد و عورت دونوں نے اپنا بنا ہوا مکان جو کہ گاؤں کے اندر ہے اس کا آدھا حصہ مسجد کو ہبہ کر دیا اور آدھا حصہ مدرسہ کو ہبہ کر دیا اس کے بعد مرد کا انتقال ہو گیا تو وہ عورت چاہتی ہے کہ موقوفہ مکان کو بیچ کر مسجد اور مدرسے میں اس کی قیمت صرف کر دی جائے تو اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟

الجواب: وہ مکان بیچنا جائز نہیں جس طور پر وقف ہوا ہے اسی طور پر مسجد و مدرسہ میں اسے استعمال کریں۔ فتاوی عالمگیر میں ہے: **لا یجوز تغییر الوقف عن هیئته فلا یجعل الدار بستانا ولا الخان حماما.** (الفتاوی الہندیہ، ج:۲، ص:۴۹۰ الباب الرابع عشر فی المتفرقات) واللہ تعالی اعلم

جرمانہ لینا کیسا ہے؟

پونہ مالشور علاقے میں نو گاؤں کا ایک سماج ہے، اس سماج میں چند حضرات لیڈروں سے تعلق رکھتے ہیں اور لیڈروں نے کسی غرض کی بنا پر ایک مسجد پہ یہ پابندی عائد کی ہے کہ جو کوئی اس مسجد میں نماز

ھے گااس کوسماج سے باہر کردیا جائے گا اور پچیس ہزار روپے جرمانہ بھی دینا پڑے گا۔ مسجد میں اس طرح
پابندی عائد کرنا کیسا ہے؟

الجواب: جو مسجد شرعاً مسجد ضرار نہ ہو، اس پر پابندی لگانا اور اس میں نماز و عبادت سے اللہ
ے بندوں کو حرام و گناہ ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَاللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَفِيْهَا
مُه' وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا۔ (البقرہ، آیت: ۱۱۴) اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں
الٰہی کیے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔ اور جرمانہ لینا جرم پر بھی حرام ہے اور بغیر
م کے سخت حرام و گناہ۔ جن لوگوں نے مسجد شرعی پر ایسی پابندی عائد کی ہے وہ فوراً یہ پابندی ختم کریں اور
ب ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

صحن مسجد میں قبر نکلی، اب اس پر نماز کا حکم کیا ہوگا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ: ایک مسجد جس میں سینکڑوں سال سے نماز ہوتی
رہی ہے، جس کی خستہ حالی کے پیش نظر از سرِ نو تعمیر کا کام شروع ہوا، صحن میں بنیاد کی کھدائی کے درمیان
ریباً دس فٹ نیچے ایک قبر نکلی جس میں نعش کی علامات، ہڈیاں وغیرہ کنکال کی شکل میں پائی گئیں۔ دریافت
ب امر یہ ہے کہ مذکورہ جگہ برسوں سے نماز ہوتی آرہی ہے، اب جب کہ ایک قبر دریافت ہو چکی ہے تو اس
ے اور صحن میں ماقبل کی طرح نماز و سجدہ کا سلسلہ جاری رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قبر کے ارد گرد دیوار کھڑی کریں جو قبر سے کچھ اونچی ہو، پھر اس پر چھت ڈھالیں
ں کے بعد اسے فرش مسجد وغیرہ میں شامل کر کے اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں کہ یہ قبر کی چھت پر نماز پڑھنا ہوا نہ
ہ قبر پر۔ چاہ زم زم شریف اور مطاف کے درمیان بہت سے انبیاے کرام کی قبور ہیں اور ان کی چھت پر
اف ہوتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے گھر کے نچلے حصے میں قرآن پاک ہو اور اس کی چھت پر چلا جائے۔

کیا عورتیں مسجد میں باجماعت نماز پڑھ سکتی ہیں؟

کیا عورتیں پنج وقتہ نماز کے لیے مسجد میں الگ سے جماعت خانہ بنا کر ایک ساتھ نماز پڑھ سکتی ہیں؟ جیسا کہ یوروپ، امریکہ وغیرہ ممالک میں جماعت سے ہوتا ہے؟

الجواب: نہیں، عورت کے لیے اس کا گھر سب سے بہتر عبادت خانہ ہے وہ مسجد میں نہ جائے نہ جماعت کرے اس زمانے میں عورتوں کی جماعت کا طریقہ وہابیوں نے نکالا ہے جو گمراہ فرقہ ہے۔

(فتاویٰ شامی، ج:۱، ص:۳۰۵، کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

تعزیہ کا ڈھانچہ مسجد میں رکھنا حرام اور گناہ ہے

ہمارے یہاں کی جامع مسجد دومنزلہ ہے، پھر بھی جمعہ کی نماز میں مسجد تنگ پڑ جاتی ہے اس پر مزید یہ تعزیہ دار لوگ تعزیہ کا ڈھانچہ محرم گزر جانے کے بعد مسجد کی دوسری منزل پر رکھ دیتے ہیں اور وہ پورے سال اسی جگہ رکھا رہتا ہے۔ وہ ڈھانچہ بھی دو چار نمازیوں کی جگہ گھیرتا ہے تو ایسی تنگی کی صورت میں اس ڈھانچے کو مسجد میں رکھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر اس کی وجہ سے تنگی نہ بھی ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: تعزیہ کا ڈھانچہ مسجد میں رکھنا حرام وگناہ ہے، چاہے نیچے کی منزل میں رکھیں یا اوپر کی اور مسجد خواہ کشادہ ہو یا تنگ کہ مسجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئی ہے۔ مسجد تو عبادت، تلاوت اور ذکر الٰہی کے لیے ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”انماھی لذکراللہ والصلوۃ وتلاوۃ القرآن۔“ مساجد تو ذکر الٰہی اور نماز و تلاوت قرآن کے لیے ہیں۔ (صحیح مسلم شریف، ص:۱۳۸، ج:۱، باب وجوب غسل البول) پھر شرعاً موجودہ تعزیہ داری ناجائز ہے تو مسجد کو اس کے کسی غرض کے لیے استعمال کرنا بھی ناجائز ہوگا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کو تعزیہ کے ڈھانچہ سے خالی کریں اور نمازیوں کو وہاں نماز پڑھنے کا موقع دیں اور فوراً ہی اس پر عمل درآمد ہو۔ واللہ اعلم

کیا مساجد کا انشورنس کرانا جائز ہے؟

ماریشس کا یہ قانون ہے کہ مسجد میں کسی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے، مثلاً پھسل کر، یا اوپر

ے گر کر مر جائے یا اس کے اوپر کوئی چیز گر پڑے اور وہ ہلاک ہو جائے پھر اس کے اولیا کورٹ میں چارہ جوئی کریں تو مسجد پر اس کی ہلاکت کی وجہ سے تاوان کی ادائیگی کا حکم ہوتا ہے۔ یہ رقم دس پندرہ لاکھ روپے تک ہوتی ہے۔ یہ قانون بہت پہلے سے ہے لیکن اب تک کسی مسجد کے بارے میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں کیا مسجد کا انشورنس کرانے کی اجازت ہے؟ وہاں دکانوں کا قانون یہی ہے اور دکانوں کا انشورنس کرانا ضروری ہے۔ اگر خدانہ خواستہ مسجدوں کے لیے ایسا کوئی قانون آجائے تو کیا کرنا ہوگا؟

الجواب : عموماً لوگ مساجد میں احتیاط سے چلتے اور پھسلنے کی جگہوں پر نظر رکھتے ہیں۔ اس لیے پھسلنے کی باعث عام طور پر کوئی حادثاتی موت نہیں ہوتی۔ پھر جب وہاں کبھی سوال میں درج قانون پر عمل نہ ہوا اور کسی مسجد سے تاوان نہیں لیا گیا تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ قانون مسجد کی انتظامیہ کو باخبر رکھنے اور لوگوں کی حفاظت کا خیال رکھنے کے لیے ہے، وہ لازم العمل نہیں اس لیے فی الحال وہاں پر مساجد کا انشورنس کرانا جائز نہیں کہ یہ فی الواقع قمار ہے جو حرام ہے۔ ہاں اگر کبھی وہاں کی حکومت اسے لازم العمل قرار دے دے تو اس وقت انشورنس کرانا بوجہ ضرورت شرعیہ جائز ہوگا۔ فقہا فرماتے ہیں: ''**الضرورات تبیح المحظورات**''۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ استنجا خانے کے باہر اور وضو خانے کھر درے پتھر کا وغیرہ کا بنوائیں یا ایسی جگہوں پر پاؤں سے چپکنے والے پاپوش بچھا دیں تا کہ پاؤں کے پھسلنے یا پھر ہلاک ہونے کا خطرہ ہی نہ رہے۔ واللہ تعالی اعلم

کیا کفن کمیٹی کا جمع کیا ہوا چندہ مسجد ومدرسہ میں لگایا جاسکتا ہے؟

ہمارے یہاں چند آدمیوں نے جمع ہو کر ایک کفن کمیٹی کا انعقاد کیا اور لوگوں سے یہ کہہ کر چندہ وصول کیا کہ جمع شدہ رقم سے کفن اور اس کے لوازمات کو خریدا جائے گا اور پھر لوگوں کو مناسب دام میں بیچا جائے گا۔ اس کے لیے رسید بھی چھپوالی گئی اور تقریباً پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) روپیہ جمع کیا گیا۔ چوں کہ اس کمیٹی کا انعقاد آج سے تقریباً ۱۵ رسال پہلے ہوا تھا۔ لہٰذا آج وہ رقم پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) تک پہنچ چکی ہے اور ظاہر ہے کہ جس قدر کفن بیچا جائے گا لامحالہ منافع بھی بڑھتا جائے گا اور جن حضرات سے چندہ لیا گیا تھا ان میں

سے بعض کا نام معلوم نہیں اور بعض انتقال کر گئے۔ تو کیا اس رقم کو کسی کار خیر مثلاً مدرسے کی عمارت وغیرہ بنانے میں خرچ کے جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس اگر اس طرح کے کار خیر میں اس کا استعمال نہ کیا جائے تو رقم اس طرح بڑھتی ہی جائے گی، جیسا کہ آج تک بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اور رقم میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا تو کیا کوئی صورت ممکنہ ہوگی جس کی بنا پر مدرسہ کی عمارت وغیرہ بنانے یا اور کوئی کار خیر میں اس رقم کو استعمال کیا جائے۔

لیکن دل میں یہ تھا کہ کوئی لاوارث یا محتاج شخص آئے تو اس کو مفت کفن دیا جائے تو دس پندرہ سال ایسے دو تین کیس آئے تو ان کو مفت دیا گیا۔

الجواب: اس رقم کو مدرسہ و مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں کہ مدرسہ و مسجد اس رقم کے مصرف نہیں۔ اس رقم کے مصرف لاوارث اور محتاج اموات ہیں۔ انھیں پر اسے صرف کیا جائے، اگر وہاں ایکی حاجت کم پیش آتی ہے تو جہاں لاوارث اور محتاج اموات زیادہ پہنچیں وہاں صرف کریں۔ **ان لم یکن بیت المال معموراً او منتظماً فعلی المسلمین تکفینه فأن لم تقدروا سألوا الناس له ثوباً فأن فضل شئی ردّ للمصدق أن علم، ألا کفن به مثله و ألا تصدق به، مجتبی۔**

(درمختار فوق ردالمختار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، ج:۳، ص:۱ / ج:۳، ص:۱۰۲)

ترجمہ: اگر بیت المال ویران ہو یا بدانتظامی کا شکار ہو تو مسلمانوں پر میت کی تکفین لازم ہے اگر انہیں اس کی قدرت نہیں تو لوگوں سے اس کے لیے کپڑے کا سوال کریں، اگر اس میں کچھ بچ جائے تو صدقہ کرنے والے کو لوٹا دیا جائے ورنہ اس جیسی میت کو اس سے کفن دیا جائے اور وہ بھی نہ ہو تو اسے صدقہ کر دیا جاہے۔ (مجتبیٰ) فتاوی ہندیہ میں ہے۔ **أن عرف صاحب الفضل ردّ علیه و أن لم یعرف کفن به محتاجاً آخر و أن لم یقدر علی صرفه ألی الکفن یتصدق به علی الفقراء۔**

(باب الجنائز، الفصل الثالث فی التکفین، ص:۱۶۱، ج: اول) ترجمہ: اگر بچے ہوئے کفن کا مالک معلوم ہو تو اسے لوٹا دیا جائے اور اگر معلوم نہ ہو تو کسی دوسرے ہو تو کسی دوسرے ضرورت مند کو اس سے کفن دیا جائے اور اگر کفن میں خرچ کیے جانے کی قدرت نہ ہو تو فقرا پر اسے صدقہ کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بینک سے مسجد کی رقم پر انٹرسٹ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں:

(۱) ہندوستانی بینک سے انٹرسٹ کی شکل میں ملنے والی رقم مسلمانوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بینک میں مسجد کی جمع شدہ رقم پر انٹرسٹ کی شکل میں ملنے والی رقم کو مصارف مسجد میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) کیا انٹرسٹ کی شکل میں ملنے والی رقم کو مسجد، ٹرسٹ، مصارف مسجد کے علاوہ دوسرے مصرف میں مثلاً مفلس ونادار عوام میں بطور طبی امداد تعلیمی امداد اور دیگر فلاحی امور کے لئے صرف کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب: (۱) حکومت ہند کے بینکوں میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں بلکہ مباح ہے۔ اسے لینا اور اپنے دینی ودنیوی امور میں صرف کرنا جائز ہے۔ ہاں افضل یہ ہے کہ نفع کی رقم لے کر کسی محتاج مسلمان یا سنی مدرسہ یا مسجد کو دے دیں۔

(۲) مسجد کی جمع شدہ رقوم پر حکومت کے بینکوں سے جو زائد رقم ملے اس کی مالک مسجد ہے، وہ رقم مسجد کے ہی امور میں استعمال کرنی واجب ہے۔

(۳) بینک سے ملنے والی یہ زائد رقم مسجد کی مِلک ہے، اُسے مسجد کے سوا کسی بھی کام میں صرف کرنا حرام وگناہ ہے۔ لہٰذا وہ رقم مفلس اور نادار لوگوں میں بطور طبی امداد، تعلیمی امداد اور دیگر فلاحی امور کے لئے تقسیم کرنا حرام وگناہ اور مسجد کے مال پر ظلم وتعدی ہے اگر ایسا کسی نے کیا ہو تو اُس پر فرض ہے کہ ایسی تباہ کردہ ساری رقم کا تاوان مسجد کو ادا کرے اور سچے دل سے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

امامت کے لیے تنخواہ کی شرط لگانے کا حکم

زید ایک عالم دین ہے اور انھوں نے مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر مجھ کو نماز پڑھانے کے لیے رکھنا ہے تو کم سے کم تین سال رکھنا پڑے گا اور تنخواہ دس ہزار دینی پڑے گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے اس طرح کی شرط لگانا کیسا ہے؟ جائز ہے یانہیں؟

الجواب: اجارے کی مدت اور اجر مقرر کرنا جائز ہے تو تین سال کے لیے اجارۂ امامت اور دس ہزار روپے ماہانہ جائز ہے۔ اور بات طے ہو جائے تو تین سال سے پہلے بلا عذر شرعی فسخ اجارہ ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے: **لا یجوز عزل صاحب وظیفة بلا جنحة**، اھ اور اگر کوئی عذر شرعی ہو مثلا امام معذور ہو گیا تو تین سال سے پہلے بھی یہ اجارہ فسخ کرنا جائز ہے اور فسخ کے دن سے وہ امامت کی تنخواہ کا حق دار نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسائل حج

مکہ معظمہ میں شوہر مرجائے تو عورت حج کرے یا عدت گزارے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام کہ ایک عورت اپنے شوہر اور محرم کے ساتھ ماہ ذیقعدہ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ پہونچ گئی اور عمرہ ادا کیا ابھی حج کا احرام نہ باندھا تھا کہ ایام حج سے قبل ہی وہیں اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اب وہ عدت کہاں اور کس طرح گزارے اور حج کب اور کیسے ادا کرے؟

الجواب: اس عورت کے لیے عدت وفات باعث احصار نہیں جیسا کہ بہار شریعت میں شامی وعالمگیری سے ہے۔ (جلد:۶ ص:۱۴۱) ایسا ہی عنایہ وفتح سے بھی ظاہر ہے، لہذا وہ حج کرے، بعد حج مکہ معظمہ میں عدت گزارے یہ ممکن نہ ہو تو وطن آجائے اور ایر پورٹ سے قریبی آبادی میں جہاں عدت گزارنا ممکن ہو وہاں عدت کے ایام پورے کرے یہ بھی ممکن نہ ہو تو شوہر کے جس گھر میں اس کی سکونت تھی وہاں جا کر عدت گزارے اور یہ بوجہ مجبوری وضرورت ہے۔

تفصیلی جواب: یہ عورت محصرہ نہیں لہذا حج کرے، ردالمحتار باب الاحصار میں ہے:

فلو احرمت و لیس لها محرم و لا زوج فهی محصرة کما فی اللباب و البحر . ثم هذا اذا کان بینها و بین مکة مسیرة سفر و بلدها اقل منه او اکثر لکن یمکنها المقام فی موضعها و الا فلا احصار فیما یظهر۔ (ردالمحتار المطبوع مع الدر المختار، باب الاحصار، ص:۳۰، ۴، ج۴ دار الکتب العلمیہ)

ترجمہ: اگر عورت نے احرام باندھ لیا، اور اس کے ساتھ محرم یا شوہر نہیں ہے تو وہ محصرہ ہے جیسا
کہ لباب اور بحر رائق میں ہے، یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہاں سے مکہ معظمہ کی مسافت ۹۲ کلومیٹر یا زیادہ ہو
وراس کے شہر کی مسافت کم ہو، یا زیادہ ہو لیکن وہاں اس کے لیے ٹھہرنا ممکن ہو۔ او، اگر یہ صورتیں نہ ہوں۔ (
جیسا کہ درپیش مسئلہ کا حال یہی ہے) تو احصار نہیں، یہی ظاہر ہے۔ (ردالمحتار)

فتح القدیر باب العدۃ میں مسئلہ "**اذا خرجت المراة مع زوجها الى مكة فمات عنها**
ی غیر مصر" کے ضمن میں ہے: **معناه اذا كان الى المقصد (اى الى مكة المعظمة) ثلاثة**
یا فصاعداً فاذا كان دونها الى المقصد تتخير بل يتعين عليها الذهاب الى المقصد
(اى مكة شرفها الله تعالىٰ) اھ۔

ترجمہ: عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کا سفر کیا اور شوہر راستے میں ہی کہیں فوت ہو گیا
ور مکہ معظمہ کا فاصلہ وہاں سے ۹۲ کلومیٹر سے کم ہے تو عورت پر واجب ہے کہ مکہ شریف چلی جائے (فتح
القدیر ص: ۱۶۸ ج: ۴)

واختارہ فی بہار شریعت ص: ۱۴۹ ج: ا ر باب المحصر وعزاہ الی ردالمحتار والھندیۃ۔ فتویٰ رضویہ میں
ہے: اور اگر شوہر و محرم نہیں رکھتی تو اگر اتنی دور پہونچ گئی کہ مکہ معظمہ تک مدت سفر نہیں مثلاً جدہ پہونچ گئی تو
ب چلی جائے اور واپس نہ ہو۔ **وكانت كمن ابانها زوجها او مات عنها**۔ (اور یہ اس عورت کے حکم
ل ہے جسے اس کے شوہر نے طلاق بائن دے دی، یا فوت ہو گیا) پھر بعد حج مکہ معظمہ میں اقامت کرے،
ھ (۴/۶۸۴)۔ اس عبارت میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بے شوہر و محرم والی عورت کو اس عورت کے جیسی
یا ہے جس کا شوہر مکہ معظمہ کے راستے میں فوت ہو جائے اور اسے حج کی اجازت دی ہے۔ اور بعد حج مکہ
ظمہ میں عدت وفات پوری کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس زمانے میں حکومت سعودیہ کے سخت قانون اور
ں پر سختی کے ساتھ عمل کی وجہ سے وہاں پورے زمانۂ عدت تک قیام سخت دشوار ہے۔ اور حرج و ضرر کا باعث
ی، اس لیے اسے اجازت ہے کہ اپنے ملک میں آکر عدت گذارے اگر یہ ممکن ہو کہ اپنے ملک میں جہاں
پہلے پہونچی وہاں عدت گذار سکے یا اس سے قریب ترین آبادی میں تو وہیں عدت گذارے اور یہ بھی دشوار
تو ناچار ہے، شوہر کے گھر پہونچ کر عدت کے ایام پورے کرے فتح القدیر میں ہے: **وفی البدائع**.

رجعت وبلغت ادنی الموضع التی تصلح للاقامة اقامت فیه، واعتدت وان لم تجد محرما بلا خلاف و کذا ان وجدت عند ابی حنیفة م ومثله فی المحیط وفیه: البدوی طلق امراته فاراد نقلها الی مکان اخر فی الکلاء والماء فان لم تتضرر بترکها فی ذالک الموضع فی نفسها ومالها لیس له ذالک وان تضررت فله ذلک اذ الضرورات تبیح المحظورات۔ اھ (۱۶۹/۴ قبیل باب ثبوت النسب)

حج کے مسائل

کیا فرماتے علمائے دین مسائل ذیل میں:

۱۔ حج میں پہلے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس کی اصل کیا ہے؟

۲۔ کسی کے ذمہ روزہ، نماز، زکاۃ باقی ہو تو کیا یہ بھی حج سے معاف ہو جائیں گے؟

۳۔ کسی کو گالی دی، ناحق ستایا یا مال دبالیا تو کیا یہ سب حج سے معاف ہو جائیں گے؟

۴۔ کیا کسی صورت میں یہ دونوں طرح کے حقوق معاف ہونے کی امید کی جاسکتی ہے؟

۵۔ کوئی شخص رشوت یا سود کے مال سے حج کو جائے تو کیا فرض ادا ہو جائے گا؟

۶۔ جوان ساس، داماد کے ساتھ اور جوان بہو خسر کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

۷۔ حاجی ایام تشریق میں صرف لبیک پڑھے، یا تکبیر تشریق بھی؟

۸۔ حج کا احرام باندھنے کے بعد عورت کو حیض آجائے تو کیا کرے؟

۹۔ اگر بارہ ذی الحجہ تک وہ حیض سے پاک نہ ہوا اور دوسرے روز اس کی فلائٹ ہو تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

۱۰۔ حرم شریف سے لوگ ایک دوسرے کی چپل پہن کر چلے جاتے ہیں اس کا حکم کیا ہے؟

۱۱۔ وہابی امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی تو حج کیسے ہوگا؟

الجواب: (۱) اس کی اصل احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ ہیں۔ مشہور صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس

نے حج کیا اور فحش کلامی نہ کی، نہ فسق و نافرمانی کا کام کیا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹا جیسے اس دن کہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔ (مسلم شریف: باب فضل الحج والعمرہ، ص ۴۳۶ ج ا مجلس برکات) (بخاری شریف، کتاب المناسک، ص ۲۰۶ ج ا مجلس برکات)

ایک دوسرے صحابی رسول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حج ان گناہوں کو دور کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ہوئے۔ (بخاری شریف وابن خزیمہ) سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے خادم خاص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حج وعمرہ محتاجی اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں جیسا بھٹی لوہے، چاندی، سونے کے میل کو دور کرتی ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔ (ترمذی شریف وابن خزیمہ)

مگر اس بشارت کے حقدار واقع میں وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں جو خالص اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے پاک مال، پاک کمائی سے کریں ساتھ ہی حج کے تمام ارکان وشرائط کی بھی پوری پابندی کریں۔

(۲) روزہ، نماز، زکاۃ یہ سب اللہ تبارک وتعالی کے ضروری حقوق سے ہیں اور یہ اصل حقوق عام حالات میں حج سے بھی معاف نہیں ہوتے، بلکہ ان کی ادا میں دیر کرنے سے جو گناہ لازم آتا ہے صرف وہ گناہ حج سے معاف ہوتا ہے، معافی کی شرط وہی ہے کہ صحیح اور مقبول ہو۔

اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ حج مبرور تک نماز، روزہ، زکاۃ کی ادائیگی میں دیر کرنے سے گناہوں کا جو وبال حاجی کے سر آیا تھا وہ معاف ہو گیا مگر اصل حقوق ذمہ میں لازم رہے، لہذا اب جلد سے جلد چھوٹی ہوئی نمازیں پڑھ لے، چھوڑے ہوئے روزے رکھ لے، اور اپنے مال کی زکاۃ ادا کر دے اگر اس نے ایسا کر لیا تو اللہ عزوجل کے ان حقوق سے بے گناہ بری ہو جائے گا، اور اگر اب بھی ان کے حقوق کی ادائیگی میں دیر کرے گا تو یہ نیا گناہ ہوگا جو حج سے معاف نہیں ہوا ہے۔

ہاں اگر حج کے بعد فوراً مر گیا اور اسے اتنا موقع نہ ملا کہ یہ حقوق خداوندی ادا کرتا یا ادا کی فکر کرتا تو فضل خدا سے امید ہے کہ اپنے یہ حقوق حاجی سے معاف فرما دے۔

۳۔ یہ تو بندوں کے حقوق ہیں جو بغیر بندے کے معاف کیے معاف نہیں ہوتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین دفتر ہیں، ایک

دفتر میں سے اللہ تعالی کچھ نہ بخشے گا۔ اور ایک دفتر کی اللہ تعالی کو کچھ پرواہ نہیں، اور ایک دفتر میں سے اللہ تعالی کچھ نہ چھوڑے گا۔

وہ دفتر جس میں اصلاً معافی کی جگہ نہیں وہ تو کفر ہے کہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا، اور وہ دفتر جس کی اللہ عزوجل کو کچھ پرواہ نہیں وہ بندے کا گناہ ہے خالص اپنے اور اپنے رب کے معاملے میں کہ کسی دن کا روزہ ترک کیا، یا کوئی نماز چھوڑ دی اللہ تعالی چاہے تو اسے معاف کردے اور درگزر فرمائے۔

اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالی کچھ نہ چھوڑے گا وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے، کہ اس میں ضرور بدلہ ہونا ہے۔ (فتاوی رضویہ بحوالہ مسند احمد بن حنبل وغیرہ)

ہاں اگر حج کے بعد حاجی کی فوراً وفات ہوگئی تو اللہ تبارک وتعالی قیامت کے روز حق دار بندوں سے ان کے حقوق بہتر طور پر معاف کرادے گا۔ اس کی پوری تفصیل فتاوی رضویہ ص:۴۹ ج:۱۰ میں ہے۔

۴۔ معافی کی امید ہے اور اس کی صورت وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی حج صحیح ہو، بارگاہ الہی میں مقبول ہو، اور حج کے بعد فوراً حاجی فوت ہو جائے۔ یہ تینوں باتیں پائی جائیں تو اللہ عزوجل کے کرم سے امید ہے کہ اپنے حقوق خود معاف فرمادے گا، اور بندوں کے حقوق ان سے یوں معاف کرائے گا کہ اپنے کرم سے انہیں ان کے حق سے سوا عطا فرمائے گا۔

۵۔ حج کا فریضہ تو ادا ہو جائے گا مگر یہ ایسا حج ہے جس سے خدائے غفور ورحیم راضی نہیں اور یہ اس کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں فتاوی رضویہ ص:۶۸۵ ج:۴ میں ہے"

حدیث میں ارشاد ہوا، جو مال حرام لے کر حج کو جاتا ہے، جب وہ لبیک کہتا ہے فرشتہ جواب دیتا ہے۔ "**لالبیك ولا سعدیك وحجك مردود علیك حتى تردما فی یدیك**" "نہ تیری حاضری قبول نہ تیری خدمت مقبول، اور تیرے حج تیرے منہ پر مردود۔ جب تک تو یہ حرام مال جو تیرے ہاتھوں میں ہے واپس نہ دے۔

۶۔ اب منع ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار میں لکھتے ہیں: "**نقل السید ابو السعود عن نفقات البزازیه: لاتسافر باخیها رضاعاً فی زماننا اھ ای لغلبة الفساد، قلت: ویؤیدہ کراهة الخلوة بها کالصهرة الشابة، فینبغی استثناء الصهرة الشابة هنا ایضا لان السفر**

الخلوۃ" اھ (ص:۱۵۸ ج:۲ کتاب الحج) اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ "عورت موجودہ زمانے میں
ودہ شریک بھائی کے ساتھ سفر نہ کرے اور جوان ساس کو بھی داماد کے ساتھ سفر نہ کرنا چاہیے" تو یہی حکم خسر
کے ساتھ جوان بہو کے سفر کا بھی ہونا چاہیے۔ حج ایک ایسا مقدس فریضہ ہے جس میں قدم قدم پر احتیاط کی
ضرورت پیش آتی ہے اس کے لیے حاجی کو شک وشبہ والے کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے تا کہ اس کا حج
قبول ہونے میں کوئی چیز روک نہ بنے۔ لہذا حکم یہی دیا جاتا ہے کہ احتیاط کرنا چاہیے۔

۷۔ تکبیر تشریق بھی پڑھے۔ فتح القدیر میں باب صلاۃ الکسوف سے کچھ پہلے ہے: "ویبد
المحرم بالتکبیر، ثم بالتلبیة" یعنی محرم (حاجی) پہلے تکبیر تشریق پڑھے اس کے بعد لبیک۔

۸۔ حج کرے یعنی آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ جائے، نو ذی الحجہ کو عرفات کے لیے روانہ ہو اور سورج
ڈھلنے کے بعد وقوف کرے، جب دن ڈوب جائے تو مزدلفہ کے لیے روانہ ہو اور صبح صادق طلوع ہونے پر
یہاں بھی وقوف کرے، عرفات ومزدلفہ دونوں جگہ وقوف میں تلاوت قرآن نہ کرے، باقی اذکار پڑھے اور
دعا میں مشغول رہے، یہاں سے منیٰ آئے اور شیطان کو کنکری مارے، اس کے بعد قربانی کا حکم ہے وہ تو اس
کی اجازت سے دوسرا شخص بھی کر سکتا ہے، یہ حج کی وہ عبادتیں ہیں جن کے لیے حیض سے پاک ہونا ضروری
نہیں، ہاں طواف زیارت پاک ہونے کے بعد کرے اگر چہ بارہ ذی الحجہ کے بعد پاک ہو کہ اس کے لیے
پاک ہونا ضروری ہے اور تاخیر بوجہ عذر معاف ہے۔

۹۔ معلم کے ذریعہ فلائٹ کی تاریخ آگے کرالے اگر کسی وجہ سے یہ نا ممکن ہو اور وہ مسئلہ پوچھے تو
بتایا جاسکتا ہے کہ طواف کرے گی تو صحیح ہو جائے گا مگر گنہگار ہوگی اور اونٹ یا گائے کی قربانی بھی کرنی
پڑے گی ایسا ہی شامی جلد دو صفحہ ۱۹۹ میں ہے۔

۱۰۔ یہ ناجائز وگناہ ہے، ہرگز ہرگز دوسرے کی چپل نہ پہنیں، اپنی چپل غائب ہو جائے تو دوسری
چپل خرید لیں، یا کچھ فاضل چپل یہیں سے لیتے جائیں یا غائب ہونے پر اسے استعمال کریں۔

۱۱۔ حج سے متعلق جتنی عبادتیں شریعت نے بتائی ہیں۔ وہ سب تنہا تنہا ادا کی جاتی ہیں، کہیں امام
کی حاجت نہیں ہوتی، نماز تو حج کے سوا ایک الگ عبادت ہے اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ واللہ اعلم

احرام سے باہر ہونے کے لیے سر پر استرا پھیرنا ضروری ہے

ایک حاجی نے حج کے بعد عمرہ کیا اور احرام کھولتے وقت حجام کے پاس گیا تو اس نے سر پر بجائے استرا پھیرنے کے صرف قینچی چلادی جب کہ سر پر بال نہیں تھا، ایسی صورت میں حاجی اب کیا کرے؟ واضح ہو کہ حاجی حج وعمرہ سے فارغ ہو کر وطن ہندوستان واپس آ گیا ہے، تو اب یہ کیا کرے؟ شریعت کی رو سے واضح فرمایا جائے۔

الجواب: جب حاجی کے سر پر بال نہ تھے تو سر پر استرا پھیرنا واجب تھا تا کہ وہ احرام سے باہر ہو اور احرام سے حرام ہونے والی چیزیں حلال ہو جائیں، مگر حاجی نے ایسا نہ کیا اور ہندوستان بھی واپس آ گیا تو ظاہر ہے کہ کہ اس نے شرعی حکم سے لاعلمی کی بنا پر ایسا کیا، اس لیے وہ احرام کے ممنوعات اور پابندیوں کے خلاف بہت کچھ امور کا ارتکاب کرسکتا ہے، مثلاً بیوی کے ساتھ جماع کرنا، شہوت کے ساتھ بوسہ لینا، گلے لگانا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، بالوں یا کپڑوں یا بدن میں خوشبو لگانا، اپنا یا دوسرے کا ناخن کترنا، خالص خوشبو، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی، دارچینی وغیرہ کھانا، جوتے جو وسط قدم کو چھپائیں پہننا اور ان کے علاوہ بھی دوسرے کام جو عمرہ کے احرام کی وجہ سے حرام ہیں، اگر اس حاجی نے عمرہ کے احرام کے باوجود یہ کام کیے یا اس سے کم یا زیادہ کام کیے تو کچھ صورتوں میں اس پر صرف صدقہ اور زیادہ تر صورتوں میں دم واجب ہوگا، اور وہ بھی ہر جرم پر ایک دم واجب ہوگا۔ یعنی مینڈھے کی قربانی یا بدنہ یعنی بڑے جانور گائے وغیرہ کی قربانی۔ اس حاجی سے اب تک احرام کے تعلق سے کتنے جرائم سرزد ہوئے؟ اس کے لیے وہ کسی اچھے عالم دین کے پاس جائے اور وہ بہار شریعت حصہ ۶ میں ''جرم اور ان کے کفارے کا بیان'' پڑھ کر اس سے تفصیلات معلوم کریں، پھر بہار شریعت سے ہی اس جرم کا کفارہ (دم، بدنہ، صدقہ) بتادیں اور یہ حاجی اس پر عمل کرے۔ اگر مکہ معظمہ جا کر حدود حرم میں یہ بال منڈوا سکے تو ٹھیک، ورنہ یہیں بال منڈوا کر ایک دم اس کے بدلے میں بھی دے یعنی حدود حرم سے باہر بال منڈانے پر۔ اور یہ یاد رہے کہ دم یا بدنہ یا صدقہ وہی معتبر ہوگا جو حرم شریف کی حدود کے اندر ہو، اس لیے وہاں جانے والے کسی معتمد حاجی یا معتمر

ے یہ خدمات حاصل کرے یا وہاں اس کا کوئی آدمی ہو تو وہ اس کی طرف سے دم، بدنہ، صدقہ ادا کرے یعنی شرعاً اس کے ذمہ جو واجب ہوا اور جتنا واجب ہوا اسے ادا کرے۔ خدائے پاک اسے توفیق دے۔ واللہ اعلم

حرم شریف میں اعتکاف کے مسائل

جناب مفتی صاحب! حرم شریف میں رمضان کے آخری دس دنوں میں مکہ میں اعتکاف کے بارے میں درج ذیل سوالات پر مشورہ چاہتا ہوں؟

(۱) مکہ میں مسجد کے احاطے میں وضو اور بیت الخلاء کی سہولت موجود نہیں ہے، تو کیا اس کے لیے جو اعتکاف میں رمضان کے آخری دس دنوں میں بیٹھے، مکہ کی مسجد حرم کے باہر زمین دوز بنائی ہوئی وضو خانہ یا بیت الخلا جو باب عبدالعزیز کے سامنے ہے، کا استعمال کرنے کی اجازت ہے؟

(۲) چوں کہ مسجد کے اندر کوئی کھانے وغیرہ کی اجازت نہیں ہے، تو کیا اس کے لیے جس کے پاس باہر سے کھانا لانے والا کوئی نہ ہو تو وہ باہر جا کر سحری کے لیے اور افطار کے لیے کھانا لے سکتا ہے؟ اور کیا حرم شریف کے باہر وہ کھانا کھایا جا سکتا ہے؟

(۳) کیا اعتکاف میں غسل کیا جا سکتا ہے؟ بغیر غسل کے کپڑے بدل سکتا ہے؟

الجواب : (۱) جو مسجد حرام میں معتکف ہو وہ اس کے حدود میں بنے زمین دوز استنجا خانے اور بیت الخلا میں اپنی حاجت پوری کرے اور وہیں وضو بھی کر لے، اس سے دور جانا جائز نہیں، جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، معتکف کو اپنے طبعی حوائج کے لئے مسجد سے باہر قریبی جگہ میں جانے کی اجازت ہے اور یہ طہارت خانے تو مسجد حرام کے حدود میں ہی بنے ہیں، گو کہ اس سے باہر ہیں، اس لئے معتکف کو وہاں جا کر قضائے حاجت کرنے کی اجازت ہے۔

(۲) یہ شخص کسی خادم سے بات کر لے، مسجد حرام کے باہر جہاں تک سفید پتھر ہیں وہ بھی مسجد کے ہی حکم میں ہے، وہاں تک آجائے اور کھانے کے لیے کسی حاجی یا معتمر یا خادم سے گزارش کرے، اگر اس طور پر کھانا لائے کا انتظام ہو جائے تو ٹھیک ورنہ بوجہ ضرورت شرعیہ وہ خود جا کر قریب کے قبائل سے کھانا لے لے اور مسجد حرام شریف کے صحن میں آکر سفید پتھر پر بیٹھ کر کھائے، وہاں کھانا ممنوع نہیں۔

(۳) جو غسل خانے حدود مسجد حرام میں ہوں، ان میں غسل کرسکتا ہے کہ یہ مسجد سے خارج نہیں اور اس کے لیے مسجد سے باہر جانے کی اجازت نہیں۔ غسل فرض ہو تو مطلقاً غسل کی اجازت ہے اگرچہ غسل خانہ مسجد سے باہر ہو، مگر مسجد حرام کے معتکف کو باہر جانے کی اجازت نہیں کہ اس کے لیے حدود حرم میں ساری سہولیات مہیا ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حالات حیض میں طواف وسعی کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۱) ایک عورت نے اعتکاف کی نیت کی اور اعتکاف میں نہ بیٹھ سکی تو اب کیا کرے؟

(۲) حالت حیض میں طواف وسعی کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۳) نفاس ہر روز رات ہی میں آتا ہے، ایک قطرہ یا دو قطرہ آتا ہے تو کیا دن میں غسل کرکے نماز وغیرہ پڑھ سکتی ہے؟

الجواب : (۱) یہ عورت اعتکاف کی قضا کرے، اگر اعتکاف رمضان المبارک کے عشرہ کا

تھا تو روزے رکھے اور دس دن رات اپنے گھر میں ہی کوئی کمرہ عبادت کے لیے خاص کرکے اس میں بیٹھے اور بلا ضرورت اس میں سے باہر نہ نکلے۔

(عالم گیری؛ ج:۱؛ص:۲۱۱؛ کتاب الصوم؛ الباب السابع فی الاعتکاف)

(۲) حالت حیض میں طواف بیت اللہ حرام ہے اور گناہ ہے اس لیے اس سے بچے؛ ہاں اگر پاکی کی حالت میں طواف کرچکی ہو اور صفا کے پاس سعی کے لیے پہنچی تھی کہ حیض آگیا تو وہ چاہے تو سعی کرسکتی ہے؛ اور بہتر ہے کہ پاک ہونے تک انتظار کرے جب پاک ہوجائے تب سعی کرے لیکن اگر اسے اندیشہ ہو کہ احرام کی پابندیاں وہ لمبے عرصے تک نہ نبھا سکے گی تو سعی کرکے احرام سے باہر ہوسکتی ہے۔

(عالم گیری؛، ج:۱،ص:۳۸، کتاب الطھارۃ، الکتاب السادس فی الدماء المختصۃ بالنساء ج:۱،ص:۸ کتاب المناسک؛ الباب الثامن الجنایات)

(۳) نہیں، جب تک مکمل طور پر نفاس کا خون آنا بند نہ ہوجائے وہ نماز سے رکی رہے۔ مگر یہ کہ سلسلہ دراز ہوکر چالیس دن سے زیادہ ہوجائے تو اب وہ نفاس کا نہیں بیماری کا خون مانا جائے گا اور بیماری

ے خون کا حکم یہ ہے کہ وہ تازہ وضو کر کے نماز پڑھے۔

(عالمگیری، ج:۱،ص:۲۱۱، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف) واللہ تعالیٰ اعلم

ایک ہی احرام میں متعدد جرائم کا حکم

اگر ایک ہی احرام میں کئی جرم ہو جائیں تو کتنے صدقے یا دم واجب ہیں؟

الجواب: احرام میں جتنے جرم ہوں گے اتنے ہی کفارے بھی لازم ہوں گے، اب یہ کفارہ جرم کے چھوٹا اور بڑا ہونے کے لحاظ سے مختلف طرح کا ہوگا کہیں بدنہ واجب ہوگا یعنی گائے یا اونٹ اور کہیں دم یعنی بکری اور کہیں صدقہ یعنی ۲ کلو ۴۷ گرام گیہوں یا اس کا دام کہیں ایک مٹھی اناج یا روٹی کا ٹکڑا۔ یہاں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کب ایک ہے اور کب کئی ایک۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں مرقوم ہے۔ مختصراً یہ جان لینا چاہئے کہ اگر ایک نشست میں بدن کے کتنے ہی اعضا پر خوشبو لگائے وہ ایک جرم ہے اور مختلف نشستوں میں لگائے تو ہر بار نیا جرم۔ اگر سارے بدن کے بال ایک ہی نشست میں دور کر دے تو ایک ہی جرم ہے اور الگ الگ نشستوں میں دور کیے تو ہر بار نیا جرم ہے۔ اگر ایک نشست میں ایک ہاتھ پاؤں کے ناخن تراشے اور دوسری نشست میں دوسرے ہاتھ یا پاؤں کے ناخن تراشے تو چار دم دے کہ یہ چار جرم ہوئے اور اگر ایک ساتھ بیسوں ناخن تراش لیے تو ایک دم دے کہ یہ ایک جرم ہے۔

بیماری کے سبب سلا ہوا کپڑا پہنا تو جب تک وہ بیماری رہے گی ایک جرم ہے اور بیماری یقیناً جاتی رہی، اس کے بعد نہ اتارا تو دوسرا جرم ہے۔ الغرض جرم ایک ہے یا کئی ایک، اس کے لیے مفتی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، مگر اتنا تو متعین ہے کہ جرم جتنے ہوں گے اتنے ہی دم یا صدقے بھی لازم ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حالت احرام میں ٹوتھ پیسٹ کا حکم

ٹوتھ پیسٹ استعمال کر کے حالت احرام میں برش کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: صرف برش استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ٹوتھ پیسٹ میں خوشبو نہ ہو تو اسے بھی دانتوں پر ملنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن عام طور پر ٹوتھ پیسٹ خوشبودار ہوتے ہیں، اس لیے اس کا استعمال ممنوع ہے، اسے استعمال کرنے سے صدقہ واجب ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے: واما اذا خلط بمایستعمل فی البدن کأشنان و نحوه: ففی شرح اللباب عن المنتقی: ان کان اذا نظر الیه قالوا: هٰذا أشنان فعلیه صدقة وان قالوا: هٰذا طیب فعلیه دم۔ اھ (ردالمحتار، ص:۵۷۷، ج:۳، باب الجنایات من کتاب الحج) واللہ تعالیٰ اعلم

احرام میں بام یا وکس لگانے کا حکم

کیا احرام میں بام یا وکس لگا سکتے ہیں؟

الجواب: ٹائیگر بام ہو یا اس جنس کا کوئی اور بام، یا وکس یا اس کا قائم مقام کیب سول اسے پیشانی اور ناک وغیرہ پر لگانا مکروہ ہے۔ پھر اگر کسی نے اس مقدار میں بام وغیرہ لگایا کہ دیکھنے والے یہ محسوس کریں کہ اس نے خوشبو لگائی ہے تو اس پر دم واجب ہے اور اگر دیکھنے والے خوشبو نہ کہیں، بلکہ بام یا وکس وغیرہ کہیں تو صرف صدقہ ہے۔

ردالمحتار میں ہے: واما اذا خلط بمایستعمل فی البدن کأشنان ونحوه: فی شرح اللباب عن المنتقیٰ: ان کان اذا نظر الیه قالوا: هٰذا أشنان فعلیه صدقة وان قالوا: هٰذا طیب علیه دم۔ اھ

اشنان گھاس یا اس طرح کی کسی چیز میں خوشبو ملا کر بدن پر لگایا تو شرح لباب میں منتقی کے حوالے سے ہے کہ دیکھنے والے اگر یہ کہیں کہ یہ اشنان ہے تو اس پر صدقہ ہے اور اگر یہ کہیں کہ یہ خوشبو ہے تو اس پر دم ہے۔ (ردالمحتار، ص:۵۷۷، ج:۲ باب الجنایات من کتاب الحج) واللہ تعالیٰ اعلم

مسائل زکاۃ

زکاۃ مقروض پر واجب ہے یا قرض دینے والے پر؟

(۱) اگر کسی بھائی کو پچاس ہزار روپے کی ضرورت پڑی اور اس کے پاس اگر کھیت ہے تو اس کھیت کو وہ پچاس ہزار روپے میں گروی رکھتا ہے، تو کیا اس کھیت کو ہم گروی لے سکتے ہیں اور انھوں نے کوئی شرط نہیں رکھی ہے۔

(۲) جو کھیت ہم نے گروی لیا ہے اس کھیت میں ہم نے فصل کی اور اس نے جتنا روپیہ دیا تھا اس

سے زیادہ اناج تیار ہوا تو کیا اس کا کھیت واپس کر دیں یا جب تک پچاس ہزار روپے واپس نہ لے لیں، اس کا کھیت اپنے پاس رکھیں؟

(۳) جو کھیت گروی رکھتے وقت اس نے ہم سے یہ شرط رکھی تھی کہ ہم تین چار پانچ سال میں اس کا پچاس ہزار روپے واپس کر کے ہم اپنا کھیت چھڑا لیں گے اور جو اس نے شرط رکھی تھی اس کے مطابق اس کے پاس پچاس ہزار روپے نہ ہوا اور اس نے ہم کو نہ دیا تو کیا ہم اس کھیت میں فصل کر سکتے ہیں یا ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

(۴) اگر کسی کا کھیت ہم نے پچاس ہزار میں گروی لیا اور وہ پچاس ہزار ہمارا رکھا ہے، جب تک وہ ایک دو تین چار پانچ سال تک ہمیں نہ دے تو کیا اس پچاس ہزار روپے پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب : (۱،۲،۳،۴) کسی مسلمان کو پچاس ہزار یا اس سے کم یا زیادہ روپے قرض دے کر اس کی زمین گروی لینا تا کہ اپنا قرض واپس ہونے کا اطمینان رہے جائز ہے۔ ارشاد باری ہے: ”**فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ**“ مگر اس زمین یا کھیت سے فائدہ اٹھانا سود ہے جو حرام و گناہ ہے۔ چاہے وہ فائدہ اس سے فصل اگا کر ہو یا کسی اور ذریعہ سے ہو حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”**کل قرض جرّ منفعة فهو ربا**“ **رواه الحارث فی مسنده عن علی رضی الله تعالیٰ عنه**۔

قرض کی وجہ سے جو کچھ بھی نفع حاصل لیا جائے وہ سود ہے۔ (مسند حارث) اس لیے یا تو کھیت گروی نہ لیں یا لیں تو ایک امانت کی حیثیت سے اسے محفوظ رکھیں اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھائیں۔ اور یہ پچاس ہزار روپے چوں کہ دوسرے کے ذمہ قرض ہیں جو قرض دینے والے کی ملکیت ہیں اس لیے ان روپیوں کی زکاۃ سال بہ سال اس پر فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

زکاۃ کی حقیقت کیا ہے؟

خدائے بے نیاز نے اپنے محتاج اور فقیر بندوں کے لیے اغنیا کے مال میں تھوڑا سا حصہ مقرر کیا ہے تا کہ اس سے ان کی ضروریات پوری ہوں اور اغنیا کا مال بھی ستھرا اور بابرکت ہو جائے۔ اسی مخصوص مال کا نام شرعاً زکاۃ ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ عزوجل نے اس حقیقت کا انکشاف یوں فرمایا ہے:

''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنَ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ''

صدقات فقرا و مساکین کے لیے ہیں اور ان کے لیے جو اس کام پر مقرر ہیں اور وہ جن کے قلوب کی تالیف مقصود ہے، اور گردن چھڑانے میں اور تاوان والے کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لیے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اور علم و حکمت والا ہے۔ احادیث نبویہ میں بھی اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند یہ ہیں:

امام احمد نے بروایت ثقات انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ''اپنے مال کی زکاۃ نکالو کہ وہ پاک کرنے والی ہے، تجھے پاک کردے گی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو اور مسکین اور پڑوسی اور سائل کا حق پہچانو۔''

ابوداؤد نے حسن بصری سے مرسلا اور طبرانی و بیہقی نے ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ حضور فرماتے ہیں: ''زکاۃ دے کر اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں کر لو اور اپنے بیماروں کا علاج صدقہ سے کرو اور بلا نازل ہونے پر دعا و تضرع سے استعانت کرو۔''

نیز طبرانی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ فرماتے ہیں ﷺ: ''قیامت کے دن تونگروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھوں سے خرابی ہے۔ محتاج عرض کریں گے ہمارے حقوق جو تو نے ان پر فرض کیے تھے انھوں نے ظلماً نہ دیے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کہ تمھیں اپنا قرب عطا کروں گا اور انھیں دور رکھوں گا۔''

فقہا فرماتے ہیں: زکاۃ کے مصارف سات ہیں: فقیر، مسکین، عامل، رقاب، غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل۔ مولفۃ القلوب کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور رقاب اب پائے نہیں جاتے اس لیے کل مصارف صرف ٦ رہ گئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

زکاۃ کی رقم میں فقرا و مساکین کو مالک بنانا ضروری ہے

کیا زکاۃ کی رقم میں فقرا و مساکین کو مالک بنانا ضروری ہے؟

الجواب: جب زکاۃ کی رقم فقیر یا مسکین کے ہاتھ میں پہنچ جائے اور ساتھ ہی اسے مالک بھی بنادیا جائے تو مانا جائے گا کہ زکاۃ ادا ہوگئی، ہاں! جن فقرا و مساکین کو شریعت نے زکاۃ دینے سے منع کیا ہے انھیں نہ دیں ورنہ زکاۃ ادا نہ ہوگی، جیسے سید، ہاشمی، ماں باپ، بیٹا، بیٹی وغیرہ اصول و فروع کہ یہ زکاۃ کے حق دار نہیں۔ جوہرہ تنویر اور عالم گیری میں ہے: زکاۃ ادا کرنے میں یہ ضروری ہے کہ جسے دیں، مالک بنا دیں، اباحت کافی نہیں۔ لہٰذا مال زکاۃ مسجد میں صرف کرنا یا اس سے میت کو کفن دینا یا میت کا دین ادا کرنا یا غلام آزاد کرنا، پل، سرائے، سقایہ، سڑک بنوا دینا، نہر یا کنواں کھودوا دینا، ان افعال میں خرچ کرنا یا کتاب وغیرہ کوئی چیز خرید کر وقف کر دینا کافی نہیں ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''مصرف زکاۃ ہر مسلمان حاجت مند جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب (فارغ عن لحوائج الاصلیہ) پر دسترس نہیں، بشرطے کہ نہ ہاشمی ہو، نہ اپنا شوہر، نہ اپنی عورت اگر چہ طلاق مغلظہ دے دی ہو جب تک عدت سے باہر نہ آئے، نہ وہ جو اپنی اولاد میں ہے جیسے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی۔ اگر چہ اصلی اور فروعی رشتے عیاذاً باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگر چہ مکاتب ہو، نہ ہی کسی غنی کا غلام غیر مکاتب، نہ مرد غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ اور مسلمان حاجت مند کہنے سے کافر وغنی پہلے ہی خارج ہو چکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکاۃ جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا۔'' واللہ تعالیٰ اعلم

زکاۃ کے ضروری مسائل

سوال: میڈیکل عصری تعلیم اور ہاؤسنگ کے لیے مستحق فقرا کو زکاۃ دے سکتے ہیں؟

میڈیکل، دنیوی تعلیم، ہاؤسنگ کے لیے اشتہار کرکے کیا زکاۃ فنڈ وصول کیا جا سکتا ہے؟ مانگنے والے نے میڈیکل، تعلیم یا ہاؤسنگ کے لیے زکاۃ مانگی ہے۔ زکاۃ دینے والا اس طرح ان امور کے لیے زکاۃ دے سکتا ہے؟ ان میں سے کسی کام کے لیے خاص طور پر زکاۃ وصول کی جا سکتی ہے؟ اور کیا دینے والا اسی خاص کام کی

شرط پر دے سکتا ہے؟

الجواب : میڈیکل اور دنیوی تعلیم اور ہاؤسنگ کے لیے خود زکاۃ کے حق دار فقرا و مساکین کو زکاۃ دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنی جس صورت میں چاہیں صرف کریں۔ اور زکاۃ کا فنڈ قائم کر کے ان مقاصد کے لیے زکاۃ وصول کرنا جائز نہیں کہ قرآن وحدیث میں زکاۃ کے جو مصارف بیان کیے گئے ہیں، یہ ان میں سے نہیں ہے۔ ہمارے علما نے اب زکاۃ وصدقات واجبہ کا بیت المال قائم کرنے سے بھی منع فرما دیا ہے۔ جیسا کہ مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ کے فقہی سمنار میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔

زکاۃ کل ڈھائی فیصد نکلتی ہے۔ جب کے مالک کے پاس ساڑھے ستاون فیصد محفوظ رہتا ہے۔ اغنیا اور مسلم رہنماؤں کو چاہیے کہ اسی ساڑھے ستاون فیصد سے معمولی حصہ درج بالا امور کے لیے خاص کر دیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو قوم مسلم کے بہت سے ملی، سماجی اور نجی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

سوال : ضرورت کا اعتراف کرنے والے کو زکاۃ دے سکتے ہیں؟ دوا لینے کے لیے آنے والا ضرورت مند کہے کہ میں زکاۃ کا مستحق ہوں تو کیا اس کی بات پر یقین کر کے اس کو حق دار مان لیا جائے گا؟

الجواب : زکاۃ دینے والا دل میں اچھی طرح غور کرے، اگر اس کا دل اس پر جمے کہ وہ سچا ہے تو اسے زکاۃ کا حق دار مان کر زکاۃ دے سکتا ہے۔ عالم گیری وغیرہ میں ہے: ''جس نے تحری کی، یعنی سوچا اور دل میں یہ بات جمی کہ اس کو زکاۃ دے سکتے ہیں اور زکاۃ دے دی، بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مصارف زکاۃ ہے یا کچھ حال نہ کھلا تو ادا ہو گئی۔ اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غنی تھا۔ یا اپنی اولاد تھی، یا شوہر تھا جب بھی ادا ہو گئی''۔

اور یہ بھی تحری ہی کے حکم میں ہے کہ اس نے سوال کی اور اس نے اسے غنی نہ جان کر دے دیا، یا وہ فقیروں کی جماعت میں انھیں کی وضع میں تھا، اسے دے دیا تو بھی زکاۃ ادا ہو گئی۔ (عالم گیری، درمختار، ردالمحتار۔ بہارِ شریعت، ص:۶۴، حصہ:۵، مصرف زکاۃ)

سوال : کیا باپ اپنی بیٹی کو زکاۃ دے سکتا ہے؟

الجواب: باپ اپنی بیٹی کو زکاۃ نہیں دے سکتا، دے گا تو زکاۃ نہ ادا ہوگی۔ اگر بیٹی اور داماد بہت غریب اور زکاۃ کے حق دار ہوں تو داماد کو زکوۃ دے سکتے ہیں، پھر وہ چاہے تو اپنے اوپر اور اپنی بیوی کی ضروریات میں صرف کرے۔ (درالمختار، ص:۶۹، ج:۲، کتاب الزکاۃ) واللہ تعالی اعلم

بھٹے کے لیے خریدی گئی مٹی پر زکاۃ کب واجب ہوگی؟

جو لوگ اینٹ کا بھٹہ چلاتے ہیں وہ مختلف لوگوں سے اس کے کھیت کی مٹی خرید لیتے ہیں اور دام بھی ادا کردیتے ہیں پھر بعد میں حسب ضرورت طے شدہ فٹ کی مقدار منگاتے رہتے ہیں سال پورا ہونے پر ایسی مٹی کی زکاۃ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: مٹی کی یہ خرید و فروخت صحیح ہے، البتہ اس پر خریدار کا قبضہ اس وقت متحقق ہوگا جب مٹی نکلوالے۔ ہدایہ میں ہے: ولو أمره (أي المشتري البائع) في الشرى ان يكيله في غرائر البائع ففعل، لم يصر قابضا لانه استعار عن غرائره لم يقبضها، فلا تصير الغرائر في يده، فكذا مايقع فيها وصار كمالو أمره ان يكيله ويعزله في ناحية من بيت البائع لاالبيت بنواحيه في يده فلم يصر المشتري قابضا۔ مشتری نے اپنے بائع کو حکم دیا کہ وہ بیچے ہوئے گیہوں کو ناپ کر اپنے بورے میں رکھ دے اور اس نے وہ گیہوں ناپ کر اپنے بورے میں رکھ دیا تو یہ قابض نہ ہوگا کیوں کہ اس نے بورے اپنے بائع سے عاریۃً لیے ہیں اور ان پر قبضہ نہیں کیا ہے لہٰذا جو گیہوں ان بوریوں میں ہے ان پر بھی اس کا قبضہ نہ ہوا۔ جیسے مشتری اپنے بائع سے یہ کہتا کہ وہ گیہوں کو ناپ کر الگ کرکے اپنے گھر کے گوشے میں رکھ دے تو یہ قابض نہ ہوگا کیوں کہ گھر اپنے تمام اطراف کے ساتھ بائع کے قبضے میں ہے، لہٰذا مشتری قابض نہ ہوا۔ (ہدایہ، ص:۸۲، ج:۳ باب السلم مجلس البرکات) گیہوں بائع ہی کے گھر میں الگ کرکے رکھا ہو خواہ اس کے بورے میں گیہوں ہو یا یوں ہی کسی گوشے میں سمٹ دیا گیا ہو تو اس پر مشتری کا قبضہ متحقق نہیں ہوتا تو مٹی جو بائع کے کھیت سے ابھی الگ ہی نہیں کی گئی اس پر بدرجۂ اولیٰ مشتری کا قبضہ متحقق نہ ہوگا۔ اور زکاۃ کے وجوب کے لیے قبضۂ تام ضروری ہے، لہٰذا جس وقت بھٹہ

مالک کا اس پر قبضہ ہوگا، اس پر اپنے شرائط کے ساتھ زکاۃ فرض ہوگی۔ اور جب تک اس پر اس کا قبضہ نہ ہوگا اس کی زکاۃ بھٹہ مالک پر فرض نہ ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

اسکول، کالج اور دنیاوی تعلیم کے مدمیں زکاۃ کی رقم صرف کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

ہم چند احباب مل کر ایک انجمن چلاتے ہیں جو آٹھویں جماعت سے لے کر ڈاکٹری اور انجینئرنگ کے طلبا و طالبات کی دنیاوی اعلیٰ تعلیم تک کی فیس کی اعانت کرتے ہیں اور ان کے اسکول، کالج کی فیس چیک کی شکل میں ان کے متعلقہ ادارے کو بھجوا دیتے ہیں اس کے لئے ہم جو روپے جمع کرتے ہیں اس کا اکثر حصہ زکاۃ کا ہوتا ہے، جو ہم حیلۂ شرعی کروا کر اکاؤنٹ میں جمع کر دیتے ہیں اور ضرورت کے لحاظ سے چیک دیتے ہیں، جن بچوں کو یہ فیس کی رقم دی جاتی ہے، ان کے والدین کی مالی استطاعت اتنی نہیں ہوتی کہ وہ یہ خرچ برداشت کر سکیں اور صرف آٹھویں جماعت کے بچے ایسے ہوتے ہیں، جن میں کچھ بالغ اور کچھ نابالغ ہوتے ہیں، باقی ساری جماعتوں کے طلبہ یا طالبات بالغ ہوتے ہیں اب آپ سے دریافت طلب امور مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کیا زکاۃ کی رقم حیلۂ شرعی کروانے کے بعد دُنیاوی تعلیم کی مد میں خرچ کر سکتے ہیں؟

(۲) کیا یہ کام کہ قوم دنیاوی معاملات میں کسی سے پچھڑ نہ جائے، مولیٰ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ نہ ہوگا؟

(۳) بالغ و نابالغ بچوں کے معاملات میں اگر کوئی فرق ہو تو ازراہ کرم اسے بھی واضح فرمادیں؟

(۴) کیا اس رقم سے اسکول کے لیے زمین یا عمارت خریدی جا سکتی ہے؟

(۵) اگر سوال نمبر (۱) اور (۴) کا جواب نفی میں ہو تو پہلے خرچ شدہ روپے کا کیا ہوگا؟ یعنی اس کے احکام زکاۃ دہندگان پر ہونگے یا انجمن پر؟ جب کہ انجمن کہاں خرچ کرتی ہے یہ چندہ دہندگان جانتے ہیں؟

الجواب: (۱) زکاۃ دراصل مسلم فقرا اور مساکین کا حق ہے۔ قرآن مجید میں ہے: **اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ** ۔ اس لیے اسکول یا کالجوں کے مد میں یا دنیاوی تعلیم کے مد میں اسے صرف کرنا فقرا اور مساکین کی حق تلفی ہے، جو حرام وگناہ ہے۔ اور اس کے لئے حیلۂ شرعی کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ کیونکہ حیلۂ شرعی کرنے کی اجازت انتہائی مجبوری اور اضطرار کی صورت میں علوم دینیہ سے ہے اور نہ امور قربت سے، مدارس دینیہ میں صرف کرنے کی اجازت اس وجہ سے ہے کہ آج کے دور میں دینی علوم سے بے رغبتی اور بے توجہی عام ہے۔ صرف عطیات کے بل بوتے دینی علوم کو محفوظ نہیں رکھا جا سکتا اور مدارس ضائع ہو جائیں گے، تو یہ صورت علوم دینیہ کی حفاظت کے لیے انتہائی مجبوری اور اضطرار کی ہوئی، ساتھ ہی علوم دینیہ کا تحفظ اہم اور قربت سے ہے اس لیے یہاں حیلۂ شرعیہ کی اجازت ہوئی۔ شریعت کا ضابطہ کلیہ ہے "**الضرورات تبیح المحظورات**" الاشباہ والنظائر، ص: ۲۵۱، ج: ۱، دار الکتب العلمیہ بیروت) اس کے برخلاف دنیوی تعلیم کا تحفظ نہ امور قربت سے ہے اور نہ ہی اس کے لیے اضطرار کی صورت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا دنیاوی تعلیم کے لئے نہ حیلہ کریں اور نہ ہی اُسے اس طرح کے اُمور میں صرف کریں۔

ہاں یہ اجازت ہے کہ طالب علم عاقل بالغ ہو اور ساتھ ہی فقیر یا مسکین ہو تو بزاہ راست زکاۃ کی رقم کا مالک بنا دیں اور اس سے گزارش کریں کہ وہ یہ رقم اپنی تعلیم میں صرف کرے، اس کے سوا ہرگز کوئی راہ نہ اپنائیں۔ مثلاً چیک یا ڈرافٹ بنا کر اسکول میں بھیج دیں۔

الجواب: (۵/۱) یہ جذبہ بہت مستحسن ہے کہ اپنی قوم کے بچوں کا مستقبل سنوارا جائے تا کہ اپنی قوم زندگی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہ جائے، مگر یہ عمل بہت برا ہے کہ اس جذبۂ خیر کی تکمیل کے لیے اپنی نجی رقوم کو صرف کرنے میں بخل کیا جائے اور غرباء و مساکین کا مال اس میں صرف کر کے ان بے سہاروں کی حق تلفی کی جائے۔ ہماری قوم کا المیہ یہ ہے کہ ڈھائی فیصد رقم سے دنیا و آخرت کے ہر کام کر لینا چاہتی ہے اور ساڑھے ستانوے فیصد رقم اپنے پاس رکھ کر بھی آسودہ نہیں ہوتی ہے۔ اسلام نے دو نظام قائم کئے ہیں نظامِ زکاۃ وصدقات اور نظامِ عطیات۔ اور زکاۃ وصدقات واجبہ مفلسوں اور ناداروں کو اُوپر اُٹھانے کے لئے ہیں۔ اور عطیات، جنہیں صدقۂ نافلہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرے بہت سے امدادی اور

فلاحی کاموں کے لیے، اس لیے اہل خیر وارباب ثروت سے چندہ کر کے امدادی اور فلاحی کاموں کو انجام دیا جائے۔اب تک جو زکاۃ کی رقم دنیاوی کاموں میں صرف ہو چکی ہے اگر کسی فقیر کے ذریعہ حیلہ کے بعد صرف ہوئی ہیں تو ان کا تاوان ذمہ میں واجب نہیں، گوایسا کرنا برا ہے۔اس طور پر دنیاوی تعلیم میں زکاۃ کی رقم صرف کرنے والے توبہ کریں اور آئندہ بچیں۔مزید تحقیق و تفصیل کے لئے مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے فیصلے جو ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہو چکے ہیں مطالعہ کریں۔واللہ تعالی اعلم

مچھلی پکڑنے کے جہاز پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام:(۱) مچھلی پکڑنے والے جہاز پر زکاۃ شرع کی طرف سے فرض ہے یا نہیں جس کے مالک پر بیوپاری کا کوئی قرض نہیں ہے۔

(۲) اگر فرض ہے تو جہاز کے ساتھ جو ملحقہ چیزیں ہیں مثلاً جال وغیرہ کہ جن کا استعمال مچھلی پکڑنے کے لیے کیا جاتا ہے اس پر بھی زکاۃ فرض ہے یا نہیں؟

(۳) اور جس جہاز پر اس کی قیمت کی مقدار کا قرض ہے مثلاً چار لاکھ روپیہ کا جہاز ہے اور چار لاکھ روپے یا اس سے بھی زیادہ کا قرض ہے لیکن اس سے مچھلی پکڑنے کا کاروبار جاری ہے تو کیا مذکورہ جہاز پر بھی زکوۃ فرض ہے۔

(۴) اور بصورت دیگر اگر جہاز چار لاکھ روپیوں کا ہے اور اس کا قرض دو لاکھ یا تین لاکھ روپیوں کا ہے اور جہاز بند پڑا ہے تو کیا اس پر بھی زکاۃ فرض ہے؟

الجواب: (۱ تا ۴) زکاۃ فرض ہونے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ مال حاجت اصلیہ سے نہ ہو۔یعنی ایسا مال نہ ہو جس کی زندگی گزارنے میں آدمی کو ضرورت پیش آتی ہے اور ظاہر ہے کہ کمائی کے آلات کی زندگی گزارنے میں ضرورت ہے تو مچھلی پکڑنے کا جہاز حاجت اصلیہ کے اسباب سے ہے اس لیے اس پر زکاۃ نہیں ہے۔خواہ اس کے مالک پر بیوپاری کا قرض ہو یا نہیں اور قرض ہو تو تھوڑا ہو یا زیادہ۔ فتاوی عالمگیری میں شرائط وجوب زکاۃ کی بحث میں ہے: **ومنها فراغ المال عن حاجته الاصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن ودواب الركوب زكاة، وكذا الات المحترفين**

کذا فی السراج الوهاج۔ اھ ملتقطا (ص: ۱۷۳۰ج: ا۔ الباب الاول من کتاب الزکاۃ، دارالکتب العلمیہ)
اس تصریح کی بنا پر چاروں صورتوں میں مچھلی پکڑنے والے جہاز پر زکاۃ واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

زکاۃ کے چند ضروری مسائل

(۱) میں نے کسی کو کچھ روپے ادھار دیے ہیں، جواب تک واپس نہیں ملے، کیا ان روپیوں پر زکاۃ ادا کرنی ہوگی؟

(۲) میں نے تین سال پہلے ایک زمین خریدی تھی۔ اس نیت سے کہ اگر اچھی قیمت ملے گی تو اسے بیچ دوں گا، تو کیا اس پر بھی زکاۃ دینی ہوگی، اگر ہاں تو کسی قیمت کے لحاظ سے، جس قیمت میں زمین خریدی گئی تھی، اس قیمت میں یا پھر موجودہ وقت میں جو زمین کی قیمت ہیں، اس قیمت کے لحاظ سے؟

(۳) میں نے اس زمین کا ایک حصہ بھی بیچ دیا ہے جس کی پوری قیمت مجھے ابھی نہیں ملی ہے، جو پیسے باقی ہیں کی اس پر بھی زکاۃ دینی ہوگی؟

(۴) میں نے ایک گاڑی اپنے استعمال کی نیت سے خریدی تھی، اسے بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن اب میں اسے بیچنا چاہتا ہوں، اب تک بیچی نہیں ہے تو کیا اس پر بھی زکاۃ دینی ہوگی؟

(۵) سونے پر جو زکاۃ ہے وہ صرف اس کی اصل قیمت پر ہے یا پھر مزدور کی مزدوری وغیرہ سب ملا کر جو قیمت ہوگی اس کے حساب سے زکاۃ دینی ہوگی؟

الجواب: (۱) جسے آپ نے روپے قرض دیے ہیں وہ اگر آپ کے قرض دینے کا اقرار کرتا ہے یا آپ کے پاس قرض دینے پر شرعی گواہ ہیں تو آپ پر مالک نصاب ہونے کی صورت میں اس سرمایہ قرض کی بھی زکاۃ فرض ہے۔ اس کی زکاۃ ادا کرتے ہیں۔

(۲) بیچنے کے لیے جو زمین خریدی جاتی ہے وہ اچھی قیمت ملنے پر ہی بیچی جاتی ہے، اگر خریدار کا یہ پکا ارادہ ہو کہ اچھا دام ملنے پر وہ زمین کو بیچ دے گا، اور اسی لیے اس نے خریدا تو وہ زمین مال تجارت ہے اور دیگر اسباب تجارت کی طرح اس کی زکاۃ بھی فرض ہے، آپ چاہیں تو زمین کی زکاۃ زمین سے ہی نکالیں اور چاہیں تو سال زکاۃ پر نرخ بازار سے اس کی جو مالیت ہو اس کی زکاۃ روپے سے ادا کریں۔ اعتبار ہر سال

کی موجودہ مالیت کا ہے، یعنی مارکیٹ ویلو کا۔

(۳) جو زمین آپ نے بیچ دی ہے اس کی زکاۃ زمین کے دام پر واجب ہوگی، اس دام پر بھی جو وصول ہو چکا ہے اور اس دام پر بھی جو خریدار کے ذمہ باقی ہے، آپ پورے دام کی زکاۃ ادا کریں۔

(۴) اپنے استعمال رکھنے کی نیت سے جو گاڑی خریدی اس پر زکاۃ نہیں گو اب آپ کا ارادہ اس کو بیچنے کا ہو، ہاں جب وہ گاڑی فروخت ہو جائے تو اس کے دام پر زکاۃ واجب ہوگی کہ روپے ثمن ہیں اور ثمن پر زکاۃ شرعاً واجب ہے۔

(۵) سونے چاندی کے زیورات کی زکاۃ سونے چاندی ہی پر ہے، زیورات بنانے کی مزدوری اس میں شامل نہ ہوگی۔ نرخ بازار سے زیورات کے سونے چاندی کی سال زکاۃ پر جو قیمت ہو اس قیمت کے لحاظ سے زیورات کا واجبی دام جوڑ لیں، پھر اس کی زکاۃ نکالیں، رہی مزدوری، وہ نہ سونا ہے نہ چاندی، اس کا اس میں شمار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ایل آئی سی کی رقم میں زکاۃ کا حکم

مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ .LIC,C.P.F اور ایریر پر بھی زکاۃ کا حکم ہے۔ اب معلوم ہوا تو ۱۹۷۵ء سے لے کر جون ۲۰۰۶ء تک کا ایریر LIC اور C.P.F کی پوری تفصیل پیش کر رہا ہوں، اس کے بارے میں بتائیں کہ ان رقوم پر مجھے کتنی زکاۃ دینی ہوگی؟

الجواب: C.P.F اور LIC وغیرہ رقوم کا جو تفصیلی چارٹ پیش کیا ہے وہ کچھ پیچیدہ اور وقت طلب ہے۔ آپ ہر سال کا ٹوٹل خود تیار کریں، جب تمام سالوں کی رقوم کا ٹوٹل الگ الگ تیار ہو جائے تو پہلے سال کے ٹوٹل میں سے اس کی زکاۃ ڈھائی فی صد نکالیں، مثلاً پہلے سال کا ٹوٹل ہے بارہ سو روپے اور دوسرے سال کا ٹوٹل ہے دو ہزار پچیس روپے۔ پہلے سال کے ٹوٹل کی زکاۃ تیس روپے ہوئی، وہ تیس روپے دوسرے سال کے ٹوٹل سے گھٹا دیں تو دوسرے سال کا باقی ٹوٹل ایک ہزار نو سو پچانوے روپے ہوگا، اب اس کی زکاۃ تقریباً پچاس روپے ہیں وہ پچاس روپے تیسرے کے ٹوٹل سے گھٹا کر بقیہ کی زکاۃ نکالیں، اسی طرح تمام گزشتہ سالوں کی زکاۃ ادا کریں۔

ہمارے پاس نہ تو پچھلے سالوں کا چاندی کا ریٹ ہے اور نہ ہی یہ معلوم کہ ان سالوں میں کتنے روپے پر زکاۃ فرض ہوتی تھی، اور نہ یہ معلوم کہ آپ مالک نصاب تھے یا نہیں، لیکن عبادات میں احتیاط پر عمل واجب ہے، ممکن ہے کہ ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۶ء، میں بارہ سو روپے پر ۵۶ روپے، پھر چاندی کا نصاب زکاۃ پورا ہو جاتا ہو، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ۱۹۷۵ء سے لے کر آج تک کے تمام سالوں کی زکاۃ درج بالا طریقے پر ادا کریں۔

اگر بالفرض ان دنوں میں آپ پر زکاۃ فرض نہ رہی ہو تو یہ آپ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صدقہ ہوگا، جو ثواب کے ساتھ ساتھ فوائد اور برکات کا وسیلہ ہوتا ہے، پھر دل کو بھی اطمینان حاصل ہوگا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ حق مال کو ضرور ادا کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اجارے کی ایک ناجائز صورت اوراس کا حکم شرعی اورزکاۃ کسی بھی اچھے نام سے دے سکتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید جو ایک غریب مفلس ہے اور یہ واضح ہے کہ اسے زکاۃ دینا شرعاً درست ہے۔ زید اپنی مفلسی کی وجہ سے اپنی مزدوری کبھی اپنے منہ نہیں بتاتا ظاہر ہے لوگ اس کا کام اور وقت دیکھ کر اس کی مزدوری دے دیتے ہیں۔ مگر روپیہ کا تعین خود کر لینا کہ زید کی مزدوری اتنے روپے ہوئی اور اس میں اتنے روپے زکوۃ کی ملا دے پھر زید کو دیدے زید یہ سمجھ رہا ہے کہ میری سب مزدوری ہے جو واقعی کام کے لحاظ سے زیادہ ہے۔ یا پھر مناسب ہے اسے اس بات کا علم نہیں کہ میری مزدوری میں زکاۃ بھی ملی ہوئی ہے۔

ا۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کو یہ بتانا لازمی ہے کہ ہم نے اس کی مزدوری اتنے روپے مقرر کی ہے اور اتنے روپے زکاۃ ملائی ہے یا خود اپنی مرضی سے تعین کر لیں صحیح صورت سے شرعی روشنی میں آگاہ کریں؟

دوسری صورت یہ کہ اگر زید اپنی مزدوری خود متعین کر دے تو ہم اپنی مرضی سے زکاۃ ملا سکتے ہیں یا نہیں جیسے اگر زید اپنی مزدوری ۱۰۰ روپے بتاتا ہے ہم نے اسے ۷۵ روپیہ زکوۃ اور ۲۵ روپیہ مزدوری مان کر

۱۲۵ اروپیہ دے دیں یہ سوچ کر کہ غریب سے ایسا کرنا درست ہے یا نہیں۔ دونوں صورت میں حکم شرعی سے آگاہ کریں۔

الجواب: اجارے کا یہ طریقہ غلط ہے کہ مزدور کی مزدوری معلوم و متعین نہ ہو۔ کیوں کہ اس کے باعث کبھی بھی فریقین کے درمیان نزاع پیدا ہوسکتا ہے۔ شریعت طاہرہ نے اجارے کے جو اصول مقرر کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مزدوری معلوم و متعین ہو، ورنہ اجارہ فاسد و ناجائز ہوگا۔

اجارہ فاسد ہو تو مزدور کو اجرت مثل ملتی ہے یعنی اس جیسے مزدور کو اس جیسے کام پر جو مزدوری ملتی ہے وہ ملے گی۔ یہ اس کا حق ہے۔

ان امور کو ذہن نشین کر کے اب اصل جواب ملاحظہ فرمایئے۔

زکاۃ کی ادائیگی کے لیے شرط یہ ہے کہ محتاج مسلمان کو زکاۃ کی نیت سے مال زکاۃ کا مالک بنا دیں۔ وبس۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں کہ محتاج کو اس کا مال زکاۃ ہونا معلوم ہو۔ اور نہ ہی یہ شرط کہ زکاۃ کہہ کر وہ مال دیا جائے کسی بھی مناسب نام سے یہ مال دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً تحفہ، ہدیہ، نذرانہ، انعام، عیدی وغیرہ مختصر یہ کہ لفظ جو بھی ہو نیت خالص زکاۃ کی ہونی چاہیے۔ تنویر الابصار میں ہے: **الزكوة تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى.**

درمختار میں ہے: **"لله تعالى" بيان لاشتراط النية.اه**

شامی میں ہے: **لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة أو قرضاً تجزيه في الأصح.اه**

وفي غمز العيون: العبرة لنية الدافع، لا لعلم المدفوع اليه.اه

(ترجمہ) زکاۃ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے بندے کے مال میں جو خاص حصہ فقرا کے لیے معین کیا ہے اسے مسلمان فقیر کو اللہ کی رضا کے لیے دے کر مالک بنا دیا جائے اور اس سے اپنی کوئی منفعت قطعی وابستہ نہ رکھی جائے، زکاۃ کی ادائیگی کے لیے دیتے وقت نیت زکاۃ شرط ہے، ہاں زکاۃ بتا کر دینا شرط نہیں، نہ اس کا شرعاً کوئی اعتبار۔ لہٰذا اگر ہبہ یا قرض وغیرہ کہہ کر دیا تو بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی، غمز العیون میں ہے کہ اعتبار زکاۃ دینے والے کی نیت کا ہے، اس کا اعتبار نہیں کہ فقیر کو اس کا زکاۃ ہونا معلوم ہو۔

لہٰذا جتنی رقم زکوۃ کی نیت سے زید کو دی جائے گی اتنی تو زکوۃ میں ہی شمار ہوگی، یعنی دینے والے

کی طرف سے اتنی زکوۃ ادا ہوگئی خواہ وہ کسی بھی نام سے دے، لیکن مزدوری کی نیت سے جو رقم دی ہے وہ اگر اجرت مثل سے کم ہے مثلاً اجرت مثل ۸۰ روپے ہوئے اور دیا ۷۵ روپے۔ تو پانچ روپے اس کے ذمہ مزید واجب الادا ہوں گے۔ اگر نہیں دے گا گنہگار ہوگا۔ حق العبد اس کے ذمہ لازم رہے گا اور اس کی وجہ سے قیامت کے روز عذاب جہنم کا سزاوار بھی ہوگا۔

مزدور اور مالک پر لازم ہے کہ پہلے مزدوری مقرر کریں۔ تا کہ اجارہ کا معاملہ جائز ہو سکے اب مالک کو اختیار ہے کہ اس مقررہ مقدار پر زکوۃ کی نیت سے جتنی بھی رقم فاضل دینی چاہے دے گو مزدوری ہی کے نام سے دے اس طرح مزدوری بھی ادا ہو جائے گی اور فاضل رقم کی مقدار زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ نیز اجارہ کا معاملہ بھی جائز ہوگا۔

(۲) زید نے اپنی مزدوری جتنی متعین کی ہے اس پر مالک بھی راضی ہے یا نہیں اگر راضی ہے تو اس کی مزدوری سو روپے ہوئی، اور اجارہ جائز و درست ہوا، اور زکاۃ کے تعلق سے اس صورت کا حکم بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ سو روپیہ میں جتنی رقم زکوۃ کی نیت سے دے گا۔ مثلاً: پچھتر روپے، اتنی زکاۃ میں محسوب ہوگی اور بقیہ رقم مثلاً پچیس روپے مزدوری میں۔ اور چونکہ مزدوری سو روپے ہے اس لیے پچھتر روپے مزید مالک کے ذمہ واجب الادا رہیں گے، جب تک ادا نہ کرے گا حق العبد سے بری نہ ہوگا۔

اور اگر مالک زید کی معین کی ہوئی مزدوری پر راضی نہیں ہے تو دونوں کو پہلے بات چیت کر کے مزدوری طے کرنی چاہیے۔ ورنہ اجارہ فاسد ہوگا اور مزدور کے لیے اجرت مثل لازم ہوگی، اس تقدیر پر اجرت میں جو رقم مالک نے دی وہ اگر اجرت مثل سے کم ہے تو بقیہ کی ادائے گی اس پر لازم ہوگی اگر چہ زکاۃ کی نیت سے اس نے اجرت مثل سے کئی گنا زیادہ دیدیا ہو کہ زکوۃ کی نیت سے جو دیا ہے وہ اجرت نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

زکاۃ کی رقم اسکول میں دینا کیسا ھے ؟

ہمارے قصبہ کے کچھ دردمندان قوم وملت نے بچیوں کا ایک اسکول قائم کیا ہے جس میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ (یعنی سرکاری نصاب) دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ آج کا اسکول کا چندہ ہو رہا ہے ایک شخص نے زکاۃ کا روپیہ چندے میں دیا حیلہ شرعی کر کے وہ روپیہ اسکول میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں حکم صادر فرمائیں۔

الجواب : زکاۃ کی رقم کے اصل حقدار فقیر اور مسکین مسلمان ہیں۔قرآن پاک میں ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰکِیۡنِ ۔(التوبہ،آیت:۶۰) تو زکاۃ انہی کو دینے سے ادا ہوگی، اور دوسرے کو دینا ناجائز و گناہ ہوگا۔اس لیے کسی بھی اسکول میں زکاۃ کی رقم دینا جائز نہیں اور نہ ہی اسکول میں دینے سے زکاۃ ادا ہوگی۔

علاوہ ازیں زکاۃ بڑی عظیم قربت و کار ثواب ہے اور دنیوی تعلیم کا کوئی ادارہ یا اسکول قربت و کار ثواب نہیں، بلکہ دیگر دنیوی امور کی طرح سے وہ بھی ایک امر مباح ہے اس حیثیت سے بھی اسکول میں زکاۃ کی رقم دینا جائز نہیں کہ جو چیز قربت کا محل نہیں ہے اس میں صرف کرنے سے قربت کیوں کر ادا ہوگی۔

رہ گیا حیلہ کا معاملہ: تو اسکی اجازت دو شرطوں کے ساتھ دی گئی۔

ایک: یہ کہ غیر مصرف میں زکاۃ لگانے کی حاجت یا ضرورت پائی جائی، یعنی زکاۃ کی رقم استعمال کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو، یا چارہ کار تو ہو مگر سخت حرج اور دشواری کا سامنا کرنا پڑے فقہ کا قاعدۂ کلیہ ہے۔ **الضرورات تبیح المحذورات الحاجة قد تنزل منزلة الضرورة.المشقة تجلب التیسیر** ۔

دوسری شرط: یہ کہ وہ کام فی نفسہ قربت اور ثواب کا کام ہو تا کہ حاجت اور ضرورت کی صورت میں بھی وہ رقم اپنے مثل مصرف میں ہی استعمال ہو۔فقہائے کرام نے جہاں کہیں حیلہ کی اجازت دی ہے وہاں مصرف باب قربت سے ہی ہوتا ہے۔مثلاً فتاوی عالم گیری وغیرہ میں ہے: **فی جمیع ابواب البر کعمارة المساجد و بناء القناطیر الحیلة ان یتصدق بمقدار زکوته علی فقیر ثم یامره با الصرف الی هذه الوجوه** ۔اھ ملتقطا

شامی میں ہے: **ویکون له (ای للمزکی) ثواب الزکوٰة وللفقیر ثواب هذه القرب** ۔ **بحر** اھ (۲/۶۳)

لہذا اگر کہیں حاجت ہو مگر وہ کام ثواب کا نہ ہو، یا کام تو ثواب کا ہو مگر وہاں حاجت شرعیہ نہ ہو تو ان جگہوں پر حیلہ کی اجازت نہ ہوگی، مثلاً تنگدست ماں باپ کی امداد بڑے ثواب کا کام ہے لیکن لڑکا جو صاحب نصاب ہو وہ اپنے پاس سے ان کا تعاون کرسکتا ہے لہذا اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے پاس سے

ان کا تعاون کر سکتا ہے لہذا اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مال زکاۃ کا حیلہ کر کے اسے ماں باپ پر صرف کرے۔ چنانچہ ردالمختار میں ہے: یکرہ ان یحتال فی صرف الزکوٰۃ الی والدیہ المعسرین بان تصدق بھا علی فقیر ثم صرفھا الفقیر الیھما کما فی القنیہ: قال فی شرح الوھبانیۃ وھی شھیرۃ مذکورۃ فی غالب الکتب۔ اھ ملتقطا (۲/۶۳)

مدارس دینیہ میں جو حیلہ کی اجازت دی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں دونوں شرطیں متحقق ہیں مدارس کی تعلیم کا کار ثواب ہونا تو ظاہر ہے کہ ان میں اصل مقصود دینی علوم قرآن وحدیث وفقہ کی تعلیم ہے جو فرض ہے باقی علوم انہیں کے تابع ہیں اور ضمنی طور پر داخل نصاب ہیں کہ ان سے علوم دینیہ کی تحصیل وتفہیم میں مدد ملتی ہے۔ اور حاجت وضرورت کا حال بھی ظاہر ہے کہ اگر حیلہ کی اجازت نہ دی جائے تو عام طور سے یہ مدارس یا تو بند ہو جائیں گے، یا پھر بہت کمزور ہو جائیں گے جن سے علوم دینیہ کے تحفظ وبقا اور اسلام کی نشر واشاعت بخوبی نہ ہو سکے گی۔ کیوں کہ اب قوم مسلم کا یہ حال ہو چکا ہے کہ وہ دین کا ہر کام زکوۃ کے چندہ سے جو صرف ڈھائی فیصد ہے کرنا چاہتی ہے، اور اسی میں انکے ہر دینی مسئلے کا حل ہے اپنے پاس سے عطیہ وچندہ دینے کا مزاج نہ رہا۔ الا یہ کہ اس میں کوئی دنیوی منفعت ہو۔ بلکہ کتنے لوگ تو ایسے ہیں جو صحیح طور پر پوری زکوۃ بھی نہیں نکالتے۔ ایسے ماحول میں مدارس کو چندے پر منحصر کرنا انہیں برباد کر دینے کے مترادف ہوگا۔ لہذا انتہائی مجبوری کی صورت میں جیسے ضرورت شرعیہ کہا جاتا ہے اس کار خیر کے لیے علما نے حیلے کی اجازت دی۔

اس کے برخلاف کالج میں یہ ضرورت متحقق نہیں، اس سے دنیوی مفاد وابستہ ہوتا ہے اور ہر انسان اس کا نفع اپنی آنکھوں کے سامنے دنیا میں ہی دیکھتا ہے یا اسے دیکھنے کا اطمینان ہوتا اس لیے وہ اس کی طرف راغب ہوتا ہے اور دل کھول کر اس کے تعاون میں حصہ لیتا ہے اس کی کھلی ہوئی نظر مسلم یونیورسٹی ہے کہ لوگوں نے حیرت انگیز انداز میں اس کا تعاون کیا کیوں کہ ان کے سامنے دنیا کا سبز باغ تھا۔

حدیث شریف میں ہے: "الدنیا حلوۃ خضرۃ" دنیا میٹھی ہے اور ہری بھری سرسبز ہے۔
(مشکوۃ المصابیح ص ۲۶۷ کتاب النکاح بحوالہ مسلم شریف)

خلاصہ یہ کہ کالج کا کام صرف چندے کے بل بوتے پر بآسانی چل سکتا ہے۔ اس لیے یہاں

ضرورت شرعیہ کیا، حاجت شرعیہ بھی نہیں پائی جاتی۔رہ گئے کالج میں پڑھائے جانے والے علوم،تو ان کی تحصیل شرعی نقطہ نظر سے نہ فرض ہے نہ واجب، بلکہ صرف جائز و مباح ہے ہاں یہ علم دین کے تابع ہوں تو اس کی تحصیل مستحب ہے بلکہ ان میں سے بعض کی تحصیل واجب بھی ہوگی۔لیکن مسئلہ دائرہ میں دینی تعلیم کی حیثیت محض ایک تابع کی ہے تو یہ ضمنی تعلیم ہوئی۔اصل مقصود عصری علوم کی تعلیم ہے۔اس لیے اس کی حیثیت محض مباح کی ہے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہاں حیلے کے جواز کی دونوں ہی شرطیں مفقود ہیں اس لیے مذکورہ کالج میں زکوۃ کی رقم کا استعمال جائز نہیں۔جس شخص نے چندے میں زکوۃ کی رقم دی ہے۔اسے شریعت کے اس مسئلے سے آگاہ کر دیا جائے تا کہ یہ رقم وہ مصرف زکوۃ میں صرف کرے۔اور کالج کا تعاون اپنے عطیہ سے کرے۔واللہ تعالیٰ اعلم

مدارس کو بذریعہ بینک زکاۃ دینے اور مدارس کو اس کے استعمال کرنے کے شرعی طریقے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

(۱) عوام اہل سنت مدارسِ اسلامیہ کو اپنے زکاۃ و صدقات کے رقومات بذریعہ بینک ارسال کرتے ہیں، ذمہ داران کے لئے ایک ساتھ پوری رقم نکالنا مشکل و دشوار ہے، خصوصاً دیہات و قصبات میں بینک بڑی رقم نہیں دیتے، نیز اگر بینک سے رقم نکال بھی لیں تو ایڈٹ کراتے وقت حساب دینا لازم ہوتا ہے۔اگر دوبارہ بینک میں جمع کریں تو پھر رقم کا حساب دوبارہ دینا پڑتا ہے، ایسی صورت میں مسئلہ کا حل کیا ہوگا؟

(۲) اراکین مدارس اسلامیہ کرانہ دکان سے راشن و دیگر سامان لے کر رقم بذریعہ چیک ادا کرتے ہیں، دوکان دار بھی بوجہ مجبوری چیک کا مطالبہ کرتے ہیں، دوکان دار بھی بوجہ مجبوری چیک کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا ایسی صورت میں عوام کی زکاۃ ادا ہو جائے گی؟ ایسی صورت میں حیلہء شرعی کی کیا صورت ہوگی؟ جس سے زکاۃ ادا ہو جائے، کوئی بھی مناسب حل مطلوب ہے؟

الجواب : (۱)(الف) اصحاب خیر اگر اپنے یہاں خود یا کسی عالم کے ذریعہ زکاۃ و صدقات کی رقوم کا حیلۂ شرعی کرا سکیں تو بینک کے ذریعہ بھیجیں، یہ سب سے اسلم اور بہتر طریقہ ہے۔

(ب) اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو مدرسہ کے ذمہ داران بینک سے روپے نکال کر حیلۂ شرعی کریں پھر خرچ کریں۔ اگر ایک ساتھ ساری رقم نہ نکل سکے تو باری باری جتنی نکل سکے اتنی ہی رقم نکال کر حیلۂ شرعی کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ پوری رقم کا حیلہ ہو جائے۔

(ج) ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ جن اصحاب خیر نے خطیر رقم سے تعاون کیا ہے ان کی اجازت سے کسی سے قرض لے کر ان (اصحاب خیر) کی طرف سے کسی مسلم فقیر کے ذریعہ حیلۂ شرعیہ کرائیں اور فقیر وہ رقم واپس کرتے وقت یہ کہے کہ میں نے یہ رقم مدرسہ کو دی۔ البتہ انتظامیہ کو اجازت ہے کہ چاہیں تو اس رقم سے مدرسہ کا قرض ادا کریں، یا اس کی دوسری مدوں میں صرف کریں۔ اس اجازت کے بعد وہ رقم قرض کی ادائیگی میں دی جا سکتی ہے۔

(۲) چیک مال نہیں ہے بلکہ وثیقہ ہے اور وثیقہ یا رسید کا حیلۂ شرعی نہیں ہو سکتا۔ حیلۂ شرعی کی صحت اور زکاۃ کی ادائیگی کے لیے فقیر کو مال کا مالک بنانا اور اس پر قبضہ دینا شرط ہے اور چیک مال ہی نہیں تو اس پر فقیر کا قبضہ بھی ہو تو بھی مال کی تملیک نہ ہوگی، اس لئے زکاۃ نہیں ادا ہو سکتی۔

حل کا راستہ یہ ہے کہ حل کا تیسرا طریقہ جو گزشتہ سطور میں مذکور ہوا اپنائیں یا پہلا طریقہ اختیار کریں اور دوسرا طریقہ یوں اپنا سکتے ہیں کہ راشن اُدھار خریدیں اور بینک سے رقم نکال کر جمع کرتے رہیں، پھر جب چاہیں چیک بنا کر غلہ والے کو دے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

زکاۃ کے مسائل

(۱) میں نے کسی کو کچھ روپے ادھار دیے ہیں، جواب تک واپس نہیں ملے، کیا ان روپیوں پر زکاۃ ادا کرنی ہوگی؟

(۲) میں نے تین سال پہلے ایک زمین خریدی تھی۔ اس نیت سے کہ اگر اچھی قیمت ملے گی تو بیچ دوں گا، تو کیا اس پر بھی زکاۃ دینی ہوگی، اگر ہاں تو کس قیمت کے لحاظ سے، جس قیمت میں زمین

خریدی گئی تھی، اس قیمت میں یا پھر موجودہ وقت میں جو زمین کی قیمت ہیں، اس کے لحاظ سے؟

(۳) میں نے اس زمین کا ایک حصہ بھی بیچ دیا ہے جس کی پوری قیمت مجھے ابھی نہیں ملی ہے، جو پیسے باقی ہیں کیا اس پر بھی زکاۃ دینی ہوگی؟

(۴) میں نے ایک گاڑی اپنے استعمال کی نیت سے خریدی تھی، اسے بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن اب میں اسے بیچنا چاہتا ہوں، اب تک بیچی نہیں ہے تو کیا اس کی بھی زکاۃ دینی ہوگی؟

(۵) سونے پر جو زکاۃ ہے وہ صرف اس کی اصل قیمت پر ہے یا پھر مزدور کی مزدوری وغیرہ سب ملا کر جو قیمت ہوگی اس کے حساب سے زکاۃ دینی ہوگی؟

الجواب: (۱) جسے آپ نے روپے قرض دیے ہیں وہ اگر آپ کے قرض دینے کا اقرار کرتا ہے یا آپ کے پاس قرض دینے پر شرعی گواہ ہیں تو آپ پر مالک نصاب ہونے کی صورت میں اس سرمایہ قرض کی بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کی زکاۃ ادا کرتے رہیں۔

(۲) بیچنے کے لیے جو زمین خریدی جاتی ہے وہ اچھی قیمت ملنے پر ہی بیچی جاتی ہے، اگر خریدار کا یہ پکا ارادہ ہو کہ اچھا دام ملنے پر زمین کو بیچ دے گا، اور اسی لیے اس نے خریدا تو وہ زمین مال تجارت ہے اور دیگر اسبابِ تجارت کی طرح اس کی زکاۃ بھی فرض ہے، آپ چاہیں تو زمین کی زکاۃ زمین سے ہی نکالیں اور چاہیں تو سالِ زکاۃ پر نرخ بازار یا اس کی جو مالیت ہو اس کی زکاۃ روپے سے ادا کریں۔ اعتبار ہر سال کی موجودہ مالیت کا ہے، یعنی مارکیٹ ویلو کا۔

(۳) جو زمین آپ نے بیچ دی ہے اس کی زکوٰۃ زمین کے دام پر واجب ہوگی، اس دام پر بھی جو وصول ہو چکا ہے اور اس دام پر بھی جو خریدار کے ذمہ باقی ہے، آپ پورے دام کی زکوٰۃ ادا کریں۔

(۴) اپنے استعمال میں رکھنے کی نیت سے جو گاڑی خریدی اس پر زکاۃ نہیں گو اب آپ کا ارادہ اس کو بیچنے کا ہو، ہاں جب وہ گاڑی فروخت ہو جائے تو اس کے دام پر زکاۃ واجب ہوگی کہ روپے ثمن ہیں اور ثمن پر زکوٰۃ شرعاً واجب ہے۔

(۵) سونے چاندی کے زیورات کی زکاۃ سونے چاندی پر ہے، زیورات بنانے کی مزدوری اس میں شامل نہ ہوگی۔ نرخ بازار سے زیورات کے سونے چاندی کی سال زکاۃ پر جو قیمت ہو اس قیمت کے لحاظ

سے زیورات کا واجبی دام جوڑ لیں، پھر اس کی زکوٰۃ نکالیں، رہی مزدوری، تو نہ سونا ہے نہ چاندی، اس کا اس میں شمار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسائل روزہ

انٹرنیٹ کے ذریعہ رویت ہلال

آج کل لیپ ٹاپ میں انٹرنیٹ سے کنکشن جوڑ کر آمنے سامنے گفتگو ہوتی ہے اس میں رویت ہلال سے متعلق متعدد باشرع سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کی جماعت آکر خبر دے کہ ہم لوگوں نے چاند دیکھا ہے، اس صورت میں وہ خبر مستفیض ہو کر شرعاً قابل قبول ہے یا نہیں؟ یا ہم سے چند باشرع سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں نے گواہی دے کر ہمیں گواہ بنایا ہے۔ اب ہم رویت ہلال کی گواہی دے رہے ہیں، اس صورت میں وہ گواہی شہادت شرعیہ سے ہے یا نہیں۔

الجواب: (الف) استفاضہ خبر طرق اثبات ہلال میں سے ضرور ہے، مگر اس کے لیے کچھ شرائط بھی درکار ہیں، ورنہ اس کی حیثیت افواہ کی ہوگی۔ فقہا کا ایک طبقہ لیپ ٹاپ اور انٹر نیٹ پر نظر آنے والے عکس کو بھی تصویر سمجھتا ہے اور اسے ناجائز گردانتا ہے، اس لیے احتیاط اس طرح کے آلات سے احتراز میں ہے۔ اس مسئلے کی تحقیق میری کتاب ''رویت ہلال اور جدید ذرائع ابلاغ'' میں ہے۔ اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(ب) لیپ ٹاپ اور انٹرنیٹ پر اگرچہ قاضی اور شاہدین کی صورت نظر آئے مگر اس پر لی گئی شہادت حقیقت میں شہادت نہیں ہے۔ شہادت کا لغوی معنیٰ ہے ''حضور'' اور شاہد کا معنیٰ ہے ''حاضر'' یہاں شاہد مجلس قضا میں حاضر نہیں بلکہ وہاں سے بہت دور اور غائب ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مشین کی وجہ سے اس کا عکس نظر آ رہا ہے، یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ شاہد شخص ہے نہ کہ عکس کی رویت شخص کا شہود و حضور قطعاً نہیں ہو سکتا۔ اس لیے انٹرنیٹ اور لیپ ٹاپ پر شہادت کے کلمات ادا کرنے کی شرعی حیثیت محض خبر کی ہے شہادت کی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

افطار کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں: ماہ رمضان میں افطار کرتے وقت اذان کا جواب دینا یا اذان کے وقت کھانا پینا درست ہے یا نہیں، نیز افطار کرنے میں دیر کرنا جس کی وجہ سے نماز میں بھی دیر ہو جائے گی، جائز ہے یا نہیں؟ زید نے تاخیر نہ ہونے کی ایک صورت نکالی ہے، وہ یہ کہ پہلے افطار کا اعلان ہو جائے، لوگ افطار کر لیں پھر اذان ہو اس کے بعد نماز پڑھیں۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا اور ایک صاحب بولے یہ شیعہ کی مشابہت ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مناسب وافضل عمل کیا ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب سے ہمیں آگاہ کیا جائے تاکہ جو صحیح ہو اس پر عمل کریں۔

الجواب: جب افطار کا وقت ہو جائے تو ایک کھجور کھا کر کچھ پانی پی لے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے: **عن سلمان بن عامر الصبی عن نبی ﷺ قال اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فان لم یجد فلیفطر علی ماء فانه طهور** (ترمذی شریف، ابواب الصوم، ص:۸۸، ج:۱ مجلس برکات) ترجمہ: سلمان بن عامر صبی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جب تم میں کوئی روزہ سے افطار کرے تو کھجور یا چھوہارے سے افطار کرے اور اگر وہ نہ ملے تو پانی سے کہ وہ پاک کرنے والا ہے۔ اور اگر اذان کا انتظار ہو تو صرف ایک گھونٹ پانی پی کر افطار کر لے، پھر اذان کا جواب دے، اس کے بعد پانچ چھ منٹ تک کچھ کھا کر نماز مغرب کی جماعت میں شریک ہو، کھانے کی خواہش ہو تو جماعت میں تھوڑی تاخیر کی جا سکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اذان میں تاخیر نہ کرے۔

رمضان کی فجر میں تعجیل سے بھی تاخیر کی فضیلت حاصل ہوگی

آج ہمارے محلّہ کی مسجد میں فجر کی جماعت دن نکلنے سے آدھا گھنٹہ پہلے ہوئی ہے، رمضان میں فجر کی آذان صبح صادق کے پانچ منٹ بعد ہوتی ہے۔ اور مسجد میں موجودہ امام صاحب اور تمام مصلیان کے سنت پڑھنے کے بعد فوراً جماعت شروع ہو جاتی ہے۔ یہ سلسلہ پورے رمضان ایک مہینہ تک رہتا ہے۔ اس

رح یہ درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: فجر کی نماز میں اسفار مستحب ہے یعنی روشن کر کے پڑھنا۔ حدیث میں ہے کہ
ضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اسفروا بالفجر فانهٗ اعظمُ للاجرِ (رواه الترمذی و**
سنه) فجر کی نماز روشن کر کے پڑھو کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔ البتہ رمضان المبارک کے موسم میں اب
ل وقت میں پڑھ لینے سے بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ انشاء اللہ کہ اس وقت تمام نمازی بیدار ہوتے ہیں،
د جماعت قائم ہونے سے عموماً سارے نمازی شریک جماعت ہوتے ہیں اور تاخیر کی بہ نسبت اول وقت
ں پڑھنے پر جماعت بھی بڑی ہوتی ہے، اور یہ حضور سید عالم ﷺ سے ثابت بھی ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری
ں ہے: **عن ابی حازم انهٗ سمع سهل بن سعد يقول: كنت اتسحر فی اهلی ثم تكون**
رعة بی ان ادرك صلوٰة الفجر مع رسول الله ﷺ ۔ صحابی رسول سہل بن سعد فرماتے ہیں:
ں اپنے بچوں میں سحری کرتا، پھر مجھے جلدی ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پالوں۔
صحیح البخاری، ص: ۸۲، ج: ۱، باب وقت الفجر)

"**عن انس ان زيد بن ثابت حدثه انهم تسحروا مع النبی ﷺ ثم قاموا**
ى الصلوة، قلت: كم بينهما؟ قال: قدر خمسين او ستين يعنی آية "حضرت زید بن
بت نے یہ حدیث بیان کی کہ صحابہ نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کی پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں
نے پوچھا کہ سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا تو انہوں نے فرمایا کہ پچاس یا ساٹھ آیات پڑھنے کی مقدار
(صحیح البخاری، ص: ۸۱، ج: ۱، باب وقت الفجر)

سوال سے ظاہر ہے کہ مسجد مذکور میں سحری اور اقامت کے درمیان تقریباً پندرہ منٹ کا فاصلہ ہوتا
ہے اور اس دوران مسجد کے تمام نمازی حاضر بھی ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ جائز ہے بلکہ اس زمانے میں رمضان
مبارک میں تکثیر جماعت کے لئے ایسا کر لینا انسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رویت ہلال سے متعلق چند اہم مسائل

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں:

(۱) کیا علما کی جماعت کو شرعا یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ پورے ملک کے لیے، یا ملک کے کچھ حصوں کے لیے کوئی ایسا قاضی شرع مقرر کریں جس کے نائبین اس خطے میں ہر بڑی جگہ موجود ہوں اور وہ اپنے یہاں رمضان یا عیدین کی رویت کی شہادت لے کر بحیثیت قاضی کے چاند کا فیصلہ صادر کریں اور اپنے فیصلے کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون یا خط صدر قاضی کو دیں اور صدر قاضی موصول شدہ اطلاع کی بنیاد پر بذریعہ ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویژن چاند ہونے کا اعلان کرے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس اعلان پر روزہ رکھنا اور عید منانا شرعا جائز ہے یا نہیں؟

جو شق بھی اختیار کریں اسے شرعی دلائل اور فقہی عبارتوں سے مدلل کریں اگر جائز نہیں ہے تو جن لوگوں نے اس اعلان پر روزہ رکھا یا عید منائی ان کے لیے کیا حکم ہے؟

اس کے ساتھ اس امر کی بھی دلائل کے ساتھ وضاحت فرمائیں کہ قاضی کے فیصلے کے معلن کے لیے از روے شرع مسلمان ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو غیر مسلم کے اعلان پر روزہ رکھنا، یا عید منانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: (۱) پورے ملک، یا ملک کے ایک، یا کئی صوبوں کے لیے ''قاضی القضاۃ'' مقرر کرنا جائز ہے، خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ اندلس اور مصر کو چھوڑ کر ساری دنیاے اسلام کے قاضی القضاۃ تھے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے آپ کو ''قاضی الشرق والغرب'' لکھا ہے تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ولا یستخلف قاض نائباً، الا اذا فوض الیہ صریحا کول من شئت" أو دلالۃ کجعلتک قاضی القضاۃ والدلالۃ ھنا اقوی لان فی الصریح المذکور یملک الاستخلاف، لا العزل. وفی الدلالۃ یملکھما. کقولہ ول من شئت، واستبدل، او استخلف من شئت، فان قاضی القضاۃ ھو الذی یتصرف فیھم مطلقاً تقلیداً وعزلاً اھ

(کتاب القضاء، ص:۵۷۶/۷۵، ج:۸، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) رویت ہلال کے باب میں:

ایک قاضی کا فیصلہ دوسرے قاضی کے لیے تین صورتوں میں حجت ہوتا ہے۔

(الف) قضائے قاضی پر اس کے یہاں شہادت شرعیہ قائم ہو جائے۔

(ب) کتاب القاضی شہادت شرعیہ کے ساتھ اسے وصول ہو۔

(ج) یا پھر استفاضہ اپنے شرائط کے ساتھ متحقق ہو۔

ظاہر ہے کہ ٹیلی فون اور اس قسم کے دیگر ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، فیکس کے ذریعہ قاضی کے فیصلے کی خبر نہ تو شہادۃ علی القضاء ہے، نہ استفاضہ، نہ کتاب القاضی الی القاضی، یہاں فیکس کو کتاب القاضی سے کچھ مشابہت ہے لیکن اس مشابہت کا قطعی اعتبار نہیں کیوں کہ: اولاً: کتاب القاضی خلاف قیاس استحساناً حجت قرار دیا گیا ہے اور جو حکم خلاف قیاس ثابت ہو اس پر دوسرے امور کا قیاس درست نہیں، تو صرف مشابہت کی بنا پر فیکس کے لیے ''کتاب'' کا حکم نہ ہوگا۔

ثانیاً: کتاب القاضی کا اعتبار اس وقت ہے جب کہ دو شاہد عادل یہ گواہی دیں کہ یہ خط فلاں شہر کے فلاں قاضی نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے۔

یہاں یہ شہادت بھی مفقود ہے۔

ثالثاً: قاضی اگر کتاب کو ذریعہ اطلاع بنانے کے بجائے خود دوسرے قاضی کے یہاں جا کر اپنے فیصلہ کی اطلاع دے تو معتبر نہیں تو نائب قاضی اگر صدر قاضی کو ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ زبانی یا فیکس کے ذریعہ خط سے خود اطلاع دے تو بدرجۂ اولی اس کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہاں یہ نائب صدر قاضی کے روبرو نہیں۔

لہٰذا آج کے رائج ذرائع ابلاغ سے فیصلۂ قاضی کی خبر معتبر نہ ہوگی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''ائمۂ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے، بلکہ بذات خود ہی آ کر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں ہرگز نہ سنیں گے کہ اجماع تو صرف دربارۂ خط منعقد ہوا ہے۔ پیام، ایلچی، وخود بیان قاضی اس سے جدا ہے۔ امام محقق علی الاطلاق شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ: ''الفرق بین رسول القاضی وکتابه حیث یقبل کتابه ولا یقبل رسوله، فلان غایة رسوله ان

یکون کنفسہ وقدمنا انہ لوذکر مافی کتابہ لذٰلك القاضی بنفسہ لایقبلہ وکان القیاس فی کتابہ کذٰلك، الأ انہ أجیز باجماع التابعین علی خلاف القیاس، فاقتصر علیہ۔ اھ“ (فتاوی رضویہ ۴/۵۲۶ وفتح القدیر، باب القاضی الی القاضی، ص:۳۸۶ ج:۶ مکتبہ نوریہ رضویہ)

درمختار میں ہے: القاضی یکتب الی القاضی فی کل حق بہ یفتی، استحساناً، غیر حد وقود. لیحکم القاضی المکتوب الیہ بہا علی رایہ....واکتفی الثانی: بان یشہدھم انہ کتابہ، وعلیہ الفتوی، کمافی العزمیۃ عن الکفایۃ وفی الملتقی. ولیس الخبر کالعیان. اھ ملخصاً (الدرالمختار، کتاب القضاء، ص:۱۳۱، ج:۸، دارالکتب العلمیہ بیروت)

ردالمحتار میں ہے: (قولہ: استحساناً) والقیاس ان لایجوز. لان کتابتہ لا تکون اقوی من عبارتہ، وھو لواخبر القاضی فی محلہ لم یعمل باخبارہ فکتابہ اولی وانما جوزناہ لأثر علی رضی اللہ تعالی عنہ وللحاجۃ. بحر. اھ

(ردالمحتار، باب کتاب القاضی الی القاضی، ص:۱۳۲، ج:۸، دارالکتب العلمیہ بیروت)

یہاں سے معلوم ہوا کہ ٹیلی فون وغیرہ ذرائع سے اطلاع کی حیثیت بذات خود قاضی کو اطلاع دینے کی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں اور فیکس کی حیثیت محض ایک عام خط کی ہے اور اس کا بھی باب ہلال میں کوئی اعتبار نہیں۔ چناں چہ فتاوی رضویہ میں ہے:

”بیاع، وصراف، ومفتی کے خطوط بالاجماع مستثنیٰ ہیں۔ متون وشروح فتاوی تمام کتب معتمدۂ مذہب دیکھ لیے جائیں، جہاں یہ گنتی کے استثناوہ بھی بہت مباحث کے ساتھ کرتے ہیں کہیں بھی ہلال کا استثنا ہے۔

قاضی الشرق والغرب نے شاہد کے اپنے خط کا استثنا فرمایا جس کے ساتھ سو وجوہ مذکور ہو سکتی ہیں اور اپنے خط کا اشتباہ بغایت بعید ہے۔ انہوں نے بھی کہیں ہلال میں خط کا اعتبار فرمایا؟

(فتاوی رضویہ ۴/۵۳۳)

یہی وجہ ہے کہ مجدد اعظم قدس سرہ نے دوسرے شہر کے لیے اپنے خط کا اعتبار نہ فرمایا، بلکہ شہادت کے ساتھ کتاب القاضی الی القاضی کو شرط گردانا، حالاں کہ بلاشبہ آپ اپنے وقت میں پورے متحدہ

ہند (ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش) کے علی الاطلاق قاضی القضاۃ تھے۔

ایک صاحب نے آپ سے سوال کیا:

"جناب والا کا ایک مختصر سا پرچہ جس پر جناب کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اور ایک سطر میں یہ عبارت مرقوم ہے۔ (میرے سامنے شہادتیں گزر گئیں، کل جمعہ کو عید ہے) خاکسار کو موصول ہوا، اس کے متعلق فتوی شرعی دریافت طلب ہے کہ جس جگہ یہ پرچہ پہونچے تو وہاں کے لوگوں کو جمعہ کو عید کرنا لازم تھی، یا نہیں، اور روزے توڑ دینا ضرور تھے، یا نہیں، اور اس کی عام تشہیر اور دیگر بلاد میں اشاعت سے لیا سفہ تھا؟"

اس کے جواب میں آپ نے ارقام فرمایا:

"وہ پرچے دیگر بلاد میں نہ بھیجے گئے، تقسیم کرنے والوں نے اسٹیشن پر بھی دیے، ان میں سے کوئی لے گیا ہوگا، بعض لوگوں نے پیلی بھیت کے واسطے چاہا، اور ان کو جواب دے دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عادل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا۔ اور بلاد بعیدہ کو کیوں کر بھیجے جاتے۔

(فتاوی رضویہ ۴/۵۳۲)

حاصل کلام یہ کہ نائب قاضی کا فون وغیرہ کے ذریعہ اپنے صدر قاضی، یا ہم رتبہ قاضی کو اپنے فیصلے کی اطلاع دینا صدر قاضی یا اس کے دوسرے نائب کے لیے حجت شرعیہ نہیں لہٰذا غیر معتبر ہے۔

قاضی القضاۃ بھی اپنے فیصلے کی اطلاع دوسرے شہر میں بھیجے تو یہ قابل عمل اسی وقت ہوگا جب کہ یہ عادل گواہوں کے ذریعہ کتاب القاضی الی القاضی بھیجے۔

حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حوالیٔ شہر کے دیہات والوں کے لیے توپ ونقارہ کی آواز کو حجت گردانا ہے لیکن یہ صراحت کہیں نہیں کہ وہ اعلان دوسرے شہر کے قاضی کے حق میں فیصلہ صادر کرنے کے لیے بھی حجت ہے دونوں میں بڑا فرق ہے۔

لہٰذا سوال میں ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق صدر قاضی کے اعلان پر روزہ رکھنا اور عید منانا شرعی نقطۂ نظر سے ناجائز و گناہ ہے۔

(۳) یہ لوگ گنہگار ہوئے ان پر ایک روزہ کی قضا واجب ہے رد المحتار میں ہے:

لو افطر اهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظنا انه يوم العيد، وهو

لغیرہ لم یکفروا. اھ

(۴) قاضی کے فیصلے کے معلن کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے کہ باب دیانات میں کافر کی خبر مطلقاً نا مقبول ہے ہدایہ میں ہے: ویقبل فی المعاملات قول الفاسق ولا یقبل فی الدیانات الاقول العدل، لان الفاسق متهم، والکافر لایلتزم الحکم فلیس له ان یلزم المسلم. اھ ملخصاً (۴۳۸/۴ کتاب الکرھیۃ) لہٰذا غیر مسلم کے اعلان پر روزہ رکھنا، یا عید منانا حرام وگناہ ہے، اور اس کے مرتکب گنہگار، فاسق، مستحق غضب جبار وعذاب نار ہیں۔ (نوشتہ ۶/۱۲/۱۴۱۴ھ۔ ۱۸/۵/۱۹۹۴ء) واللہ اعلم

کیا باغ کی سپاری چکھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ھے

کرناٹک کے ایک بڑے علاقے میں مسلمان مزدور سپاری کے باغ میں کام کرتے ہیں سوپاری کو مناسب وقت سے توڑنے کے لیے ان کے خوشے سے ایک پھل نکال کر دانت سے کترتے ہیں اگر وہ پھل کترنے آتا ہے تو پورا خوشہ توڑ لیتے ہیں اور اگر وہ سخت ہو جانے کی وجہ سے کترنے میں نہیں آتا تو اسے درخت ہی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ بعد میں وہ بہت سستے دام پر فروخت ہو جاتی ہے۔ ایسی سوپاری کو چھالیا کہتے ہیں۔

توڑے ہوئے خوشے کے پھلوں کو مختلف مراحل سے گزار کر عمدہ سپاری بناتے ہیں۔ جو بہت اچھے دام پر فروخت ہوتی ہے۔

یہ جاننے کے لیے کہ خوشہ توڑنے کے لائق ہے یا نہیں پھل کو دانت سے کترنا ضروری ہوتا ہے۔ کترنے پر اس میں ترش عرق منہ میں آجاتا ہے۔ یہ کام رمضان کے دنوں میں میں بھی جاری رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ کریں تو باغ مالک کا لاکھوں کا نقصان ہوگا۔ دوسرے مزدور کو کچھ اجرت نہیں ملے گی جس کی معیشت کا مدار اسی کام پر ہے اس لیے سوال یہ ہے کہ رمضان المبارک کے دنوں میں مزدوروں کا سپاری کے کچے پھل دانت سے کترنا جائز ہے یا نہیں۔ جب کہ کترنے سے اس کا عرق ان کے منہ میں آتا ہے اور اس کا ترش ذائقہ بھی انھیں محسوس ہوتا ہے۔

الجواب: سپاری کے کچے پھل کو کترنا جب اس قدر اہم ہے کہ اس سے مزدوروں کی

معیشت وابستہ ہے اور باغ مالک کے لیے اس میں نفع کثیر ہے اور ایسا نہ ہو تو دونوں کو ضرر عظیم وحرج شدید ہے تو دفع حرج وضرر کے لیے یہ اجازت ہے کہ مزدور رمضان المبارک کے دنوں میں کچھ سپاری دانت سے کتر سکتے ہیں البتہ اس کے لیے یہ خصوصی لحاظ ضروری ہے کہ: سپاری کا رس منہ میں آتے ہی فوراً تھوک کر پانی سے اچھی طرح کلی کر لیں پھر صاف کپڑے سے زبان وغیرہ پونچھ لیں، اس کے بعد دوسری سپاری کتریں یہ لحاظ اس لیے ضروری ہے کہ کترنے کا یہ عمل دن کے بیشتر اوقات میں جاری رہتا ہے تو بار بار منہ میں سپاری کا رس جاتے جاتے حلق کے نیچے بھی اتر سکتا ہے جس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور ہر بار تھوک کر کلی کر لینے سے اس کا امکان نہیں رہ جاتا، اس کی نظیر کھانے کا نمک اور سامان کا ذائقہ چکھنے کا مسئلہ ہے، جس کی تفصیل بہار شریعت میں ان الفاظ میں ہے۔

مسئلہ: روزہ دار کو بلا ضرورت کسی چیز کا چکھنا یا چبانا مکروہ ہے، چکھنے کے لیے عذر یہ ہے کہ مثلاً عورت کا شوہر یا باندی غلام کا آقا بد مزاج ہے کہ نمک کم وبیش ہوگا تو اس کی ناراضگی کا باعث ہوگا تو اس وجہ سے چکھنے میں کوئی حرج نہیں، چبانے کی لیے یہ عذر ہے کہ اتنا چھوٹا بچہ ہے کہ روٹی نہیں کھا سکتا اور کوئی نرم غذا نہیں جو اسے کھلائی جائے، نہ حیض ونفاس والی یا کوئی اور بے روزہ ایسا ہے جو اسے چبا کر دے دے تو بچہ کے کھلانے کے لیے روٹی وغیرہ چبانا مکروہ نہیں (درمختار وغیرہ)

(بہار شریعت، ج:۱، ص:۹۹۶، روزے کے مکروہات کا بیان، مکتبۃ المدینہ) واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: کچھ عورتیں، جب دوسرے لوگ شوال کے چھ روزے رکھتے ہیں، اس وقت رمضان کے قضا روزے رکھتی ہیں، کیا وہ ایسا کر سکتی ہیں؟

الجواب: شوال کے چھ روزے نفلی ہیں اور رمضان کے روزے کی قضا فرض، فرض بہر حال نفل سے بہت اہم ہے اور جن عورتوں کے رمضان شریف کے روزے چھوٹے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ جلد سے جلد ان روزوں کی قضا کریں۔ لہٰذا جو عورتیں شوال کے چھ روزے کی جگہ رمضان کی قضا رکھتی ہیں وہ حکم شرع پر ہی عمل کرتی ہیں، ان کا عمل شرعاً درست اور چھ نفلی روزہ سے بہت اہم ہے۔

(درالمختار، ص:۴۸۵، ج:۱، کتاب الطہارۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

مسائل نکاح

سیدہ سے غیر سید عالم کا نکاح صحیح ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں:

کسی سیدہ سے کوئی غیر سید عالم باعمل شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : غیر سید عالم باعمل، سیدہ کا کفو ہے کیونکہ علم کی بزرگی نسب کی بزرگی سے بالاتر ہے۔ اس لیے ایسے عالم کا نکاح سیدہ کے ساتھ جائز و درست ہے:

فی وجیز الامام الکردری العجمی العالم کفو للعربی الجاھل لان شرف العلم اقویٰ و ارفع ۔ فی الفتح عن جامع الامام قاضیخان العالم العجمی یکون کفوا للجاھل العربی و العلویۃ لان شرف العلم فوق شرف النسب۔اھ (درالمختار)

ترجمہ: امام کردری کی تصنیف وجیز میں ہے کہ عجمی عالم عربی جاہل کا کفو ہے اس لیے کہ شرف علم شرف نسب سے مضبوط و بالاتر ہے۔

فتح القدیر میں جامع امام قاضی خاں سے ہے کہ عجمی عالم عربی جاہل اور علویہ (سیدہ) کا کفو ہے اس لیے کہ علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھ کر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بہو کے ساتھ زنا سے وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ زید نے بیٹے کی بیوی کے ساتھ زنا بالجبر کیا تو کیا زید کا اور زید کے بیٹے کی بیوی کا نکاح برقرار رہا یا ٹوٹ گیا زید کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں نکاح فاسد ہو گیا اور زید کی بہو اپنے خسر اور شوہر دونوں پر بلکہ اپنے خسر کے تمام لڑکوں پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی ارشاد باری ہے: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ۔ زید کے بیٹے پر لازم ہے کہ عورت سے متارکہ کرے مثلاً کہہ دے کہ "میں نے تم کو چھوڑ دیا" پھر دونوں ہمیشہ کے لیے الگ ہو جائیں۔ یہاں اس عورت کا زید اور اس کے کسی بیٹے کے ساتھ بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس لیے

مسلمانوں پر لازم ہے کہ فوراً دونوں کو مذکورہ طریقہ پر الگ کرادیں، الگ نہ ہوں تو بائیکاٹ کرادیں۔
فتاوی ہندیہ میں ہے: تحرم المزنی بها علی آباء الزانی وأجداده وان علون وابنائه وان سفلوا کذا فی فتح القدیر. اھ (الفتاوی الھندیہ، ج:۱، ص:۲۷۴، القسم الثانی المحرمات بالصهریة) فتح القدیر میں اس کے حرام ہونے پر اتفاق واجماع نقل کیا ہے: والاتفاق علی حرمة الابن من الزنا۔ اھ ملتقطاً (فتح القدیر، ج:۳، ص:۲۱۱، کتاب النکاح، پوربندر گجرات)

تفسیر روح البیان میں ہے: حرم علی المرأة ولدها من الزنا اجماعاً۔

(روح البیان، ج:۴، ص:۲۵۰) واللہ تعالیٰ اعلم

انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح

آج کل انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح پڑھایا جاتا ہے جس میں لڑکا، دو گواہ اور وکیل کی موجودگی میں قاضی ایجاب قبول کرواتا ہے۔ ایسا نکاح شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں تفصیلی دلیل کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: لیپ ٹاپ اور انٹرنیٹ پر اگرچہ قاضی اور شاہدین کی صورت نظر آئے مگر اس پر لی گئی شہادت حقیقت میں شہادت نہیں ہے۔ شہادت کا لغوی معنیٰ ہے "حضور" اور شاہد کا معنیٰ ہے "حاضر" یہاں شاہد مجلس قضا میں حاضر نہیں بلکہ وہاں سے بہت دور اور غائب ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مشین کی وجہ سے اس کا عکس نظر آرہا ہے، یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ شاہد شخص ہے نہ کہ عکس، رویت شخص کا شہود و حضور نعلقا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے انٹرنیٹ اور لیپ ٹاپ پر شہادت کے کلمات ادا کرنے کی شرعی حیثیت محض خبر کی ہے شہادت کی نہیں۔

اگر لڑکی نے قاضی کو اپنے نکاح کا وکیل بنادیا مثلاً یہ کہہ دیا کہ فلاں بن فلاں کے ساتھ میرا نکاح کردو اور قاضی نے گواہوں کے روبرو اس لڑکی کا نکاح معین لڑکے کے ساتھ کردیا اور اس منظر کو انٹرنیٹ پر دکھادیا گیا تو نکاح شرعاً صحیح و درست ہے۔ بغیر انٹرنیٹ اور لیپ ٹاپ کے بھی نکاح اس طور پر کیا جاتا ہے۔

کنجڑا برادری شیخ برادری کا کفو ہوسکتی ہے

ہندہ شیخ برادری سے تعلق رکھتی ہے اور عالمہ فاضلہ باصلاحیت مدرسہ کلیۃ البنات گھوسی سے فارغ ہے، نیک سیرت و دین دار ہے۔ ہندہ کے والدین ہندہ کی شادی ایک پرہیزگار، دین دار باشرع مگر غیر عالم لڑکے زید سے کرنے پر راضی ہیں۔ مگر گاؤں والے اور اس کے رشتہ دار لوگ ہندہ کی شادی زید سے کرنے پر راضی نہیں ہیں، وجہ یہ ہے کہ زید کنجڑا برادری سے تعلق رکھتا ہے، پیشہ اس کا سبزی فروشی ہے۔ تو عرض ہے شریعت اسلامیہ اس کے بارے میں کیا حکم عائد کرتی ہے۔ نیز زید ہندہ کا کفو ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ہندہ اور اس کے والدین زید کے ساتھ نکاح کرنے پر راضی ہیں تو یہ نکاح جائز و صحیح و نافذ ہوگا۔ تنوالابصار والدرالمختار میں ہے:

(والکفاءة حق الولی لاحقها) فلو نکحت رجلا ولم تعلم حاله فاذا هو عبد لا خیار لها بل للأولیاء، ولو زوجوها برضاها، ولم یعلموا بعدم الکفاءة ثم علموا الاخیار لاحد. اھ (الدرالمختار المطبوع مع ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الکفاءة، ص:۲۰۷/۲۰۸، ج:۴، بیروت)

نیز تنویر و درمختار میں ہے: **(ولزم النکاح ولو بغبن فاحش) بنقص مهرها (أو) زوجها (بغیر کفوء ان کان الولی) المزوج بنفسه بغبن (أبا أو جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار) مجانة وفسقا.** اھ (تنویر الابصار والدرالمختار المطبوع مع ردالمحتار، کتاب النکاح باب الولی، ص:۱۷۱، ج:۴، دارالکتب العلمیہ بیروت) واللہ تعالیٰ اعلم

حمل کی مدت کتنی ہے؟

اسلام کے مطابق حمل کی مدت کتنی ہے؟ اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے جدا رہے اور اس کے تین حیض گزر جائیں پھر عورت حاملہ ہوجائے اور عورت حمل کو شوہر کے ساتھ رہنے کے وقت سے شمار کرے تو کیا یہ صحیح ہے؟ عورت یہ بھی کہتی ہے کہ تین حیض یقیناً دو اور تیسرے کا تھوڑا حصہ تھا، جس طرح عورت نے شوہر سے بتایا تھا اسی طرح ڈاکٹر سے آخری حیض ۲۵ رمئی بتاتی ہے اور ۲۵ رمئی سے پہلے اور حمل ظاہر ہونے سے قبل تک شوہر سے جدا رہی۔ دینی نقطہ نظر سے بغیر دیکھے اور گواہوں کے بغیر کچھ کہا بھی نہیں جاسکتا اور حمل

موخر ہوتے دیکھ کر چپ رہنا بھی مشکل ہے۔کوئی مسئلہ بتائیں جس سے یہ مشکل حل ہو سکے۔عورت قسم کھا کر تو بھی دیتی ہے،اس لیے قسم کھلا کر اس پر یقین بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ حمل کی کم سے کم کتنی مدت ہے اور کتنی مدت میں بچہ ثابت النسب مانا جائے گا؟

الجواب : حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہے۔وقت نکاح سے اگر چھ ماہ پورے ہونے پر بچہ پیدا ہوا تو شرعاوہ شوہر کا ہی مانا جائے گا اور ثابت النسب ہوگا،اگر چہ بظاہر میاں بیوی کی ملاقات نہ ہوئی۔فقہا فرماتے ہیں کہ شوہر مشرق کے کنارے پر ہو اور عورت مغرب کے کنارے پر،دونوں کے درمیان سال بھر کی راہ ہو،وکیل کے ذریعہ نکاح ہو گیا اور وقت نکاح سے چھ ماہ،یا زیادہ پر بچہ پیدا ہوا تو وہ شوہر کا ہے اور ثابت النسب ہے۔حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:**الولد للفراش وللعاهر الحجر.** (سنن نسائی،کتاب النکاح،ص:۹۴،ج:۲)

تنویر الابصار میں ہے:**اکثر مدة الحمل سنتان و أقلها ستة أشهر**۔اھ(تنویر الابصار المطبوع مع الدر المختار،ج:۵،ص:۲۳۰،کتاب الطلاق،باب العدة،بیروت)

لہذا صورت مسئولہ میں شک نہ کیا جائے اور عورت کو سچی مانیں،مزید تحقیق و تشفی کے لیے میری کتاب ''امام احمد رضا پر اعتراضات ایک جائزہ'' کا مطالعہ کریں۔واللہ تعالی اعلم

دوسرے نکاح کے لیے پہلے شوہر سے طلاق لینا ضروری

میں سنجیدہ بانو بنت لال محمد محلہ نوشہرہ جین پور،اعظم گڑھ یوپی کی باشندہ ہوں۔میرا نکاح ۲۸ر جولائی ۲۰۰۸ء کو شکیل احمد بن وکیل احمد موضع محمد پور مٹھیا تھانہ دریاپور ضلع چھپرہ بہار کے ہم راہ دو ہزار ایک سو روپے مہر غیر معجل کے اسلامی طریقے کے مطابق ہوا تھا۔تقریبا ایک سال تک ہم دونوں ساتھ رہے اور اسی درمیان ایک بچی کی ولادت ہوئی اور اس سال بھر میں نہ تو ساس سسر کا سلوک میرے ساتھ ٹھیک رہا اور نہ ہی میرے شوہر کا برتاؤ میرے ساتھ ٹھیک رہا،روزانہ گالی گلوج،شراب پی کر آنے کے بعد جھگڑا فساد،پورے محلے میں شور شرابا مچانا وغیرہ۔میرے والد اگر سمجھانے کے لیے فون کرتے تو کہا جاتا کہ اگر تم یہاں آؤ گے تو

ہاتھ پیر توڑ دیں گے اور بہت ہی نازیبا کلمات زبان سے بولا جو لائق بیان نہیں ہیں۔ ادھر میں پریشان تھی ادھر میرے گھر کے لوگ پریشان تھے، پھر انھوں نے اپنے قریبی تھانہ میں رپورٹ درج کرائی کہ لڑکی جلنے اور مرنے کو کہہ رہی ہے، اگر ایسا کرتی ہے تو وہ خود ذمہ دار ہوگی جس سے ان کا منشا دنیاوی قانون سے بچنا تھا۔ بہر حال میرے والد ڈر سے وہاں نہیں گئے اور میرے ماموں جان ہتھیلی پر رکھ کر میرے سسرال پہنچے، لیکن ان کے پہنچنے کی خبر پاتے ہی میرے ساس سسر گھر چھوڑ کر فرار ہو گئے، میرے ماموں مجھے لے کر مائیکے آگئے، تقریباً ساڑھے تین سال سے والدین کی دہلیز پر ہوں۔ نہایت ہی ذلت و رسوائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں، جب کہ میرے شوہر شکیل احمد ولد وکیل احمد نے دوسری شادی کر لی ہے اور میں ۳؍ سالہ بچی کے ساتھ مائیکے میں بیٹھی ہوں۔ ہماری کوئی خبر گیری نہیں اور میں اس وقت جوان ہوں، انسانی زندگی کے تقاضے سے آپ بخوبی واقف ہیں، اگر میرے پائے ثبات میں لغزش آئی تو اس کی ذمہ داری والدین کے ساتھ معاشرے کے حساس افراد و علما و مفتیان کرام کی بھی ہوگی۔ لہٰذا آپ کی بارگاہ میں التماس ہے کہ میرے حال زار پر رحم کھاتے ہوئے قرآن و حدیث کے مطابق کوئی ایسا حل تلاش کریں جس سے مجھے ان ظالموں سے چھٹکارا مل جائے اور میں گناہوں سے بچ سکوں اور میرے والدین کا سکون و قرار بحال ہو جائے۔

الجواب: سنجیدہ بانو جب شکیل احمد کے نکاح میں ہے تو اس کا نکاح دوسرے مرد کے ساتھ حلال نہیں، جب تک کہ شکیل احمد اسے طلاق نہ دے دے، پھر عدت نہ گزر جائے۔ ارشاد باری ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ترجمہ: حرام کی گئیں تم پر شوہر والی عورتیں۔ (قرآن حکیم)

سنجیدہ کو اپنے شوہر سے شکایت ہے تو کچھ پنچ اس کی طرف سے اور کچھ اس کے شوہر کی طرف سے اکٹھا ہو کر ان کی باہمی رنجش کو دور کرنے اور اصلاح و نباہ کی کوشش کریں۔ قرآن حکیم نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ اگر باہمی رنجش دور نہیں ہو سکتی اور وہ چاہتی ہے کہ دوسرے شخص سے نکاح کرے تو چاہیے کہ پہلے شوہر سے طلاق لیے۔ اگر طلاق دے دے تو سنجیدہ بانو عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے بغیر طلاق کے دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی، جیسا کہ فتاوی ہندیہ کے تحت ہے: **لا یجوز للرجل ان تزوج زوجة غیرہ وکذلک المعتدہ کذافی الراج الوهاج** ۔اھ (الفتاوی الہندیہ، ج:۱، ص:۲۸۰، الباب الثالث فی

المحرمات بیروت) شوہر پر لازم ہے کہ بی بی کو حسن سلوک کے ساتھ رکھے ورنہ طلاق دے دے۔

ارشاد باری ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (النساء، آیت:۱۹) واللہ تعالیٰ اعلم

دیوبندی کے یہاں شادی کرنے کا حکم

زید اپنی لڑکی کی شادی بکر سے کرنا چاہتا ہے، بکر سنی ہے اور اس کے گھر والے سب سنی ہیں، لیکن اس کی بہن کی شادی دیوبندی کے گھرانے میں ہوئی تو زید اپنی لڑکی کی شادی بکر سے کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: زید اپنی لڑکی کی شادی بکر سے کرسکتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ اس کی بہن کی شادی جس دیوبندی کے گھرانے میں ہوئی ہے ان لوگوں سے ہمیشہ قطع تعلق رکھے اور اپنی بیوی کو ان سے قطع تعلق کے لیے کہے، اور کوشش کرے کہ آئندہ بکر کے گھر والے کسی دیوبندی، وہابی کے گھر لڑکے یا لڑکی کسی کی شادی نہ کریں اور انھیں سنیت میں مضبوط اور پختہ کرے۔

حدیث پاک میں ہے: ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔ یعنی اپنے کو ان اسے دور رکھو ان کو اپنے سے دور رکھو، کہیں تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص:۲۷، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ مجلس برکات) واللہ تعالیٰ اعلم

موبائل اور فون پر نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین امور ذیل کے بارے میں:

(۱) کیا زید ہندہ کی موجودگی میں نکاح ثانی کرنے کے لیے اس کی اجازت کا محتاج ہے۔

(۲) فون پر کیا جانے والا نکاح جس کی صورت یہ ہو کہ لڑکے کے پاس دو گواہ ہوں اور لڑکی تنہا بند کمرے میں فون پر ایجاب یا قبول کر رہی ہو، گواہان جو لڑکے کے پاس ہیں، لڑکی کی آواز کو فون پر سن بھی رہے ہوں اور پہچان بھی رہے ہوں، بعدہ لڑکی اس نکاح کا اقرار بھی کر رہی ہو، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کیا ہوا نکاح شرعاً معتبر ہوگا؟

(۳) کیا بالغ لڑکیاں نکاح کے لیے اپنے ولی کی اجازت کی محتاج ہیں، بلا اجازت ولی ان کا کیا ہوا نکاح غیر معتبر ہوگا؟

(۴) بعض لڑکیاں اپنے والدین کی مرضی کے بغیر معاشقہ کرکے کورٹ میں مجسٹریٹ کے سامنے نکاح کرتی ہیں، کیا ایسا نکاح بھی شرعاً معتبر ہے؟

(۵) اگر کوئی لڑکی قرآن شریف ہاتھ میں لے کر کہے کہ میں نے فلاں سے نکاح کرلیا ہے تو کیا ایسی صورت میں اولیا کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ بلا طلاق وعدت اس لڑکی کا نکاح کسی اور سے کردیں؟

الجواب: (۱) سائل کو صاف صاف لکھنا چاہیے تھا کہ زید نے ہندہ سے رشتہ کیا ہے، کیوں کہ جب تک رشتہ نہ معلوم ہو اس کا حکم نہیں بیان کیا جاسکتا۔ قرآن پاک میں مطلقاً ارشاد فرمایا گیا:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ (النساء۔ آیت:۳)

اس لیے اگر کوئی دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرط نہیں، ہاں خوشگوار زندگی اور بیوی کی خوشی کے لیے اس سے اجازت لینی چاہیے۔ واضح ہو کہ اگر پہلی اور دوسری بیوی میں کوئی قریبی رشتہ ہو، مثلاً دونوں بہنیں ہوں تو یہ نکاح حرام ہے۔

ارشاد باری ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔

(۲) یہ نکاح شرعاً صحیح نہیں، فتاوی عالمگیری میں شرط نکاح کی بحث میں ہے: ”(ومنها) ان يكون الايجاب والقبول في مجلس واحد، ۔ ولو اختلف المجلس بان كانا حاضرين فأوجب احدهما فقام الاخر عن المجلس قبل القبول أو اشتغل بعمل يوجب اختلاف المجلس لا ينعقد وكذا اذا كان احدهما غائبا لم ينعقد حتى لو قالت امرأة بحضرة شاهدين زوجت نفسي من فلان وهو غائب فبلغه الخبر فقال قبلت أو قال رجل بحضرة شاهدين تزوجت فلانة وهي غائبة فبلغها الخبر فقالت زوجت نفسي منه لم يجز وان كان القبول بحضرة ذينك الشاهدين وهذا قول ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى“ اھ (فتاوی عالم گیری، ص:۲۶۹، ج:۱، کتاب النکاح)

اس مسئلہ کی پوری تحقیق ہمارے بعض فتاوی میں ہے۔

(۳) لڑکیوں کو اپنے ماں باپ کی رضا اور پسند کا احترام کرنا چاہیے، اس کے برخلاف اقدام نامناسب ہے تاہم اگر کوئی لڑکی عاقلہ بالغہ اپنی مرضی سے رشتے کا انتخاب کرے، لڑکی کا کفو ہو، اس کے

ساتھ اس کا نکاح اولیا کے لیے باعث ننگ وعار نہ ہو اور ایجاب وقبول کے ساتھ شرعی گواہوں کی موجودگی
میں ہو تو نکاح ہمارے ائمہ کرام ومشائخ عظام کے نزدیک منعقد وصحیح ہوگا۔

(۴) جواب نمبر ۳ ر کے مطابق اگر تمام ضروری امور کی رعایت کی گئی ہو تو نکاح کے انعقاد وصحت کا حکم ہوگا اور اگر نکاح کا ایجاب وقبول نہ ہو یا وہاں شرعی گواہ نہ ہوں یا نکاح بدمذہب یا غیر مذہب کے ساتھ ہو تو نکاح نہ ہوگا۔ اجنبی لڑکے اور لڑکی کا باہمی یارانہ یا معاشقہ جائز نہیں اور بدکاری تو سخت حرام وگناہ ہے، ماں باپ پر واجب ہے کہ اپنی اولاد کو بے جا تعلقات سے بچائیں۔

قرآن پاک میں ہے: **قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا**۔ (التحریم، آیت:۶)

(۵) مذہب اسلام میں مدعی پر حلف نہیں، بلکہ اپنے دعوے پر شرعی گواہ کے ذریعہ ثبوت پیش کرنا ہے اور جو دعوے سے منکر ہو اس پر قسم ہے، حدیث پاک میں ہے: "**البینة علی المدعی والیمین علی من انکرہ**" اس لیے اگر لڑکی دعوی کرتی ہے کہ اس نے فلاں سے نکاح کرلیا ہے تو وہ اپنے اس دعوے پر شرعی گواہ پیش کرے۔ آخر نکاح کے لیے گواہ تو ضروری ہیں، تو جن گواہوں کی موجودگی میں اس نے نکاح کیا ہے ان کا نام اور پتہ بتائے اور قاضی شریعت کے یہاں حاضر کرے، یہ مسئلہ دار القضا کا ہے، قاضی جو فیصلہ صادر کرے اس پر دونوں فریق عمل کریں اور قاضی کے فیصلہ سے پہلے نکاح نہ کریں۔

سگی بھانجی سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

(۱) زید نے اپنی سگی بھانجی کے ساتھ دوسرے شہر میں نکاح کیا اور زندگی بسر کررہا ہے، بہت سارے لوگوں کے سمجھانے کے باوجود باز نہیں آیا۔ اب کیا کیا جائے؟

(۲) زید کا باپ جو لڑکے کے نکاح میں موجود تھا اور جان بوجھ کر ساتھ دیا اور کچھ دنوں کے بعد مرگیا۔ اس کی نماز جنازہ میں محلے والے اور رشتے دار کو شامل ہونا جائز ہے؟ کیا زید اگر مرتے وقت توبہ بھی کرلیتا تو اس کی جنازے کی نماز ٹھیک ہے اور جو نماز جنازہ پڑھ چکے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) بھانجی (بہن کی لڑکی) کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: "وَبَنٰتُ الْاُخْتِ" حرام کی گئیں تم پر بہن کی بیٹیاں (بھانجیاں) (قرآن حکیم) عام طور پر مسلمان مردوں

اور عورتوں کو اس حرمت کا علم ہے، اگر زید اور اس کی بھانجی کو بھی یہ علم ہو تو ان کا نکاح حرام و باطل ہوا، یعنی کالعدم۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان دونوں کا سخت بائیکاٹ کردیں، ان کے ساتھ کھانا، پینا، سلام، کلام، اٹھنا، بیٹھنا سب بند کردیں یہاں تک کہ یہ دونوں الگ ہو جائیں۔

(۲) زید کا باپ سخت گناہ گار اور دیوث ہے، مگر اس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہ ہوا کہ بہ اجماع اہل سنت ارتکاب کبیرہ کے باعث مسلمان اسلام سے خارج نہیں ہوتا، بلکہ مسلمان ہی رہتا ہے، اس لیے اس کی نماز جنازہ مسلمانوں پر فرض تھی، اگرچہ اس نے توبہ نہ کی ہو، لہذا امام کے جنازہ پڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی الزام نہیں۔ انھوں نے فرض کفایہ ادا کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خالو سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

زید کی لڑکی اپنے خالو کے ساتھ بھاگ کر چلی گئی اور چند ماہ خالہ کی موجودگی میں خالو کی بیوی بن کر رہی پھر چند ماہ بعد ایک مولانا صاحب نے ان دونوں کو بیٹھا کر مسئلہ سمجھایا۔ اور چند آدمیوں کو گواہ بنا کر ان دونوں کو اس گناہ عظیم سے توبہ استغفار زبان و تحریر دونوں میں کرایا گیا اور برادری میں دونوں کو چالو کرایا گیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اپنی لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کریں تحریر کریں اور جو شخص اس فتویٰ کے خلاف عمل کرے برادری والے اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

الجواب: زید اپنی لڑکی کو اپنے پاس رکھے تا کہ وہ اس پر کنٹرول کر سکے گھر سے نکال دینے کا مطلب اس لڑکی کی آوارگی پر مدد کرنا ہوگا۔ کہ وہ جہاں اور جس کے ساتھ چاہے گی رہے گی تو اس کو آوارگی اور بدچلنی سے روکنے کے لیے ضروری ہے کہ زید اسے اپنے ساتھ رکھے۔ قرآن پاک میں ہے: **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا**۔ (التحریم، آیت: ٦) نیز زید پر لازم ہے کہ جلد از جلد اس لڑکی کا کہیں نکاح کردے حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علی ابیه**۔ جب لڑکا یا لڑکی بالغ ہو جائیں تو باپ ان کا نکاح کردے اور اگر اس نے نکاح نہ کیا اور وہ گناہ کر بیٹھے تو ان کا گناہ باپ پر ہوگا۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۲۷۱ باب الولی فی النکاح)

برادری کے لوگ اس لڑکی پر کڑی نگاہ رکھیں اور اس کے رشتہ کے انتظام میں اس کے باپ کا
تعاون کریں۔ واللہ تعالی اعلم

عورت اگر زنا سے حاملہ ہو تو اس کا نکاح زانی اور غیر زانی سب سے صحیح ہے

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں:

زید اور عمرو، دونوں بھائی ہیں، زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور اس سے دو بچے بھی ہوئے، اس کے بعد ہندہ عمرو کے ساتھ بھاگ گئی اور لگ بھگ چار، پانچ ماہ عمرو کے ساتھ رہی اس کے بعد زید نے اپنی بیوی یعنی ہندہ کو طلاق دی اور اس کے چار ماہ بعد شرعی طریقہ پر ہندہ کی شادی عمرو سے ہوئی لیکن وہ چاروں ماہ عمرو کے ساتھ تھی، آیا یہ نکاح درست ہے کہ نہیں؟ اور لڑکی کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: مستقیم نے زبانی بتایا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد ہندہ کو چار بار حیض آئے، تو اس کے بعد اس کا نکاح عمرو کے ساتھ ہوا۔ اس صورت میں یہ نکاح صحیح ہے۔ زنا کے پانی کا کوئی احترام نہیں، ہندہ اگر چہ عدت کے زمانے میں عمرو کے ساتھ رہی ہے مگر اس کا اثر عدت اور پھر نکاح پر نہ پڑے گا۔ فقہا فرماتے ہیں کہ کوئی عورت زنا سے حاملہ ہو تو اس کا نکاح زانی، غیر زانی سب سے صحیح ہے اور خود زانی سے نکاح ہو تو وہ وطی بھی کر سکتا ہے۔ در مختار میں ہے۔ "**صح نکاح حبلیٰ من زنا**" (الدر المختار، ص:۱۴۱، ج:۴، کتاب النکاح، دار الکتب العلمیہ بیروت) تو جو عورت حمل سے نہ ہو اس کا اس کے آشنا کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم

مہر کی مقدار اور مہر فاطمی کی وضاحت

(۱) آج کل شہر ہو یا دیہات غیر عالم نکاح خواں ہوتے ہیں، عوام کے کہنے پر پانچ سو اکیاون
(۱۵۵) یا سات سو چھیاسی (۷۸۶) روپیہ مہر رکھتے ہیں کہ ہم یہی مہر رکھیں گے اور کہتے ہیں کہ ایک زمانے سے یہی مہر چلا آرہا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اس دور میں کتنے روپے میں مہر رکھی جائے جو مہر شرعی کہلائے؟

(۲) مہر فاطمی کی بھی وضاحت فرمادیں کہ وہ آج کے دور میں کتنی مہر بنتی ہے۔

الجوب: (۱) کم سے کم مہر کی مقدار ۱۰ درہم ہے۔ جیسا کہ ردمختار باب المہر میں ہے: اقلہ عشرۃ دراھم۔ یعنی مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہے۔ (الدر المختار المطبوع مع الرد المختار، باب المہر، ص: ۲۳۰، ج: ۴، دار الکتب العلمیہ بیروت) یعنی ۳۲ ر گرام ۶۵۹ رملی گرام چاندی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے دس درہم کا وزن ۲ ر تولے ساڑھے سات ماشے چاندی لکھا ہے (دیکھیے فتاویٰ رضویہ ص: ۳۲۸ ج ۵/ سنی دار الاشاعت) دوسو درہم چاندی کے انگریزی روپے سے ۵۶ ر روپے ہوتے ہیں اور تولے سے "ساڑھے باون تولے" اس حساب سے دس درہم کے دو روپے اسی پیسے انگریزی ہوئے اور بہر حال اس کا وزن گرام سے وہی ہوا جو اوپر مذکور ہے۔ ۵/ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو چاندی کا ریٹ ۵۰۸۰۰ روپے فی کلو تھا اس حساب سے ۳۲ ر گرام ۶۵۹ رملی گرام کے (۱۶۵۹٫۰۸) ایک ہزار چھ سو انسٹھ روپے آٹھ پیسے ہوے۔ اب اگر کوئی اس سے کم مہر مقرر کرے تو بھی اس کے ذمہ کم سے کم ۳۲ ر گرام ۶۶۹ رملی گرام چاندی یا اس کا دام ضرور واجب ہوگا اور اس پر فرض ہوگا کہ اتنی چاندی یا اس کا دام ضرور ادا کرے۔

(۲) مہر فاطمی دو طرح کا ہے، مہر معجل جو وقت ملاقات پیشگی دیا گیا اور مہر مقرر جس پر عقد نکاح واقع ہوا۔

مہر معجل ۴۸۰ ر درہم تھا، یعنی انگریزی روپے سے (۱۳۴٫۴۰) ایک سو چونتیس روپے چالس پیسے اور رائج وزن سے ایک کلو ۶۶۷ ر گرام ۶۴۱ رملی گرام چاندی۔ اور چاندی کے موجودہ ریٹ سے اناسی ہزار چھ سو چھتیس روپے سولہ پیسے (۷۹۶۳۶٫۱۶)۔

مہر مقرر چار سو مثقال چاندی یعنی ایک سو ساٹھ روپے انگریزی اور رائج وزن سے ایک کلو ۸۶۶/ گرام ۲۴۰ رملی گرام چاندی۔ ۵/ اکتوبر کے چاندی کے ریٹ سے چورانوے ہزار آٹھ سو چار (۹۴۸۰۴) روپے ننانوے پیسے۔

مہر زیادہ سے زیادہ جتنا چاہیں مقرر کر سکتے ہیں، شریعت میں اس کی کوئی حد نہیں، قرآن حکیم میں اس کے لیے "قنطار" کا لفظ وارد ہے جس کا معنی ہے "مال کثیر" اس کا اطلاق کڑوروں پر بھی ہو سکتا ہے۔ علمائے کرام لوگوں کی ذہن سازی کر کے مہر کی مقدار زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کریں۔ اور روپے

کے بجائے چاندی یا سونے کی خاص مقدار مقرر کریں تاکہ عورتوں کا خسارہ نہ ہو۔اس سے طلاق کی کثرت پر بھی انشاءاللہ روک لگے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسائل طلاق

ایک ساتھ تین طلاق نافذ ہے

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام کہ طلاق طلاق طلاق میں تبارک النساء کو طلاق دے دیا ہوں ساتھ میں عدت کا خرچ دیتا ہوں ساتھ ہی ساتھ مہر دین دیتا ہوں، ساتھ ساتھ سارا سامان واپس دیتا ہوں، حاجی حافظ بشیر احمد صاحب کو معلوم کہ اپنی لڑکی کا انتظام کریں ہم کو کوئی مطلب نہیں ہے کب کی گئی ہے، چار دفعہ ہوا ہوگا دن دھرنے آتے ہیں مگر دن نہیں دھرتے ہیں حافظ جی کو معلوم کہ پہلے اپنے داماد سے ملیں گے اس کے بعد کوئی بات ہوگی خط پاتے وقت ہم سے ملیں کیوں کہ خط ہم نے عشق میں لکھ بھیجے ہیں۔

الجواب: اس طلاق نامے کے مطابق شوکت علی انصاری کی بیوی تبارک نساء پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ جلد پانچ صفحہ ۶۱۹ اور صفحہ ۴۰۷،۴۰۸ مطبوعہ مبارک پور میں ہے اور ایک نشست کی تین طلاقیں واقع میں بھی تین ہیں جیسا کہ اس پر صحابہ کرام اور چاروں مذاہب کا اجماع ہے (تفصیل ماہنامہ اشرفیہ شمارہ ستمبر ۲۰۰۴ء میں ہے)

لہٰذا وہ اپنے شوہر شوکت علی کے نکاح سے بالکل نکل گئی، دونوں آپس میں اجنبی مرد عورت سے بھی ہوگئے دونوں اگر ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو عورت حلالہ کرائے اس کے سوا چارہ نہیں، قرآن شریف میں ہے:

"فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ." (البقرہ، آیت:۲۳۰) واللہ اعلم

دینار، دینار سرخ، گنی کی مالیت

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق مغلظہ دے دیا اب ادائیگی دین کے سلسلے میں دریافت یہ کرنا ہے کہ بوقت نکاح زید نے پانچ ہزار روپے اور دو دینار قبول کیا ہے اور دینار کے بارے میں میاں بیوی دونوں کو صحیح علم نہیں رکھتے لہٰذا پانچ ہزار روپے کے ساتھ دو دینار کی موجودہ ہندوستانی کتنی رقم ہوگی جسے ادا

کر دینے کے بعد زید بری الذمہ ہو جائے گا، نیز دینار سرخ اور اشرفی میں کیا فرق ہے؟

(۲) بیوی کی وفات کے بعد مہر کا مصرف؟

بکر نے ابھی مہر مطلق کی ادائیگی بھی نہیں کیا تھا کہ اس کی زوجہ کا انتقال ہو گیا اب بکر مہر کی رقم کس کے حوالے کرے گا، اپنی زوجہ مرحومہ کے کسی رشتہ دار کو یا اس رقم کو غربا میں صدقہ کرے۔ قرآن وحدیث واقوال ائمہ حنفیہ کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون ہوں۔

الجواب: مطلق دینار کا لفظ دینار شرعی اور دینار عرفی دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ دینار شرعی کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے یعنی ۶ گرام ۱۵۶ ملی گرام۔ ہندوستان کے عرف میں دینار یا اشرفی کے لفظ سے ''دینار سرخ'' سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہاں پہلے ''اشرفی'' چلا کرتی تھی جسے اردو زبان میں دینار سرخ بھی کہتے تھے اغلب یہ ہے کہ عوام اسی کو سرخ کی قید ہٹا کر دینار کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب میاں بیوی یعنی زید وہندہ لفظ دینار کے تعلق سے کوئی صحیح علم پر ہی محمول کیا جائے گا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یہاں اسی کا چلن تھا اور جیسا کہ بیان ہوا عوام اس طرح کے الفاظ میں قیود کے ذکر کا اہتمام نہیں کرتے، دوسرے اس وجہ سے کہ اسی میں احتیاط اور حق العبد سے برأت کا کلی اطمینان ہے۔

دینار کا معنی نور اللغات میں ص: ۱۳۹ اور فیروز اللغات ص: ۶۷۳ میں اشرفی، سکۂ طلا، سونے کا سکہ لکھا ہے، اور نور اللغات میں اشرفی کے تعلق سے یہ وضاحت ہے۔

''سونے کا سکہ، صاحب غیاث اللغات نے شرح دیوان خاقانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اشرف ایک بادشاہ تھا جس کے عہد میں یہ سکہ سونے کا جس کا وزن دس ماشے کا ہوا تا تھا۔ رائج ہوا، اسی نسبت سے اسے اشرفی کہتے ہیں'' (ص: ۳۴۲) اس سے معلوم ہوا کہ سونے کے سکے کو اشرفی کیوں کہتے ہیں مگر یہ اس پر نص نہیں ہے کہ ہندوستان میں رائج اشرفی کا بھی وہی وزن ہوتا تھا۔

انگریزی دور کے دو طلائی سکے یعنی دینار سرخ۔ جسے وہ ''گنی'' کہتے تھے، وزن کرائے تو ایک کا وزن ۸ گرام اور دوسرے کا ۱۰ گرام ہوا، بعض سوناروں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ پچاس ساٹھ برس پہلے حبیب بینک نے سونے کا سکہ جاری کیا تھا، اس کو یہاں اشرفی کہتے تھے، اس کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام ہوتا تھا۔

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سابق صدر شعبۂ افتا

جامعہ اشرفیہ اشرفی کا وزن ۱۱ر ماشے بتاتے تھے اپنے فتاویٰ میں بھی یہی لکھا ہے اور سوا گیارہ ماشے کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام کے برابر ہے حضرت نے وہ زمانہ دیکھا تھا جس میں اشرفی چلا کرتی تھی ان کی صراحت قابل اعتماد ہے تو عرف وعادات ناس کے پیش نظر دینار سے مراد دینار سرخ ہی ہونا چاہیے جس کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ رملی گرام ہے، اسی میں احتیاط ہے اور اسی میں حق العبد سے سبکدوشی کا اطمینان بھی ہے اور یہی سابق صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ کا فتویٰ بھی ہے۔ لہذا زید کو اسی حساب سے دو دینار کا دام موجودہ بازار بھاؤ سے معلوم کر کے ادا کرنا چاہیے، ہاں اگر میاں بیوی دونوں یہ متفقہ بیان دیں کہ ان کی مراد دینار شرعی ہے تو پھر اسی کا لحاظ واجب ہوگا اور اگر دونوں کے بیان میں اختلاف ہو تو اسی عرف وعادات ناس کی بنیاد پر حکم مذکور نافذ ہوگا۔ ونظیر هذه المسئلة ماصرح به فی الهداية اول كتاب البيوع بملخصه: ومن اطلق الثمن فی البيع كان على غالب نقد البلد لأنّ المتعارف وفيه التحرى للجواز فيصرف اليه . الاأن ترفع الجهالة بالبيان: اھ ملتقطا (ص:۴۰، ج:۲ مجلس برکات)

(۲) مہر کی یہ رقم تمام وارثوں میں تقسیم کی جائے زید کی زوجہ کی وفات کے وقت اس کے جتنے ورثہ حیات تھے یعنی اس کے باپ، ماں، شوہر، بیٹا، بیٹی وغیرہ ان کو ان کے شرعی حصے کے مطابق ادا کر دیا جائے پھر وہ جہاں چاہیں صرف کریں، سوال میں چونکہ زوجۂ زید کے ورثہ کی تفصیل نہیں ہے اس لیے تقسیم نہ ہو سکی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خلع، طلاق اور جہیز کے ضروری مسائل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

چند معاشرتی مسائل درپیش ہیں، براہ خدا شریعت محمدی کی رو سے ان کا حل بتائیں؟

(۱) عورت اپنی مرضی سے خلع لینا چاہے تو اسے عدت کا خرچ دیا جائے گا یا نہیں؟ اگر دیا جائے تو کتنے دنوں کا؟ اور کتنا؟

(۲) شادی کے وقت مہر ادا نہیں کیا گیا تھا۔ اب خلع کے وقت عورت مہر کا تقاضا کر سکتی ہے یا اسے مہر کی رقم چھوڑنی ہوگی؟

(۳) جہیز میں کچھ برتن، ٹی وی اور فریج ساتھ لائی تھی، کیا خلع کے بعد لڑکے کو وہ ساری چیزیں

لوٹانی ہوں گی؟

(۴) آٹھ برس کی ایک بچی ہے، خلع کے بعد بچی کس کی سرپرستی میں رہے گی؟ اگر ماں کی سرپرستی میں رہے گی تو کیا باپ کو بچی سے ملاقات کا حق ملے گا؟

الجواب: (۱) عورت اپنی مرضی سے خلع لے تو بھی وہ پورے ایام عدت کے نفقہ، پوشاک اور رہائشی کمرے میں سکونت کی حق دار ہے عدت بعد خلع تین حیض ہے۔

(۲) مہر کے بدلے طلاق لینے کا نام ہی خلع ہے، جب وہ مہر کے بدلے خلع لے گی تو مہر پانے کی حق دار نہ ہوگی، وہ تو خلع بہ مہر کی وجہ سے اس کے شوہر کا حق ہو گیا۔

(۳) ہاں جہیز کی ہر چیزیں لڑکی کو لوٹانا فرض ہے، کوئی چیز نہ روکی جائے۔

(۴) یہ بچی نو برس کی عمر تک ماں کی تربیت میں رہے گی، پھر اپنے باپ کے پاس رہے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نشے میں دی گئی طلاق کا حکم

زید و ہندہ میاں بیوی ہیں، زید کمانے کی نیت سے ممبئی گیا ہوا تھا، اور اس کی بیوی اپنے میکے میں تھی، دونوں کے درمیان رابطہ ہوتا رہتا تھا۔ کسی بات کو لے کر دونوں میں تو تو میں میں ہوگئی، تو زید نے پی، سی، او، سے جا کر رابطہ کیا اور بات بھی ہوئی مگر زید کا کہنا ہے مجھے بھانگ کھانے کی عادت تھی اور اس دن اچانک شراب بھی پی لیا تھا جس کے نشے میں مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا کیا بات کی اور کتنی دیر بات کی، بعد میں پی سی او والے نے بتایا کہ تم ڈیڑھ گھنٹے بات کیے ہو۔

دوسرے دن صبح کو میں نے اپنے دوست سے کہا کہ ہمارے سسرال فون لگاؤ تو لگایا، اس پر ہندہ نے کہا کہ تمہارے دوست نے تو معاملہ ختم کر دیا ہے۔ اب کیوں فون لگا رہے ہو، زید وہیں تھا، وہ بولا کہ کیا ختم کر دیا ہے تو بیوی بولی کہ تم نے طلاق دے دیا ہے، زید کا کہنا ہے کہ ہم نے طلاق دیا ہی نہیں، مگر ہندہ اور اس کی ماں وغیرہ کا کہنا ہے، زید نے تین طلاق دے دیا ہے البتہ رات میں فون کرتے وقت زید کی زبان لڑکھڑاہٹ تھی تو کیا ایسی صورت میں زید کی بیوی ہندہ پر طلاق پڑی یا نہیں؟ دونوں میاں بیوی رہ گئے یا

نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: محراب اور بدرالدین دونوں نے بیان دیا کہ ہندہ نے بتایا کہ اس کے شوہر زید (محراب) نے فون پر یہ کہا تھا کہ ''میں مسافر کا لڑکا ہوں، اور منیر کی لڑکی کو طلاق دے رہا ہوں'' شوہر محراب نے بیان دیا کہ: ''اسے بات کرتے وقت اتنا ہوش تھا کہ وہ اپنی بیوی سے بات کر رہا ہے اور اسی کو طلاق دیا، پہلے دو طلاقیں دی، پھر جب بیوی نے برا بھلا کہنا شروع کیا تو کئی طلاقیں اور دے دیں۔''

ان بیانات کی روشنی میں حکم ہے کہ زید (محراب) کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں اور وہ اس کے نکاح سے ایسی نکل گئی کہ اب بے حلالہ دونوں کا باہم نکاح جدید بھی نہیں ہو سکتا، دونوں ساتھ میں رہنے پر راضی ہوں تو ہندہ اس طلاق کی عدت گزرنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح صحیح کرے، وہ اس کے ساتھ جماع بھی کرے، پھر اگر وہ طلاق دے دے تو ہندہ اس طلاق کی عدت بھی گزارے، اس کے بعد زید (محراب) کے ساتھ اس کا نکاح ہو سکتا ہے، حیض والی عورت کے لیے عدت طلاق تین حیض ہے، یعنی تین بار حیض آکر گزر جائے۔ ارشاد باری ہے: ''فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ.'' (البقرہ، آیت: ۲۳۰) واللہ تعالیٰ اعلم

شراب کے نشے میں دی گئی طلاق کا حکم

عبدالرحمٰن نے شراب کے نشے میں اپنی بیوی کو مارا پیٹا اور بیوی سے کہا جا، میں نے تم کو طلاق دے دیا، تم کو طلاق دے دیا، جا میں نے تم کو طلاق دے دیا۔ جا میں نے تم کو طلاق دے دیا۔ اس وقت گھر میں کوئی نہیں تھا، دونوں میاں بیوی تھے اور اب کہتے ہیں، میں نے طلاق نہیں دیا۔ قسم بھی کھاتے ہیں۔ اب اس گھر میں بیوی رہنا چاہے تو رہ سکتی ہے؟ لیکن طلاق بولے ہیں، اس کے بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: شراب کے نشے میں شوہر طلاق دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وطلاق السکران واقع اذا سکر من الخمر أو النبیذ وھو مذھب اصحابنا رحمھم اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط۔ اھ (الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، فصل فی من یقع طلاقہ وفی من

لایقع طلاقہ ،ص:۳۵۴،ج:۱،دار الکتب العلمیہ) شریعت نے اسے مرفوع القلم نہیں مانا ہے ورنہ دنیا سے امان اٹھ جائے ،اگر فاطمہ کوثر کے سامنے اسے طلاق دی ہے اور اس نے خود سنا ہے تو وہ ضرور مطلقہ ہے، اسے عبدالرحمٰن کے ساتھ رہنا حلال نہیں ،عبدالرحمٰن کی نگاہ میں اگر وہ سچی ہو تو یہ اس کی بات پر اعتماد کرے اور ایک مدہوش شرابی کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ،ایک نشست میں دی گئی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں ،اس کا ثبوت کتاب اللہ ،سنت رسول اللہ و اجماع سے ہے۔ دونوں ساتھ میں رہنا چاہتے ہیں تو عورت حلالہ کرائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

طلاق کے چند ضروری مسائل

زید کی شادی ۲۰۰۶ء میں ہندہ کے ساتھ ہوئی تھی ،دو سال تک ہندہ کا اپنے گھر (سسرال) آنا جانا رہا اور ۲۰۰۸ء میں زید اور ہندہ کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے دونوں طرف سے کچہری عدالت میں مقدمات چلنے لگے۔

(۱) اب ہندہ کہتی ہے کہ ۳ رسال تک تعلقات بحال نہ ہونے کی صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا اور ہندہ بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے ،کیا ہندہ کا یہ قول درست ہے ،بحوالہ کتب جواب مطلوب ہے۔

(۲) اگر ہندہ زید سے طلاق مانگتی ہے تو از روئے شرع زید ہندہ کو شرعی کون سے مطالبات ادا کرے گا۔

(۳) زید اور ہندہ سے ایک لڑکے کی پیدائش بھی ہوئی ہے جس کی عمر اس وقت تقریباً ۵ رسال کی ہے ،لڑکے کی کفالت کا ذمہ دار کون ہوگا ،ماں یا باپ؟

الجواب: (۱) ہندہ غلط کہتی ہے ،طلاق کا اختیار شوہر کو ہے ،وہ جب تک طلاق نہ دے ،پھر عدت نہ گزر جائے ،ہندہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ قرآن حکیم میں ہے: ''**بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ**'' حدیث میں ہے: ''**انما الطلاق لمن اخذ بالساق**۔''

(۲) زید طلاق دے گا تو اس کے ذمہ ہندہ کی رہائش اور خوراک و پوشاک کا انتظام عدت کے دنوں تک واجب ہوگا ،نیز پورا مہر مقرر دینا واجب ہوگا اور جہیز کے تمام سامان جو ہندہ میکے سے لائی تھی (وہ سب) واپس کرنا ہوگا۔

(۳) بچہ سات سال کی عمر تک ماں کے پاس رہے گا اور پرورش و تعلیم وغیرہ کے جملہ اخراجات باپ کے ذمہ ہیں بلکہ ہندہ چاہے تو اس کی پرورش کی اجرت بھی دینی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حلالہ کے لیے وطی کی ایک صورت کا جواز

حلالہ کے لیے وطی کی ایک صورت بعض اشخاص نے یہ اختیار کی ہے کہ آلۂ تناسل پر کنڈوم لگا کر وطی کرتے ہیں، اس سے فریقین کا مقصود ایک تو کسی متعدی مرض مثلاً ایڈس سے حفاظت ہے، دوسرے استقرار سے حفاظت بھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا کنڈوم لگا کر وطی کرنے سے عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو جائے گی؟

الجواب: ہاں حلال ہو جائے گی، کیوں کہ کنڈوم کی وضع اس غرض کے لیے ہوئی ہے کہ میاں، بیوی جماع کی لذت سے محفوظ ہوں اور استقرار نہ ہو، کنڈوم زوجین کو ایک دوسرے کے عضو خاص کی حرارت محسوس ہونے سے مانع نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کا استعمال عام ہے، اس کی نظیر فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ شوہر نے آلۂ تناسل پر کپڑا لپیٹ کر جماع کیا اور وہ حرارت محسوس ہونے سے مانع نہیں تو حلالہ صحیح ہے۔ حلالہ کی صحت کے لیے بنیادی شرط ہے لذت جماع کا احساس جو حدیث نبوی "**لا حتی تذوقی عسیلته ویذوق عسیلتك**" سے ثابت ہے۔ یہ بات حضور سید عالم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر کے نکاح میں آنے کے بعد بلا جماع شوہر اول کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی تھی، تو آپ نے فرمایا: نہیں یہاں تک کہ تم اس کا مزہ چکھ لو اور وہ تمہارا مزہ چکھ لے۔

فتح القدیر میں ہے: "**(والشرط الایلاج) بقید کونه عن قوة نفسه وان کان ملفو فا بخرقة اذا کان یجد لذة حرارة المحل. اھ**"

حلالہ صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ شوہر آلۂ تناسل کی قوت سے دخول کرے، اگر چہ اس پر کپڑا لپیٹ کر کے دخول کرے، جب کہ اسے فرج کی حرارت محسوس ہو۔

(فتح القدیر، ص: ۱۶۰، ج: ۴، فصل فیما تحل، المطلقة من کتاب الطلاق)

ایسا ہی درمختار ورد المحتار ص: ۵۸۶، ج: ۲، باب الرجعة میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کیا کنڈوم لگاکر حلالہ درست ہوگا؟

حلالہ کے لیے وطی کی ایک صورت بعض اشخاص نے یہ اختیار کی ہے کہ آلۂ تناسل پر کنڈوم لگا کر وطی کرتے ہیں اس سے فریقین کا مقصود ایک تو کسی متعدی مرض مثلاً ایڈس سے حفاظت ہے دوسرے استقرار سے حفاظت بھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا کنڈوم لگا کر وطی کرنے سے عورت شوہر اول کے لیے حلال ہوگی؟

الجواب : ہاں! حلال ہو جائے گی، کیوں کہ کنڈوم کی وضع اس غرض کے لیے ہوئی ہے کہ میاں، بیوی جماع کی لذت سے محظوظ ہوں اور استقرار نہ ہو کنڈوم زوجین کو ایک دوسرے کے عضو خاص کی حرارت محسوس ہونے سے مانع نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کا استعمال عام ہے۔ اس کی نظیر فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ شوہر نے آلۂ تناسل پر کپڑا لپیٹ کر جماع کیا اور وہ حرارت محسوس ہونے سے مانع نہیں تو حلالہ صحیح ہے۔ حلالہ کی صحت کے لیے بنیادی شرط ہے لذت جماع کا احساس جو حدیث نبوی "**لا حتی تذوق عسیلته ویذوق عسیلتك**" سے ثابت ہے۔ یہ بات حضور سید عالم ﷺ نے حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی مطلقہ عورت سے فرمائی تھی جب انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن بن زبیر کے نکاح میں آنے کے بعد بلا جماع شوہر اول کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی تھی، تو آپ نے فرمایا: نہیں یہاں تک کہ تم اس کا مزہ چکھ لو اور وہ تمہارا مزہ چکھ لے۔ فتح القدیر میں ہے: **(والشرط الایلاج) بقیدکونه عن قوّة نفسه وان کان ملفوفاً اذا کان یجد لذة حرارة المحل** ۔اھ حلالہ صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ شوہر آلۂ تناسل کی قوت سے دخول کرے اگر چہ اس پر کپڑا لپیٹ کر کے دخول کرے جب کہ اسے فرج کی حرارت محسوس ہو۔

(فتح القدیر، ص: ۱۶۰، ج: ۴ فصل فیما تحل به المطلقة من کتاب الطلاق) واللہ تعالیٰ اعلم

دوسروں کے ذریعہ بھیجے گئے میسیج سے طلاق کا حکم

بکر کی شادی زید کی لڑکی ہندہ کے ساتھ ہوئی، دو سال قبل بکر دو سال تک شادی کے بعد کام کاج نہ کرنے کی وجہ سے بکر اور اس کی بیوی ہندہ کے ساتھ آپسی تعلقات اچھے نہ تھے، جس کی بنیاد پر موبائل میں

ایک میسج: بکر کی بیوی ہندہ کی ایک سہیلی کے موبائل پر جس میں طلاق کے بارے میں لکھا گیا ہے، بکر کا کہنا ہے کہ میں نے یہ میسج نہیں بھیجا ہے، بلکہ میں نے اپنی داستان اپنے ایک دوست کو سنائی تو اس نے یہ میسج بھیجا ہے۔ بکر کا کہنا ہے کہ میں نے اس کو اجازت نہیں دی تھی، بلکہ اس نے اپنی مرضی سے بھیج دیا ہے، اب یہ بات عمل نہیں ہو رہی ہے، اس پر علمائے کرام و مفتیان عظام کا کیا کہنا ہے اور اس کی صورتیں کیا ہیں؟

اگر بکر نے میسج بھیجا ہے تو اس پر حکم کیا ہے اور اگر بکر کے دوست نے ڈرانے دھمکانے کے لیے بکر کے کہنے کی وجہ سے بھیجا ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟ اور اگر بکر کے پتہ چل جانے کے بعد بکر نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ میسج یہ ہے: "طلاق دینے والا ہوں، بکر فون کرنا ورنہ یاد رکھنا۔ طلاق دوں، طلاق دیا، طلاق دیا، اس میسج سے کس کی طرف مخاطب ہے، اس کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔"

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ پر کوئی طلاق نہیں واقع ہوئی، کیوں کہ میسج میں طلاق کی اضافت ہندہ کی طرف نہیں ہے، نہ وہ اس کی مخاطب ہے، نہ اسے میسج بھیجا گیا جب کہ طلاق واقع ہونے کے لیے بیوی کی طرف طلاق کی اضافت ضروری ہے، ہاں نیت میں اضافت بھی وقوع طلاق کے لیے کافی ہوتی ہے۔ مگر یہاں جب زید میسج بھیجنے کا ہی منکر ہے تو نیت کا کیا سوال؟ سوال لانے والے نے زبانی بتایا کہ بکر نے اپنے دوست سے یہ کہا تھا کہ میرے سسرال والوں کو ڈرانے کے لیے کوئی میسج بھیج دو، تو اس کے دوست نے وہ میسج بھیجا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ میسج بیوی کو طلاق دینے کے لیے نہیں بلکہ سسرال والوں کو ڈرانے کے لیے ہے۔ اسے بکر کا ٹھیک کہنا بھی اسی نیت کی تصدیق ہے۔ اس لیے حکم یہ ہے کہ ہندہ پر طلاق واقع نہ ہوئی، بکر اور ہندہ دونوں اب بھی باہم میاں بیوی ہیں۔ آئندہ بکر ایسی حرکت نہ کرے اور اس کے خسر کو ہدایت ہے کہ داماد کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں، اس پر ہاتھ چلانا زیادتی ہے، شوہر کو یہ حق کہ بیوی کو اپنے ساتھ رکھے، اس لیے خسر کو چاہیے تھا کہ اس کی بیوی کو اس کے ساتھ اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے رخصت کر دے۔ اور بکر پر بھی لازم ہے کہ خسر کا اکرام باپ کی طرح سے کرے اور بے ادبی کے ساتھ پیش نہ آئے۔

سوال لانے کے بیان سے معلوم ہوا کہ ہندہ کی رخصتی کے معاملہ کو لے کر داماد و خسر میں بات آگے بڑھی، یہاں تک کہ خسر نے داماد کو مار بھی دیا، اس لیے دونوں کو یہ ہدایت کی گئی۔

واضح ہو کہ اگر درج بالا میسیج خود بکر نے ہی ڈرانے کے لیے بھیجا ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ طلاق نہ پڑی۔

موبائل فون سے خبر طلاق کا حکم

زید کی شادی اس کی چچازاد بہن ہندہ سے ہوئی تھی۔ زید کے چھوٹے بڑے کئی بچے ہیں۔ زید کی غلط عادتوں کی وجہ سے والدین نے بیزار ہو کر اخبار میں اشتہار دے دیا کہ میں نے زید کو اپنی جائداد سے بے دخل کر دیا اور آج سے زید کے ساتھ میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ خبر شائع کرانے میں زید کے سسر جو کہ سگے چچا ہیں، ان کا بھی ہاتھ تھا۔ یہ خبر مشتہر ہونے پر زید کے قرض خواہوں نے ڈرایا، دھمکایا اور مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ زید پریشان ہونے کی وجہ سے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو فون کر کے بولا کہ میرے والد اور سسر کی وجہ سے آج مجھے یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے، اس لیے میں بیوی کو طلاق دے دوں گا۔ اس کے بعد ایک طلاق زید نے اپنی بیوی کو دے دی اور پھر سسر کو فون کر کے بولا کہ میں نے طلاق دے دی ہے۔ دو چار روز میں کورٹ سے بھی طلاق کی نوٹس آجائے گی۔ لیکن فون پر نہ تو بیوی کا نام لیا اور نہ ہی کتنی طلاق دی اس کا ذکر کیا، بلکہ غصے میں یہ جملہ بول کر فون بند کر دیا۔ ایک طلاق دینے کے ایک ماہ بعد قرض خواہوں کی قانونی کارروائی کی وجہ سے زید جیل چلا گیا اور جیل جانے کے ایک ماہ بعد بقرعید کے تہوار پر یعنی ایک طلاق دینے کے تقریباً دو ڈھائی ماہ بعد زید نے فون پر اپنی بیوی سے بات چیت کی اور حال چال لیا، لیکن طلاق کے بارے میں بیوی سے کچھ نہیں بتایا۔ اور اب تک طلاق کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ تقریباً ڈھائی سال جیل میں رہ کر اب زید رہا ہوا ہے۔ لیکن جیل میں جانے کے بعد پہلی بقرعید پر جو بیوی سے بات ہوئی اس کے بعد دوبارہ بات نہ ہو سکی۔ اور دونوں ایک دوسرے سے جدا بھی ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کون سی؟

نوٹ: زید نے فون پر اپنے سسر کو کہا تھا کہ دو چار روز میں کورٹ سے طلاق نامہ آجائے گا، لیکن تین سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اب تک کورٹ سے کوئی طلاق نامہ نہیں آیا۔

الجواب: سائل کا یہ بیان "اس کے بعد ایک طلاق زید نے اپنی بیوی کو دے دی" اگر واقعہ کے مطابق اور صحیح ہے تو زید کی بیوی پر طلاق دیتے ہی ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی، پھر اگر عدت کے

درمیان زید نے اس سے رجعت نہیں کی، یہاں تک کہ عدت کے دن گزر گئے تو وہ زید کے نکاح سے نکل گئی، اس صورت میں وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ فون پر اس نے اپنے سسر سے جو کچھ کہا وہ دی ہوئی طلاق کی خبر ہے۔ اس کا طلاق کے وقوع سے کوئی تعلق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کورٹ اور طلاق کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ہندہ بذریعہ کورٹ اپنے شوہر زید کے ساتھ نہ رہنے (جدائی) کی اجازت لینا چاہے اور زید کی رضا مندی پر کورٹ ساتھ نہ رہنے کا حکم نافذ کر دے تو ایسی صورت میں از روئے شرع طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: کورٹ کا بیوی ہندہ کو اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنے کی اجازت دینا محض ایک قانونی اجازت ہے، طلاق نہیں۔ ہندہ اگر عمر بھر شوہر سے الگ رہے تو محض طلاق واقع نہ ہوگی۔ طلاق کا اختیار اسلام نے صرف شوہر کو دیا ہے۔ وہ طلاق دے گا تو طلاق پڑے گی اور نہیں دے گا تو نہیں پڑے گی۔ قرآن حکیم میں ہے: ''بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔'' یعنی شوہر ہی کے ہاتھوں میں نکاح کی گرہ ہے۔

اگر زید و ہندہ میں دوریاں زیادہ ہوگئی ہوں اور باہم نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو زید ہندہ کو ایک طلاق سنت دے کر آزاد کر دے یا ہندہ کورٹ کے ذریعہ اس سے طلاق حاصل کر لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ایک ساتھ دی گئی تین طلاق کا حکم

بلال احمد ولد شریف ساکن اسلام پورہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ نے اپنی اہلیہ رشیدہ خاتون بنت محمد کلام الدین انصاری کو پنچ (پنچایت کے لوگ) کے سامنے تین طلاق دیا اور یہ بھی طے ہوا کہ عدت اور جہیز کا سامان چند دن میں رشیدہ خاتون کے ولی و ذمہ دار آ کر لے جائیں گے، کچھ دن گزرنے کے بعد رشیدہ خاتون اور ان کے گھر والے کہتے ہیں کہ ہم طلاق کو نہیں مانتے۔ سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی کہ نہیں ہوئی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں بلال احمد کی بیوی رشیدہ خاتون پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل کر اس پر حرام ہوگئی۔ اب وہ اس کے لیے بغیر حلالہ حلال نہ ہوگی۔ ایک ساتھ

دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اس پر چاروں مذہب کے اماموں کا اور حضرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجماع ہے اور اس سے انحراف سبیل المومنین سے انحراف ہے، اس لیے بلال احمد اور رشیدہ خاتون دونوں اجنبی بلکہ اس سے بڑھ کر ہو گئے، دونوں الگ ہو جائیں، تحقیق اور تفصیل کے لیے کتاب ''ایک نشست میں تین طلاق'' کا مطالعہ کریں جو اسی فتوے کے ساتھ منسلک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

زید نے اپنی بیوی کو صرف دو طلاقیں دیں

کسی معاملے کے تحت باپ بیٹے میں جھگڑا ہو گیا، دوران جھگڑا باپ نے کہا کہ اگر مجھ سے بدتمیزی کرو گے تو تمہاری ماں کو چھوڑ دوں گا، ان بیٹوں نے گالی گلوج کرتے ہوئے کہا کہ چھوڑ دو تو دیکھیں، جس کے باعث باپ غصہ سے پاگل جیسا ہو گیا اور اسی شوروغل کے ماحول میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا۔ بعد میں سکون ہونے پر کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی بار کہا، ذہن پر زور دیتے ہوئے ایک یا دو بار کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے لڑکے نے کہا کہ تین بار کہا ہے، کچھ دنوں تک باپ اس پس و پیش میں رہا کہ میں نے کتنی بار کہا ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے، لڑکے کے کہنے پر میں خاموش ہوں کہ شریعت کا معاملہ ہے، کہیں میں گنہگار نہ ہو جاؤں، جب کہ جھگڑے کے دوران صرف اس کی فیملی کے لوگ تھے، باہری لوگ یا بھائی وغیرہ نہیں تھے، جتنی باتیں گزریں سب لڑکوں کے سامنے، ایسی صور ۔ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سائل محمد ابراہیم نے میرے سامنے بیان دیا کہ اسے یقین ہے کہ اس نے تین بار طلاق نہیں دی ہے، صرف دو بار طلاق دی ہے، لڑکا غلط بیان دے رہا ہے۔ جھوٹا ہے اسی سے میرا، جھگڑا ہوا ہے اور اس نے مجھے مارا بھی۔ باپ کا بیان صحیح ہے تو لڑکے کا بیان قابل قبول نہیں، ایک تو اسی سے کہ باپ کو مارنے کی وجہ سے فاسق ہے، دوسرے تنہا ہے اور باپ کو تین طلاق نہ دینے پر یقین ہے، اس لیے حکم یہ ہے کہ محمد ابراہیم ولد محمد یاسین کی بیوی پر دو طلاق واقع ہو گئیں، اگر اس سے پہلے وہ کوئی اور طلاق نہیں دے چکا تو وہ عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے، یعنی دو دین دار مسلمانوں کے سامنے کہے کہ میں نے اپنی بیوی فلانہ سے رجوع کیا، اسے لوٹا لیا۔ ارشاد باری ہے: ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ''۔ اگر باپ یا بیٹا میں سے کوئی جھوٹا ہے تو اس کا وبال اس کے سر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

طلاق کنایہ کی ایک صورت

(۱)زید نے نکاح کے بعد اپنے بھائی سے کہا کہ تم میری بیوی کو قبول کرلو، یوں ہی اپنے گھر والوں سے کہا کہ آپ لوگ بھائی سے میری بیوی کا نکاح کر دیجئے، اس طرح کے الفاظ طلاق کی نیت سے کہنے پر طلاق ہوگی یا نہیں؟

(۲)فلاں نے اپنی بیوی سے کہا تم سے میرا دل نہیں لگتا، اپنے والد کو بلاؤ ہم تم کو چھوڑ دیں گے ہم کو جو سمجھ میں آئے کرسکتی ہو۔ بعدہ لڑکی کے والد نے زید کو کہا کہ تم میری بیٹی کے بارے میں ٹینشن مت لو، بیوی نے بھی کہا، جاؤ تم آزاد ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب زید پر کیا حکم صادر ہوگا؟

(۳)زید کو تردد ہوتے رہتا ہے اس بات پر کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں، تو ایسی صورت میں احتیاطاً نکاح کرے گا یا نہیں۔

(۴)زید نے اپنے دوست سے کہا کہ میں احتیاطاً اپنی بیوی کا حلالہ کرنا چاہتا ہوں تو اس کے دوست نے کہا کہ تم نے تین طلاقیں دی ہیں؟ اس نے کہا کہ مجھے شک لگ رہا ہے، اب زید پر کیا حکم صادر ہوگا۔

الجواب: ''آپ لوگ بھائی سے میری بیوی کا نکاح کر دیجئے'' یہ لفظ طلاق کنایہ کے الفاظ سے ہے، شوہر کی نیت اس لفظ سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ فتاوی رضویہ میں ہے: ''آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کر دو'' دوسرے سے نکاح زن کی اجازت دینی بے شک کنایات طلاق سے ہے اور اس خط کی عبارت اول تا آخر نیت ازالۂ نکاح میں ظاہر، اور ان کنایوں سے طلاق بائن ہی پڑتی ہے۔'' (ص:۶۶۷، ج:۵ رضا اکیڈمی، ممبئی)

اگر شوہر کو نیت طلاق کا اقرار ہو تو ٹھیک، ورنہ اسے باوضو مسجد میں لے جائیں اور علما و عوام مسلمین کے سامنے وہ اللہ کی قسم کھا کر نیت طلاق کا انکار کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

"تم کو میں نے چھوڑ دیا" طلاق صریح ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

زید و ہندہ دونوں میاں بیوی ہیں، زید نے ارادہ کیا کہ بیوی کی بے عزت کرتا ہے، بیوی چرخہ پر بیٹھی تھی زید نے کہا، بھاگ جاؤ تم ختم ہو، میں نے تم کو چھوڑ دیا اور میں غصہ میں چور تھا اور میری بہو نے بھی اس بات کو سنا، باہر نکلا میں، اس کا ایک بھتیجا ملا پڑوس کا اُس نے کہا کیا بات ہے، میں نے کہا کہ میں نے تمہاری بوا کو چھوڑ دیا، اس سے بھی میں نے یہ سوچ کر کہا تھا، ہنگامہ بڑھے تا کہ لوگ جانیں کہ میرے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا تھا۔ میں نے صرف ڈرانے کے لئے کہا تھا، اگر طلاق دینا ہوتا تو لفظ طلاق کہتا۔ پوچھنا یہ ہے کہ زید اور ہندہ دونوں میاں بیوی ہیں یا نہیں اور کتنی طلاق واقع ہوئی؟

الجواب: "میں نے تم کو چھوڑ دیا" یہ کلمہ طلاق کے الفاظ صریحہ سے ہے اور زید نے دوبار یہ کلمہ کہا، اس لئے اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوئی، اگر دونوں ساتھ میں رہنے پر راضی ہوں تو عدت کے اندر زید رجعت کرلے۔ رجعت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زید دو دین دار مردوں کو گواہ بنا کر کہے کہ "میں نے ہندہ کو واپس لیا" نکاح جدید یا حلالہ کی حاجت نہیں ہاں! اگر رجعت نہیں کی تو عدت کے بعد نکاح جدید کرنا پڑے گا اور اگر اس سے پہلے اس نے ایک طلاق اور کبھی دی ہو یا آئندہ کبھی دے تو بغیر حلالہ کے نکاح جدید کی کوئی راہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسائل خرید و فروخت

صراف کا چاندی کو اپنے پاس رکھ لینا کیسا ہے؟

معدنیات سے مخلوط مٹی صراف کے حوالے کر دیتے ہیں، وہ مٹی سے معدنیات (سونا، چاندی، لوہا وغیرہ) کو الگ کرنے کے بعد تیزاب ایسڈ کے ذریعہ سونے کو دوسری معدنیات سے الگ کرتا ہے۔ سونا تو سونے کی شکل میں الگ ہو جاتا ہے اور چاندی پانی کی شکل میں رہ جاتی ہے، جو بعد میں جم کر چاندی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور دوسرے معدنیات لوہا وغیرہ بخارات بن کر اڑ جاتے ہیں۔ اب صراف مٹی کے مالک سے سونے کا دام طے کر کے اسے خرید لیتا ہے۔ پھر اس کا دام بھی ادا کر دیتا ہے، مگر چاندی کے تعلق سے

دونوں افراد میں کوئی گفتگو نہیں ہوتی، بلکہ عموماً مٹی کے مالکان چاندی سے بے خبر ہوئے ہیں اور صراف بغیر کچھ بتائے بلاعوض چاندی پر اپنا قبضہ جمالیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ صراف کا چاندی کو اپنے پاس رکھ لینا کیسا ہے؟

الجواب: صراف کا چاندی کو بلا اجازت اپنے پاس رکھ لینا جائز نہیں کیوں کہ اس چاندی کا مالک وہی ہے جو سونے اور مٹی کا مالک ہے جیسا کہ یہ بہت واضح ہے۔ اور دوسرے کی چیز بغیر اس کی اجازت کے رکھ لینا غصب ہے، جو حرام و گناہ ہے۔ ممکن ہے صراف وہ چاندی اپنے کام کی اجرت میں رکھ لیتا ہو، وہ سوچ سکتا ہے کہ اس نے مالک کے لیے مٹی سے سونا نکالنے میں محنت کی ہے، وقت لگایا ہے اور اپنا کچھ مال بھی صرف کیا ہے، اس لیے وہ اجرت کا حق دار ہے۔ مگر اجرت کے طور پر بھی اسے اپنے پاس رکھ لینا جائز نہیں، کیوں کہ جب فریقین کے درمیان اجرت دینے لینے کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے تو وہ اجرت کا حق دار نہیں، اور اس کی یہ خدمت مٹی کے مالک کے ساتھ تبرع و احسان ہے۔ اور اگر ان کے درمیان اجرت دینے، لینے کا معاہدہ بھی ہو تو بھی وہ چاندی اجرت میں دینا، لینا ناجائز ہے، کہ کیے ہوئے کام کا کچھ حصہ اجرت مقرر کرنا قفیز طحان کے حکم میں ہے، جس سے حدیث نبوی میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اجرت کی مقدار مجہول ہے، اس لیے بھی یہ اجارہ فاسد ہوگا۔ حل کی رائے یہ ہے کہ:

(الف) فریقین اجرت مقرر کرلیں، مثلاً دو سو روپے یا کم و بیش، پھر جب چاندی کا مالک صراف کے ہاتھ وہ چاندی بیچ دے، پھر یہ دام کو اجرت میں مجرا کردے فقہا اسے مقاصد کہتے ہیں اور اس کی اجازت دیتے ہیں۔

(ب) یا چاہیں تو اجرت کا ذکر نہ کریں اور ''احسان کا بدلہ احسان'' کی روش اپنائیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ صراف مٹی کے مالک کو بتا دے کہ تمہاری مٹی سے چاندی بھی نکل سکتی ہے، یا تمہارے لیے مباح کی، یا تمہیں دی، یا وہ تمہاری ہے، تم اسے اپنے تصرف میں لے سکتے ہو۔ اس طرح اسے چاندی بھی مل جائے گی اور غصب کے گناہ سے بھی محفوظ رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دکان اور مکان کی پگڑی کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام: متصل مسجد سے لگی ہوئی زمین پر توسیع کا کام کیا گیا جس میں چھت یعنی لینٹر پر نماز ادا ہوگی اور لینٹر کے نیچے کچھ کمرے نکالے گئے ہیں جن کو دوکان یا گودام کے لیے کرایہ پر دیا جانا ہے۔

عرض یہ ہے کہ جیسا آج کل رواج ہے کہ لوگ کرایہ کے علاوہ جگہ کی اہمیت کے حساب سے کچھ رقم الگ سے دیتے ہیں جس کو عام زبان میں "پگڑی" کہا جاتا ہے جسے "پگڑی" لفظ استعمال نہ کرتے ہوئے آج کل "پریمیم" کے لفظ سے بولا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ کسی مسلم کرایہ دار سے یہ رقم جو کرایہ کے علاوہ لی جائے اسے کس صورت میں لیا جائے جب کہ یہ رقم واپس یا کرایہ میں "مجرا" نہیں ہونی ہے مسجد کے باقی کام مین تعمیر و توسیع میں لانی ہے۔.

اگر یہی رقم کسی غیر مسلم کرایہ دار سے لینی ہو تو کس شکل میں لی جاسکتی ہے۔؟ یہ رقم مسجد کے باقی تعمیر و توسیع میں استعمال کی جاسکتی ہے؟ حالات حاضرہ کے مطابق ہر قوم ہر شی ترقی پر ہے، ہر جگہ دکان، مکان، جائداد کی اہمیت بڑھ چکی ہے اور بڑھتی ہی جارہی ہے تو کیا مسجد مدرسہ وقف کی جائداد، عمارت، ملکیت اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی؟ وقف کرنے والا تو اس دار فانی سے رخصت ہو کر ثواب جاریہ کا منتظر ہے۔ اور بجائے ان جائدادوں کو درست کر کے نئے حساب سے فائدہ اٹھانے کے پرانے ہی نسخے اپنائے جاتے ہیں، ہر جگہ ان کی اہمیت ۱۰، ۲۰، ۵۰، ۱۰۰ اروپیہ ہی کرایہ پر رہ جاتی ہے، ہمیں اپنے لیے مکان ردکان، کاروبار کے لیے ضرور کرایہ پر دینے یا لینے کی ہو تو وہاں پر ہم سب شریعت کو طاق پر رکھ دیتے ہیں۔ اگر مسجد، مدرسہ یا وقف کی کسی عمارت یا ملکیت کو کرایہ پر اٹھانا ہو تو یا اچھی مارکیٹ ویلو کے حساب سے لینا دینا چاہتے ہوں تو وہاں پر شریعت کیا کہتی ہے یا شریعت کو ذاتی مفاد کے لیے بہانہ بنا کر استعمال کر لیا جاتا ہے، بڑا افسوس ہے برائے مہربانی اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: شریعت اسلامیہ دور جدید میں نہیں آئی بلکہ عہد قدیم سے امت کی رہنمائی کر رہی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ جب آپ شریعت کا مسئلہ دریافت کریں گے تو وہی قدیم نسخہ آپ کو پیش کیا جائے

گا۔ اب کوئی نیا آسمانی حکم نہیں نازل ہو رہا ہے کہ آپ کو جدید نسخہ پیش کیا جائے ہمارا کام بس یہ ہے کہ قرآن وحدیث وفقہ میں مسئلے کا جواب ہے اسے نقل کر دیں نہ کہ اپنی طرف سے کوئی نیا نسخہ پیش کریں۔ رہ گئی بات ثواب کے انتظار کی تو واقف کو قدیم نسخہ کے مطابق باذن اللہ تعالیٰ ثواب پہنچتا رہتا ہے اس کے لیے آپ پریشان نہ ہوں۔

پگڑی کی حقیقت میں نظر دوڑائیے تو معلوم ہوگا کہ یہ نہ تو ہدیہ ہے نہ تحفہ، نہ ہی کسی چیز کا معاوضہ، بلکہ اپنا کام نکالنے اور اپنی غرض پوری کرنے کے لیے ایک فاضل رقم کی پیش کش ہے ایسی فاضل رقم کو رشوت کہا جاتا ہے جو قدیم نسخے میں حرام ہے، جس پر سخت وعید آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**الراشي والمرتشي في النار**" ترجمہ: رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ (الترغیب والترھیب للمنذری، کتاب القضا، ص: ۱۸۰، ج: ۳، مطبع مصطفیٰ) اور آج کے جدید نسخہ "دنیاوی قانون" میں بھی اس کی اجازت نہیں، اگر چہ عمل کے لحاظ سے آج کی دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور اس کے سوا بھی بہت کچھ ہو رہا ہے، جو بلا شبہ قانون شکنی ہے۔

آج چونکہ مسلمان بھی اپنی شامت اعمال سے اس میں مبتلا ہو چکے ہیں اس لیے ان کو گناہ سے بچانے اور ان کے رزق کو حلال رکھنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ معاہدہ یوں کریں کہ دکان، مکان پر قبضہ کرنے کے دن کی اجرت یا کرایہ مثلاً ایک لاکھ روپے ہے۔ (یعنی اتنا بتائے جتنا پگڑی کے طور پر دینا مقصود ہو) اور اس کے بعد ماہ بماہ ہر مہینہ کا کرایہ اتنا (جتنا طے ہو وہ بتائے) اس طور پر وہ خطیر رقم بھی کرایہ ہو جائے گی اور اس کا لینا دینا جائز ہوگا۔ یہ حکم مسجد کی دکانوں کا بھی ہے اور اپنی نجی دکانوں کا بھی، یوں ہی مدرسہ اور دوسرے اوقاف کی دوکانوں کا بھی البتہ اوقاف کی دوکانوں میں معاہدہ کے وقت یہ لحاظ ضروری ہے کہ دوکان جب بھی خالی ہو تو وقف کو ملے، یا وقف کے واسطے سے دوسرے کرایہ دار کو ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کیا مسلمان اپنے ٹرک سے غیر مسلموں کو شراب پہنچا سکتے ہیں؟

کچھ لوگ کرایہ پر چلانے کے لیے ٹرک رکھتے ہیں اور کام نہیں ملتا تو غیر مسلموں سے معاملہ طے

کر لیتے ہیں اور ان کی شراب ایک شہر سے دوسرے شہر ٹرک کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ ان کا یہ فعل جائز اور رزق حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر مسلموں کی شراب ایک شہر سے دوسرے شہر اپنے ٹرک سے پہنچانا اور اس پر کرایہ وصول کرنا جائز ہے اور رزق حلال وطیب ہے۔ ٹرک مالک کا کام ہے مال پہنچانا اور اس پر اجرت لینا، اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ صاحب مال کون سا مال لوڈ کر رہا ہے اور اسے کس کام میں لائے گا۔ شراب اٹھا کر دوسرے کو پینے کے لیے دینا ممنوع ہے مگر یہ تو ایک دکان سے دوسری دکان تک پہنچانا ہے، کسی کو پینے کے لیے دینا نہیں ہے۔ نتائج الافکار میں ہے: **وبیع الخمر لیس معصیة لکافر فان خطاب التحریم غیر نازل علی الکفار** ۔ ترجمہ: شراب کی بیع کافر کے لیے معصیت نہیں ہے، کیوں کہ خطاب تحریم کافروں کے بارے میں نازل نہیں ہے۔ (حاشیہ ہدایہ، ج:۴، ص:۴۵۶، کرمیہ) ہدایہ میں ہے: **قال (فی الجامع الصغیر) ومن حمل لذمیّ خمراً فانه یطیب له الاجر عند ابی حنیفة رحمة الله تعالی وقال ابو یوسف ومحمد یکره له ذلك، لانه اعانة علی المعصیة وقد صح ان النبی علیه السلام لعن فی الخمر عشرا " حاملها والمحمول الیه " وله ان المعصیة فی شربها وهو فعل فاعل مختار ولیس الشرب من ضرورات الحمل ولا یقصد به، والحدیث محمول علی الحمل المقرون بقسد المعصیة** ۔ اھ ترجمہ: ذمی کے لیے شراب ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچانا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے حق میں اجرت حلال وطیب ہے۔ اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔ اس لیے کہ یہ گناہ پر مدد ہے۔ نیز حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شراب کے تعلق سے دس افراد پر لعنت فرمائی، انہیں میں سے "شراب اٹھا کر دوسرے تک پہنچانے والا بھی ہے اور جس کے پاس شراب پہنچائی جائے؟" امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ گناہ شراب پینا ہے، جو فاعل مختار کا کام ہے اور شراب ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کو پینا لازم نہیں۔ (کہ جب بھی پہنچانا پایا جائے تو پینا بھی پایا جائے، یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں) اور پہنچانے والے کا مقصود پینا و پلانا بھی نہیں ہے (بلکہ اس کا مقصود محض اجرت کا حصول ہے) اور حدیث میں "اٹھانے پر لعنت" اس وقت ہے جب شراب پینے یا پلانے کے قصد سے اٹھائی

جائے۔(ہدایہ ص:۴۵۷:ج:۴، کتاب الکراہیۃ مجلس برکات) واللہ تعالیٰ اعلم

گوبر کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

زید کا طویلہ ہے جس میں بہت ساری بھینس رہتی ہیں، زید بھینسوں کا گوبر اس طرح فروخت کرتا ہے کہ جو بھینس دودھ دیتی ہے یا نہیں دیتی، ان سب کا گوبر ایک طے شدہ رقم کے حساب سے فی بھینس قیمت طے ہو جاتی ہے۔ خریدنے والے خرید کر لے جاتے ہیں۔ اور ٹرالی کے حساب سے بھی گوبر طے ہو جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کیا بھینس کا گوبر جو ابھی پیٹ میں ہے، وہ بھی اور جو باہر ہے وہ بھی خریدنا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: گوبر کا استعمال ایک زمانہ دراز سے کھاد اور اوپلہ کے لیے کیا جاتا ہے اور مسلمان اس سے بلانکیر انتفاع کرتے رہے ہیں، بلکہ باہم ان کے لین دین اور خرید و فروخت پر بھی تعامل رہا ہے، اس لیے گوبر کی بیع شرعاً جائز ہے۔ فقہائے کرام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

چنانچہ درمختار باب بیع الفاسد میں ہے: "**جاز (بیعه) کسرقین وبعر**" اھ

ردالمحتار میں ہے: "**وفي البحر عن السراج: ویجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به والوقود به**"۔ اھ ملتقطا

نیز اسی میں ہے: "**والمراد أنه یجوز بیعهما ولو خلصین.**" اھ

(ردالمحتار، ص:۲۴۵، ج:۷، کتاب البیوع رباب البیع الفاسد)

مگر اس بیع کے جواز کے لیے ضروری ہے گوبر موجود ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو، لہٰذا بیع کی پہلی صورت ناجائز ہے، کیوں کہ اس صورت میں ایک تو وقت بیع گوبر موجود نہیں، دوسرے مقدار بھی نہیں معلوم، مثلاً ایک بھینس کا گوبر سو روپے میں بیچا تو کیا معلوم کہ اس کا گوبر کتنا ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اور دوسری صورت میں اگر ٹرالی کا سائز معلوم ہو اور یہ متعین کر دیا جائے کہ اونچائی اتنے فٹ تک ہوگی تو بیع جائز ہے۔ اموال کی بیع میں ان دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے اس لیے گوبر کی بیع کے لیے بھی ان دونوں شرطوں کا وجود ضروری ہے۔ ھدایہ شروح ھدایہ درمختار شامی وغیرہ عامہ کتب فقہ میں اس کی صراحت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کچھ بلاد میں مسلمان سونے کی صلیب بناتے اور بیچتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے اور بچیں تو بہتر۔ صلیب کی شکل (+) اصنام کی طرح کیس جان دار کی شکل نہیں، نہ وہ خود معصیت جیسا کہ ظاہر ہے۔ نہ اس کے ساتھ معصیت قائم جیسا کہ ڈھول اور ہارمونیم وغیرہ باجوں کے ساتھ ہے۔ ہاں نصاریٰ اس کی پرستش کرتے ہیں مگر یہ ان کا ایسا فعل ہے جو شرک ہے اور یہ شرک انھیں کے ساتھ قائم بھی ہے۔ صلیب کی شکل ان کے شرک سے قطعی آلودہ نہیں، جیسے مشرکین سورج، آگ، درخت، پتھر سب کی پوجا کرتے ہیں مگر ان کا شرک سورج، آگ، درخت، پتھر کو آلودہ نہیں کرتا، لہٰذا ان چیزوں کی صورت بنانا جائز ہے گو وہ صورت سونے، چاندی کی ہو، یوں ہی صلیب کی شکل بنائی بھی جائز ہوگی۔

کراہت اس وجہ سے ہے کہ صلیب کی وضع نصاریٰ نے اپنے عقیدۂ باطلہ کے اظہار اور پرستش کے لیے کی ہے تو صلیب سازی میں یک گونہ ان کا تعاون ہوگا، اگرچہ غیر ارادی طور پر ہی سہی۔ اس کے برخلاف، سورج، آگ، اور درخت و پتھر وغیرہ کی وضع ایسی کسی معصیت کے لیے نہیں، بلکہ اللہ عزوجل نے انھیں نفع عباد کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ مندر سے بھی مشرکین کے عقیدۂ باطلہ کا اظہار ہوتا ہے، مگر وہ اس کی پرستش نہیں کرتے، بلکہ اس میں پرستش کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

انٹرنیٹ کے ضروری مسائل

(۱) کیمرہ سے قدرتی فوٹو (درخت، پانی، دریا، عمارت) کھینچنا یا اسے انٹرنیٹ پر فروخت کرنا کیسا ہے؟

(۲) جیسے قدرتی ویڈیو بنانا، اسے انٹرنیٹ پر فروخت کرنا، یوٹیوب یا دوسری ویب سائٹ پر یہ کام حلال ہے؟

(۳) پینٹنگ بنانا (تصویر کو رنگنا) جیسے (درخت، پانی، دریا، عمارت) حلال ہے یا حرام؟

(۴) ویب سائٹ، کمپنی لوگو، اشتہار کے لیے کارٹو بنانا (ایمی میشن بنانا) حلال ہے یا حرام؟

(۵) کتاب لکھنے کا کام کرنا کیسا ہے؟

(۶) آن لائن کام یا خرید و فروخت کسی سامان کا کام کرنا کیسا ہے؟

الجواب: (۱/۲) غیر جان دار کا فوٹو کھینچنا جائز وحلال ہے، اس لیے قدرتی مناظر مثلا دریا، پہاڑ، آبشار، شجر وحجر وغیرہ کے فوٹو کیمرے سے لینا، جان کا ویڈیو بنانا، اور انٹرنیٹ پر ان کو فروخت کرنا سب جائز وحلال ہے۔ اس میں شرعا کوئی حرج نہیں۔

(۳) قدرتی مناظر کی تصاویر کی پینٹنگ بھی جائز وحلال ہے۔

(۴) کارٹون عام طور پر کسی نہ کسی جان دار کی حکایت کرتے ہیں، کسی جان دار کی بگڑی ہوئی شبیہ کو کارٹون کہا جاتا ہے، اور ان کے ذریعہ اشتہار میں لطف پیدا کیا جاتا ہے، چوں کہ جان دار کی تصویر بنانا، بنوانا حرام ہے، اس لیے ان کے کارٹون بنانا بنوانا بھی حرام ہے۔

(۵) جائز ہے بشرطے کہ کتاب دین اور اخلاق کو بگاڑنے والی باتوں سے پاک ہو، اگر کتاب میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی طاعت ہو، خلق خدا کے لیے دینی ودنیوی ہر حیثیت سے یا کسی ایک حیثیت سے نافع ہو اور کام اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے نام ونمود کے لیے نہیں تو کتاب لکھنا نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر بھی ہے۔

(۶) اپنا سامان آن لائن بیچنا جائز ہے، مگر جب تک اس پر خریدار کا قبضہ نہ ہو جائے اسے بیچنا جائز نہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے قبضہ سے پہلے بیع سے ممانعت فرمائی۔ واللہ تعالی اعلم

شیئر بازار کا ایک مسئلہ

ایک کمپنی کے جملہ حصہ دار مسلمان ہیں، وہ پبلک کو پری فرینس (prefrinve) شیئر بیچتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسٹمر صرف منافع اور فائدے کا حق دار ہوتا ہے، نقصان کا نہیں۔ مثلا ایک کسٹمر کمپنی سے ایک لاکھ روپے کے عوض دس ہزار شیئر خریدتا ہے، ایک شیئر کی قیمت دس روپے ہوتی ہے، کمپنی کسٹمر سے اسی شیئر کو اسی وقت اس سے زائد قیمت پر خریدتی ہے۔ کمپنی اور کسٹمر کے درمیان قیمت کی ادائگی کے لیے رضامندی کے ساتھ ایک مدت کبھی یکبارگی اور کبھی جستہ جستہ (قسط وار) ادا کرتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا کاروبار کرنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

الجواب: یہ کاروبار ناجائز وگناہ ہے۔ظاہر یہ ہے کہ کمپنی سے روپے دے کر پری فرینس شیئر لینا اس طرح کے ساتھ ہے کہ کمپنی اسے نفع کے ساتھ خرید لے۔اگر یہی واقعہ ہے تو یہ قرض بہ شرط بیع ونفع ہوا۔پھر کسٹمر اور کمپنی کے درمیان جو خرید وفروخت ہوتی ہے وہ روپے کی بیع روپے کے بدلے میں ادھار ہوتی ہے،تو یہ بیع الجنس بالجنس نسیئہ ہوا۔اور یہ ناجائز ہے۔تحقیق حکم کے لیے کمپنی کے ضوابط ونظام کار کی تفصیل بھیجیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

ایک غیر شرعی کمپنی سے کاروبار کا شرعی حکم

ایک کمپنی ہے جس کے تمام شرکا مسلمان ہیں،کمپنی کچھ اس طرح کا کاروبار کرتی ہے کہ خریدار کمپنی سے ایک مجلس میں سونا یا چاندی یا کوئی سامان (جس کی قیمت معمولی سے بھی معمولی ہوتی ہے)نقد خریدتا ہے،پھر دوسری مجلس میں کمپنی کو خریدار زیادہ قیمت میں وہ سامان ادھار بیچ دیتا ہے،قیمت کی ادائگی کے سلسلے میں کمپنی اور خریدار کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ قیمت ایک متعینہ مدت میں (جو متعینہ مدت بیع کے وقت کمپنی اور خریدار کے درمیان طے ہو چکی ہوتی ہے) یکبارگی ادا کی جائے گی یا جستہ جستہ چند ماہ میں(یہ کتنے ماہ کے ہوں گے،کمپنی اور خریدار کے مابین پہلے ہی طے ہو چکا ہوتا ہے اور ہر ماہ کتنی رقم ادا کی جائے گی،یہ بھی طے ہو چکا ہوتا ہے۔)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا کاروبار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کمپنی کا یہ کاروبار اگر مشروط طور پر ہوتا ہے،جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو ناجائز وگناہ ہے۔حدیث پاک میں ہے وارد ہے: "**نهى رسول الله ﷺ عن بيع وشرط**" پھر تجربہ شاہد ہے کہ اس طرح کی کمپنیاں عموماً بعد میں دیوالیہ کا اعلان کر دیتی ہیں یا لاپتہ ہو جاتی ہیں،اور بے شمار لوگوں کا بے پناہ مالی نقصان ہوتا ہے۔اس لیے مسلمانوں کو اس طرح کی کمپنیوں سے دور رہنا چاہیے۔تحقیق حکم کے لیے کمپنی کے نظام کار اور اس کے ضوابط کو جاننا ضروری ہے۔اگر آپ کمپنی کے ضوابط ونظام کار اردو ترجمہ کے ساتھ بھیج دیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک معین حکم شرعی یہاں سے جاری کر دیا جائے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

کیبل ٹی وی چینل اور کیبل انٹرنیٹ کنکشن کا حکم

میں ضلع پونہ مہاراشٹر کا رہنے والا ہوں، میں کیبل ٹی وی چینل اور کیبل انٹرنیٹ کا بزنس کرنا چاہتا
ہوں۔ کیبل ٹی وی میں ایک وائر سے ٹی وی کو کنکشن دیا جاتا ہے، لوگ ٹی وی پر دینی چینل، نیوز چینل، بزنس
چینل، ٹی وی سیریل اور فلم دیکھتے ہیں، کنکشن لینے والے ہر مہینے چارج دیتے ہیں۔ ملنے والا چارج ہی
ہماری کمائی ہوتی ہے، کیا میں یہ بزنس کرسکتا ہوں یا نہیں؟

کیبل انٹرنٹ بھی ایسا ہی بزنس ہے جس سے کسٹمر کو انٹرنیٹ کنکشن دیا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ کے
ذریعہ لوگ کاروبار کے ایڈورٹائز دیتے ہیں، ای میل بھیجتے ہیں، پروڈکٹ خرید وفروخت کا کام ہوتا ہے، اس
میں لوگ فلم بھی دیکھتے ہیں۔

ان دونوں بزنس میں ہم صرف سروس دیتے ہیں، اس کا استعمال لوگوں پر ڈیپنڈ ہوتا ہے، میں یہ
بزنس کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب : کیبل چینل اور کیبل انٹرنیٹ سے کنکشن کا کاروبار عام حالات میں ناجائز وگناہ
ہے، کیوں کہ ٹی وی چینل اور انٹرنیٹ کے جائز وناجائز ہر طرح کے پروگرام دیکھنے، سننے کا ذریعہ یہ کیبل
ہے۔ یہ کیبل کاٹ دیا جائے تو پروگرام کا سلسلہ ہی کٹ جائے گا، تو اس کے ساتھ جیسے جواز واطاعت کے
پروگرام قائم ہیں ویسے ہی حرمت ومعصیت کے پروگرام بھی قائم ہیں، لہذا صرف جائز واطاعت کے
پروگرام کے لیے کیبل سے کنکشن دینا جائز ہے اور ناجائز پروگرام کے لیے کنکشن دینا ناجائز، چوں کہ ٹی وی
چینل اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والے ہر طرح کا جائز وناجائز پروگرام دیکھ سکتے ہیں بلکہ تجربہ یہ ہے کہ
دیکھتے اور سنتے بھی ہیں، اس لیے اس کاروبار کی اجازت نہیں۔

ارشاد باری ہے: ”وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوٰن۔“ (المائدہ، آیت: ۲) واللہ تعالیٰ اعلم

تاڑی کے درخت کو ٹھیکے پر دینے اور لینے کا حکم

اپنی زمین میں لگے ہوئے تاڑ کے درخت کو تاڑی کے موسم میں تاڑی بیچنے والے کو چند مہینوں
کے لیے کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ زید کے پاس تاڑ کے بہت سے درخت ہیں، تاڑی کا موسم آتا ہے تو وہ ٹھیکے

والے کو ٹھیکے پر دے دیتا ہے، ٹھیکے والا گاؤں میں ہی تاڑی بیچتا ہے، پورا گاؤں مسلم آبادی ہے، گاؤں میں اس کاروبار کی وجہ سے مسلم بچوں کے اخلاق برباد ہو رہے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ درخت لگانا کیسا ہے؟ اسے ٹھیکے پر دینا کیسا ہے، جس کی وجہ سے مسلم بچوں کے اخلاق تہس نہس ہو رہے ہیں، اس زید پر کون سا حکم شرع عائد ہوتا ہے۔

نیز تاڑی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جب کہ اس وقت تاڑی میں نشہ پایا جا رہا ہے۔

الجواب: تاڑی نشہ آور ہو تو اس کا قطرہ قطرہ شراب کی طرح حرام ہے، اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ بھی ہے اور اسے بیچنا اور خریدنا بھی حرام و گناہ ہے۔ اس لیے صورت مسئولہ میں نشہ آور تاڑی کا ٹھیکہ لینا دینا حرام و گناہ ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد دہم، ص: ۵۱/۵۲/۵۳) میں پوری تحقیق ہے، دلائل کے لیے اس کا مطالعہ کریں۔

شراب کی خالی بوتلوں کے کاروبار کا حکم

زید کا کاروبار ایسی شراب کی خالی بوتلوں کا ہے جنہیں وہ شراب کی دکانوں و کباڑیوں سے خرید کر دھلائی کرا کر شراب کمپنی کو دیتا ہے، وہ کمپنی ان بوتلوں میں دوبارہ شراب بھر کر مارکیٹ میں فروخت کرتی ہے۔ زید کا ایسا کرنا کیسا ہے؟ اور اس کمائی کے تعلق سے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: زید گناہ پر تعاون کی نیت نہ رکھے، بلکہ صرف اس سے غرض رکھے کہ اس کا ایک کاروبار ہے، جو چاہے اس سے خریدے تو فتوی جواز اور تقوی احتراز ہے۔ یعنی یہ کاروبار کر سکتا ہے اور بچے تو بہتر۔ واللہ تعالی اعلم

سیکروٹی کیمرے اور حرام وحلال خرید و فروخت کے احکام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

(۱) چیک کیشنگ کا کاروبار کرنا یا اس کی ملازمت کرنا شرعا کیسا ہے؟ یہاں بہت سے لوگوں کے پاس بینک اکاؤنٹ نہیں ہوتا مگر انہیں فورا پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور بینک میں جمع کرنے سے انہیں

دودو چار دن تاخیر سے پیسہ ملے گا یا ہفتہ اتوار کا دن ہے جس کے سبب چیک کیش نہیں ہو سکتا ان سب صورتوں میں ایک فیصد یا کم و بیش کٹوتی کے ساتھ چیک کیشنگ کی دکان پر جا کر وہ چیک کیش کروا لیتے ہیں تو اس طرح ضرورتاً کیش کرانا یا اس کی دکان کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کے جواز کی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایک دکان جس میں حلال و حرام دونوں چیز بکتی ہیں۔ پھر وہ پیسے مل جاتے ہیں تو اس پیسے کو جائز بزنس میں لگا سکتے ہیں کہ نہیں؟

(۳) امریکہ میں بہت سی دکانیں ایسی ہیں جن میں حرام چیزیں بکتی ہیں۔ مثلاً لاٹری کے ٹکٹ ڈبہ میں پیک شدہ خنزیر کا گوشت، شراب یا الکحل ملی چیزیں، یا چربی ملی ہوئی کینڈی وغیرہ ہوتی ہیں۔ ایک مسلمان ملازم نے یہ شرط کر کے نوکری شروع کی کہ میں صرف حلال چیزیں بیچوں گا۔ وہ اپنے کاؤنٹر سے حلال چیزیں بیچتا ہے مگر لین دین میں جو پیسے واپس کرنے پڑتے ہیں وہ پیسے مخلوط ہوتے ہیں تو ان حرام و حلال مخلوط پیسوں کو گن سکتا ہے؟ اس سے مسلمان ملازم لین دین کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) سیکورٹی کے لیے دوکانوں میں کیمرے لگے ہوتے ہیں جو لوگ دکان میں آتے جاتے ہیں ویڈیو میں ان کی تصویریں مخلوط ہوتی رہتی ہیں، اس طرح اگر کسی شخص نے کچھ چوری کی یا خود ملازمین نے کچھ گڑبڑ کرنا چاہا، یا رات میں کوئی چور داخل ہوا تو ان کی تصویریں مل جاتی ہیں پھر وہ پکڑ میں آ جاتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح کا سیکورٹی ویڈیو بنانا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۵) جن مسلمان اسٹورس میں حرام اشیاء بکتی ہیں مثلاً خنزیر کا گوشت، جھٹکا کا گوشت یا شراب و الکحل ملی چیزیں، اگر مالک کافر ملازم رکھ کر ان سے یہ کام کرائے اور خریدار بھی کافر ہو تو یہ صورت جائز ہوگی یا نہیں؟ مسلمان کیلئے ایسے اسٹورس میں نوکری کرنے کی کوئی صورت شرعاً ہے یا نہیں؟

(۶) حرام کاروبار سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کو کیا کرنا چاہیے۔ حرام پیسے کو حلال بنانے کی کوئی تدبیر ہے یا نہیں؟

امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازیں گے۔ اللہ جل شانہ آپ کو اس کا بے پناہ اجر عطا فرمائے۔ یہ تنہا میرا مسئلہ نہیں بلکہ یہاں بہت سارے مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔

الجواب : (۱) چیک کیشنگ کا مروجہ کاروبار اور اس کی ملازمت نہ جائز و گناہ ہے کہ اس میں سود کی آلودگی پائی جاتی ہے۔ یہ کاروبار چیک کی خرید و فروخت کا نہیں ہے بلکہ قرض یا دین کا ہے یہی وجہ ہے کہ چیک کی میعاد ایک ماہ ہو تو اس پر کمیشن مثلا ایک پرسنٹ ہوتا ہے اور دو ماہ ہو تو دو پرسنٹ، وھکذا اور قرض و دین پر جو نفع لیا جائے وہ سود ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے: "**کل قرض جر منفعة فھو ربا**"۔ جواز کی شکل ایک ترمیم کے ذریعے ممکن ہے مگر عوام اس کی پابندی نہ کر سکیں گے اور لازما فتح باب معصیت ہوگا اس کی نظیر ہدایہ کتاب الصرف کا یہ مسئلہ ہے "**ومشائخنا لم یفتوا بجواز ذلك فی العدالی والغطارفة لانھا اعز الاموال فی دیارنا فلو ابیح التفاضل فیه ینفتح باب الربوا**۔" (ھدایہ، ص: ۹۳، ج: ۳، مجلس برکات)

(۲) حرام مال کو بزنس میں لگانا حرام ہے البتہ اسکے بدلے میں خریدے ہوئے مال کی تجارت جائز ہے۔ بشرطیہ کہ عقد و نقد جمع نہ ہو۔ حرام مال دیکھ کر عقد کیا پھر نقد میں وہی دیا تو یہ عقد و نقد کا جمع ہے عموما اس طور پر خریداری نہیں ہوتی۔

(۳) جب اس مال میں حلال پیسے بھی جمع ہیں تو یہ اپنے خریداروں کو حلال پیسے ہی دینے کی نیت کرے۔ دونوں طرح کے مخلوط پیسوں کو صرف گننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۴) میری رائے میں بوجہ حاجت سیکورٹی ویڈیو بنانا جائز ہے اس کی نظیر حفاظت کیلئے کتا پالنے کی اجازت کا مسئلہ ہے۔ بہار شریعت میں ہے:

"جانور یا زراعت یا کھیتی یا مکان کی حفاظت کیلئے یا شکار کیلئے کتا پالنا جائز ہے یہ مقاصد نہ ہوں تو پالنا ناجائز ہے۔ اور جس صورت میں پالنا جائز ہے اسمیں بھی مکان کے اندر نہ رکھے البتہ اگر ڈر یا دشمن کا خوف ہے تو مکان کے اندر بھی رکھ سکتا ہے۔۔ فتح القدیر۔" (ص: ۱۵۱، ج: ۱۱)

واضح ہو کہ حدیث میں ہے کہ جس گھر میں کتا اور تصویریں ہوتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے۔ ممانعت میں دونوں ایک ساتھ ہیں اجازت میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے **ھذا ما عندی**۔

(۵) کافر ہی خریدے وہی بیچے، اور کافروں کے ہاتھ بیچے ان تین شرطوں کی پابندی کے ساتھ مسلمان کیلئے ایسا اسٹور قائم کرنا، نیز ایسے اسٹور میں ملازمت جائز ہے مگر سخت مکروہ ہے۔ "**کذا فی**

الهدایه والنهایه"

واذا امر المسلم نصرانیا ببیعا خمرا و بشرائها ففعل ذالك جائز عند ابی حنیفة۔اھ ملتقطا(ص:۵۸،ج:۳) ویومریتصدق الثمن ویکره هذا التوکیل اشدالکراهة و یصیر الملك للمؤکل نهایة۔مسلمان کوایسے مال اورایسے ملازمت سے بچنا چاہیے۔

(۶) حرام مال اس کے مالکان کو واپس کیا جائے،ان کا یا ان کے ورثہ کا پتہ نہ چلے تو مسلمان محتاج کو دیدیں، یا ذمہ دار مدارس دینیہ میں بتا کر دیں۔جسے اللہ عزوجل نے حرام فرمادیا اسے حلال کرنے کی کوئی تدبیر نہیں۔غیر مسلم سے قرض لے کر یہ حرام مال اسے دیدے تو ناپاک وحرام مال کھانے سے بچ سکتا ہے۔لیکن عنداللہ مجرم اور حقوق العباد میں گرفتار رہے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

نیٹ ورکنگ کمپنی میں شمولیت اوراس کے ذریعہ کاروبار کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ آر،سی،ایم نام کی ایک نیٹ ورکنگ کمپنی ہے بنیادی طور پر یہ کپڑے کی ایک کمپنی ہے اس نے کپڑے کے علاوہ دیگر جائز الاستعمال مصنوعات بھی تیار کی ہیں، اپنی مصنوعات کی فروختگی کے لیے اس نے طریقہ نکالا کہ پورے ملک میں جابجا اپنے ڈسٹری بیوٹر (تقسیم کنندہ) بناتی ہے،اور یہ تمام ڈسٹری بیوٹر ایک نٹ سے باہم مربوط ہیں۔ڈسٹری بیوٹر کی نامزدگی کمپنی کی جانب سے نہیں ہوتی بلکہ جو شخص بھی ڈسٹری بیوٹر بننا چاہے وہ فارم بھر کر کسی دوسرے ڈسٹری بیوٹر سے متصل ہوکر کمپنی کی تقسیم کاری میں جڑ جائے،اس کے لیے اس کمپنی کی تیار کردہ ایک کٹ (جس میں تین پینٹ تین شرٹ کے کپڑے ہوتے ہیں) بارہ سواسی روپے خریدنا ہوتا ہے،اور دوسو روپے رجسٹریشن چارج یعنی کل چودہ سواسی روپے ادا کرنا ہوتا ہے،اب اگر یہ فرد اپنے نیچے دو مزید ڈسٹری بیوٹر بناتا ہے اور وہ ڈسٹری بیوٹر بھی دو دو ڈسٹری بیوٹر بناتے ہیں علی ھذا القیاس تو اس کی ماتحت لائین میں ہونے والے کاروبار سے کمپنی کو جو منافع ہوگا اس سے ڈسٹری بیوٹر کو کمیشن دیا جاتا ہے،مثلاً زید جنوری میں چودہ سواسی میں ایک شرٹ خرید کر ڈسٹری بیوٹر بن گیا،اس نے اسی ماہ میں بکر اور خالد کو اسی طرح ڈسٹری بیوٹر بنایا،بکر اور خالد نے بھی اسی ماہ

میں عمرو، راشد، عرفان اور رضوان کو ڈسٹری بیوٹر بنایا اب اس خریداری سے کمپنی کا آٹھ ہزار نو سو ساٹھ روپے کا کاروبار ہو، لہذا زید کو دس فی صد کے حساب سے آٹھ سو چھیانوے روپے بطور کمیشن ملیں گے۔ نیچے والوں کا کاروبار چوں کہ پانچ ہزار کے سلیب کو نہیں، لہذا انہیں آئندہ کمیشن ملے گا۔ اسی طرح ہر ماہ ہونے والے کاروبار سے ڈسٹری بیوٹر کو کمیشن ملتا رہے گا۔ کمپنی نے اس کے لیے ایک سلیب مقرر کیا ہے، پانچ ہزار کے کاروبار پر دس فی صد، دس ہزار کے کاروبار پر ساڑھے بارہ فی صد، بیس ہزار کے کاروبار پر پندرہ فی صد، چالیس ہزار کے کاروبار پر ساڑھے سترہ فی صد، ستر ہزار کے کاروبار پر بیس فی صد، ایک لاکھ پندرہ ہزار کے کاروبار پر ساڑھے بائیس فی صد، ایک لاکھ پندرہ ہزار کے کاروبار پر ساڑھے بائیس فی صد، ایک لاکھ ستر ہزار کے کاروبار پر پچیس فی صد، دو لاکھ ساٹھ ہزار کے کاروبار پر ساڑھے ستائیس فی صد، ساڑھے تین لاکھ روپے کے کاروبار پر تیس فی صد، گروپ کمیشن دیا جائے گا۔ کمپنی کی جانب سے تمام ڈسٹری بیوٹر ملک میں کسی بھی جگہ ہوں اس کے ایجنسی سے اس کے مصنوعات بیس فی صد کی رعایت پر خرید سکتے ہیں، اس طرح ماتحت لائین میں ماہ بماہ ہونے والے کاروبار پر مافوق لائین کے تمام ڈسٹری بیوٹرس کو اس کے ماتحت لائین میں ہونے والے کاروبار کے اعتبار سے کمیشن دیا جاتا ہے، واضح رہے کہ اس کی جوائن کے لیے صرف ایک کٹ خرید لی جاتی ہے۔ کوئی رقم انوسٹ نہیں کی جاتی اور کسی قسم کی رقم کو نہیں ملتی بلکہ اس کے ماتحت لائین کے ذریعہ ہونے والے کاروبار کا یہ کمیشن ہوتا ہے، جو اسے ملتا ہے۔ از روئے شرع کمیشن کی یہ رقم جائز ہے یا ناجائز؟ اور بصورت جواز اس رقم کو اپنے مصرف اور دوسرے کار خیر مسجد وغیرہ میں صرف کیا جا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: یہ کاروبار ناجائز و گناہ ہے، مسلمان ہرگز ہرگز اس کاروبار کے قریب نہ جائیں، اس میں ضرر بھی ہے اور ضرار بھی، یہ کاروبار ایک ایسی پالیسی پر مشتمل ہے جس میں دکاندار (کمپنی) بڑی آسانی کے ساتھ اپنا سامان اپنے بننے والے ممبران کے ہاتھوں بازار بھاؤ سے بہت زیادہ دام سے بیچ دیتا ہے، ساتھ ہی رجسٹریشن کے نام پر مزید دو سو روپے یا کم وبیش وصول کر لیتا ہے، پھر الٹے یہ ممبر ایک وفا شعار نوکر کی طرح سے اپنے دکان دار کے لیے نگر نگر یا ڈگر ڈگر گھوم کر خریدار تلاش کرتا ہے، اسی طرح سے ایک ہوشیار دکان دار گھر بیٹھے بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی دکان چلاتا ہے نفع کماتا ہے، پیسے بٹورتا ہے اور اس کے

لیے دوسرے لوگ جان توڑ کوشش کر کے اس کا سامان بکوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کاروبار میں کئی ایک شرعی خرابیاں ہیں۔

پہلی خرابی یہ ہے کہ یہ بیع بالشرط ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شرط کے ساتھ خرید و فروخت سے ممانعت فرمائی ہے، دوسری خرابی یہ ہے کہ اس کاروبار میں بڑی آسانی کے ساتھ تھوڑے دنوں میں عظیم سرمایہ جمع ہو جاتا ہے، اور وہ سب سرمایہ ایک دکان دار کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ جب چاہے اپنے تمام معاہدے توڑ کر اپنے آپ کو آزاد کر لے یا اپنے آپ کو دیوالیہ ظاہر کر دے جس کا انجام تمام خریداروں کی خیبت و خسران اور محرومی و نامرادی ہے، یہ کھلے طور پر اپنے آپ کو ضرر میں ڈالنا ہے اس طرح اس کاروبار میں بہت سے لوگ نفع یاب بھی ہو سکتے ہے اور بہت سے لوگ محروم و نامراد بھی جن کا دکان دار کے دیوالیہ ہونے کے بعد ان کے کمیشن کے تعلق سے کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔ اس میں مقامی تاجروں کی ضرر ہے کیوں کہ سوال میں درج پالیسی کے فروغ کے ساتھ ہی مقامی تاجروں کی دکان ٹوٹنے لگے گی بلکہ چھوٹے تاجروں کی دکان بند ہو سکتی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لا ضرر ولا ضرار** ۔ ان خرابیوں کی باعث یہ کاروبار ناجائز و گناہ ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس سے بچیں جو ابھی اس کاروبار میں پھنسے نہیں ہے وہ اس سے دور رہیں اور جو لوگ پھنس چکے ہیں انہیں چاہیے کہ کمیشن کے نام پر انہیں جو کچھ بھی رقم ملے اسے غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔

حدیث شریف میں ہے: **دع مایریبك الی مالا یریبك** ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غیرمسلموں سے تاڑی کی بیع درست ہے یا نہیں؟

زید کی ملکیت میں کثیر تعداد میں تاڑ اور کھجور کے درخت ہیں جن سے کافی تاڑی نکلتی ہے مگر زید خود تاڑی نہیں پیتا بلکہ دوسرے مسلم و غیر مسلم سبھی پیتے ہیں، تو کیا زید کو یہ جائز ہے کہ ان درختوں کو سال میں چند ماہ کے لیے جب تک اس سے تاڑی نکلے غیر مسلم سے فروخت کر کے نقد پیسے لے اس کا کیا حکم ہے اور زمانۂ ماضی میں لاعلمی کی بنا پر اس کو تجارت سمجھ کر فروخت کرتا رہا اور اس کے پیسے کو مسجد وغیرہ حلال جگہوں میں استعمال کرتا رہا تو اس کا کیا حکم ہیں اس طرح کا پیسہ یا نقد حلال ہے یا حرام؟ قرآن و حدیث سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: یہاں کے غیر مسلموں کے ہاتھوں وہ تمام عقود جائز و درست ہیں جو مسلمانوں کے درمیان باہم ناجائز و فاسد ہیں کہ ان کا مال جو انکی مرضی سے ملے تو وہ بہرحال مباح و حلال ہے جیسا کہ ہے کہ شامی میں شرح سیر کبیر کے حوالے سے یہ صراحت فرمائی کہ ان کے ہاتھ مردار بیچنا جائز ہے۔ لہذا ان کے ہاتھ تاڑی بیچنا بھی جائز ہے اور اس کا دام مال حلال و مباح ہے جسے اپنے ضروریات میں بھی صرف کرنا جائز ہے اور دینی اغراض مثل تعمیر مساجد وغیرہ میں بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جانور کو بٹائی پر دینا یا لینا کیسا ہے؟

آج کل جو عام طور پر رواج ہے کہ جانور کے بچے کی ایک واجبی قیمت لگا کر ایک شخص دوسرے شخص کو بٹائی میں پالنے کو دیتا ہے، پرورش پانے کے بعد وہ بچہ واجبی قیمت سے زیادہ میں بکتا ہے۔ تو واجبی قیمت کے علاوہ اس زیادہ قیمت میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور واجبی قیمت بچہ دینے والے کی پوری رہتی ہے۔ اس میں سے کم نہیں کی جاتی ہے مثال کے طور پر ایک شخص نے ایک بھینس کے بچے کی ایک ہزار روپے واجبی قیمت لگا کر دوسرے شخص کو پالنے کے لیے دیا، پرورش پانے کے بعد یہ بچہ پوری بھینس ہو گیا۔ جس کی قیمت تین ہزار روپیہ ہوئی اور واجبی قیمت یعنی ایک ہزار روپے جتنے میں یہ لگا کر دیا تھا دینے والے کے یہ ایک ہزار روپے علی حال باقی رہے ان میں بالکل کمی نہیں کی گئی۔ صرف دو ہزار روپئے جو واجبی قیمت کے علاوہ زائد ہیں ان میں دونوں برابر کے شریک ہوئے یعنی ایک ایک ہزار روپے باہم تقسیم کر لئے تو بچہ دینے والے کو دو ہزار روپئے ملے اور پرورش کرنے والے کو صرف ایک ہزار ملے لہٰذا اس طرح بٹائی میں دینا جائز ہے یا ناجائز قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: جانوروں میں بٹائی مشروع نہیں، بٹائی صرف زمین اور درختوں میں بوجہ حاجت جائز ہے اور بقیہ چیزوں میں ناجائز ہے زمین کی بٹائی کو "مزارعہ" کہتے ہیں اور مزارعت کا اولین رکن زمین ہے، (درمختار بر ہامش شامی ۵/۱۷۴) اور درختوں کو بٹائی کو مساقاۃ و معاملۃ کہا جاتا ہے اس کا ایک رکن شجر ہے۔ اسی لیے علامہ رملی نے فرمایا۔ وقید بالشجر، لانہ لودفع الغنم والدجاج ودود القز معاملۃ لایجوز کمافی المجتبی وغیرہ۔ وکذالودفع بقرۃ بالعلف لیکون الحادث

نصفین۔اھ ملتقطا (ردالمحتار ص۱۸۱۔ج۵ اوائل مساقاۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

جب جانوروں میں بٹائی ناجائز ہے تو یہ معاملہ اجارہ ہوا یعنی جانوروں کو مزدوری پر پالنا مگر اس حیثیت سے بھی یہ معاملہ ناجائز ہے۔ کیوں کہ جو چیز اجرت مقرر کی گئی ہے۔ وہ مجہول ہے، پتہ نہیں جانور ملنے کے بعد کتنے میں بکے گا چوں کہ جانور کے بکنے سے پہلے تک اس کا دام مجہول ہے اس لیے اجرت بھی مجہول ہوئی اور اجرت مجہول ہو تو اجارہ فاسد ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں یہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو تین سال جانور کو پالنے کے بعد اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو جائے جس کے باعث اس کے دام میں آئندہ کوئی اضافہ نہ ہو بس وہ اتنا ہی رہ جائے جتنا کہہ کر پالنے والے کو دیا گیا تھا، یا ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی کم ہو جائے تو سب دام مالک۔ لے لے گا اور پالنے والے کو ایک پیسہ بھی نہ ملے گا تو تین چار سال کی محنت کا حاصل سوائے محرومی کے کچھ نہ ملے گا۔

ان وجوہ کے باعث جانور کا عقد اجارہ بطور مذکور فاسد ہے۔ اس کا جائز طریقہ یہ ہے کہ بٹائی پر جانور دیتے وقت فریقین باہم رضامندی سے اس کا مناسب دام طے کر لے پھر آدھا دام بٹائی دار جانور کے مالک کو دے دے اب یہ دونوں اس جانور میں آدھے آدھ کے شریک ہونگے اور وہ جانور مشترکہ طور پر دونوں کی ملک ہو گیا لہذا وہ جانور جب بھی بکے گا دونوں پورے دام میں برابر کے شریک ہوں گے۔ اس میں تھوڑا نقصان مالک کا ہوگا کہ اس کو بٹائی کے وقت میں جانور کا آدھا دام ملا لیکن اس سے زیادہ نقصان پالنے والے کا ہوگا کہ اس کے ذمے اس کے چارے کا انتظام اور دوسری خدمات ہوتی ہے۔ اگر یہ دونوں باہمی مصالحت سے اپنے اپنے ذمہ نقصان کا یہ بار نہ لیں گے تو پھر ان کا معاملہ ناجائز ہی رہے گا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرًا۔

حقدار کا پتہ نہ چلے تو اس کا مال کیا کیا جائے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین

درج ذیل مسئلہ کے بارے میں زید نے ایک ایسے شخص کی بکری چرائی جس کے مکان کا کوئی پتہ نہیں، زید بکری کو لیکر گاؤں پہنچا تو اہل کمیٹی نے اس بکری کو زید سے حراست میں لے لیا اور اب کمیٹی اس بکری کو دفاعی سامان کے لیے استعمال میں لانا چاہتی ہے کیا کمیٹی استعمال میں لا سکتی ہے یا نہیں؟

اگر لاسکتی ہے تو کیا طریقہ ہے؟ اور نہیں لاسکتی ہے تو کیوں؟

الجواب: دانستہ چوری کی بکری کو اپنے ذاتی یا قومی کام کے لیے استعمال کرنا حرام وگناہ ہے۔ ہدایہ باب المرابحہ میں ہے: **والتصرف فی مال الغیر حرام فیجب التحرز عنه.**

(الھندیہ، باب المرابحہ والتولیہ، ص:۵۹، ج:۳، مجلس برکات)

اگر یہ بات صحیح ہے کہ واقعی بکری کے مالک کا کوئی پتہ نہیں معلوم ہے تو زید پر لازم ہے کہ سڑکوں، چوراہوں، بازاروں اور مسجد میں اتنے دنوں تک اعلان کرائے کہ یہ ظن غالب ہو جائے کہ مالک اب بکری کو تلاش نہ کرتا ہوگا۔ جب اتنا زمانہ گزر جائے اور بکری کا مطالبہ کرے تو زید پر اس بکری کی، اور وہ نہ ہو تو اس کے دام کی واپسی لازم ہوگی۔

تنویر الابصار و در المختار میں ہے: **علیه دیون ومظالم جهل اربابها وأیس من علیه ذلك من معرفتهم، فعلیه التصدق بقدرها من ماله وان استغرقت جمیع ماله هذا مذهب أصحابنا لا نعلم بینهم خلافاً کمن فی یده عروض لایعلم مستحقیها اعتبارا للدیون بالاعیان و متیٰ فعل ذلك سقط عنه المطالبة من اصحاب الدیون فی العقبی مجتبی.** (تنویر الابصار و در المختار، کتاب اللقطہ، ص:۴۴۳، ج:۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز انہیں دونوں کتابوں میں مزید یہ وضاحت ہے:

فان جاء مالکها بعد التصدق خیّر بین اجازة فعله و لو بعد هلاکها وله ثوابها، او تضمینه. اھ۔ (تنویر الابصار و در المختار، کتاب اللقطہ، ص:۴۳۸، ج:۶ بیروت) واللہ اعلم

مسائل قربانی

باپ کی موجودگی میں بیٹے پر قربانی کا حکم

کیا باپ کی موجودگی میں بیٹے پر بھی قربانی فرض ہے؟ جب کہ باپ اپنی رقم بیٹوں میں تقسیم کرے تو سبھی بیٹے صاحب نصاب کو پہونچ جائیں گے۔

الجواب: یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے جس کی اس رقعہ میں گنجائش نہیں باپ اگر لاکھوں

روپے کا مالک ہوتو اس کی وجہ سے بیٹے مالک نصاب نہ ہونگے جب وہ روپے ان کی ملک نہیں تو یہ مالک کیسے ہاں خود ان کی ملک میں جو روپے ہوں یا زیور ہوں اور سب مل کر چھپن روپے بھر انگریزی کے دام کو پہونچتے ہوں یا اس سے زیادہ ہوتے ہوں تو وہ مالک نصاب ہونگے اور ان پر بھی قربانی واجب ہوگی۔ آج کل عام طور سے بڑے اور اوسط گھرانوں کے نوجوان اس حیثیت کے ہوتے ہیں۔ باپ اگر بیٹوں کے ساتھ رہتا ہوا اور سب کماتے ہوں اور باپ کی کفالت کرتے ہوں تو سب اپنی اپنی کمائی کے مالک ہیں اور بشرط ملک نصاب (فارغ عن الحوائج الاصلية و الدين) سب پر قربانی واجب ہے یوں ہی بیٹے ملازمت کرتے ہیں تو وہ بھی کمائی کے مالک ہیں اور بشرط مذکور ان پر قربانی واجب ہے، معاملہ مشتبہ ہوتو اولی یہ ہے کہ بشرط استطاعت سب کی طرف سے قربانی کردے جائے۔

خصی بکرے کی قربانی درست ہے

زید کا کہنا ہے کہ نسبندی کیا ہوا بکرے کی قربانی درست ہے بکر کا کہنا ہے کہ نسبندی کیا ہوا بکرے کی قربانی درست نہیں ہے اس لئے آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت کردیں۔ تاکہ عوام غلط کام سے روک جائیں ہمہ وقت۔

الجواب: خصی کرنا انسان میں عیب ہے جانوروں بالخصوص بکرے میں نہیں کہ اس وجہ سے اس کا گوشت عمدہ ہوجاتا ہے، خود جانور خوبصورت وفربہ ہوتا ہے اس کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی کھال بھی غیر خصی کی بہ نسبت بیش قیمت ہوجاتی ہے لہذا اس کی قربانی بلاشبہہ جائز ہے حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ذبح کے دن دو مینڈھے سینگ والے چت کبرے خصی کیے ہوئے ذبح کیے۔ (مسند احمد بن حنبل، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) زید نے صحیح کہا اور بکر نے غلط لہذا بکر اس غلط قول سے توبہ کرے کہ بے علم فتوی دینا حرام وگناہ ہے۔ واللہ تعالی اعلم

مسائل قربانی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسائل کے بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے واضح فرمادیں تاکہ حکم شریعت پر ہم صحیح طریقہ سے عمل کرسکیں۔

(۱) قربانی تین دن ہے، یا چار دن، صحیح کیا ہے؟

(۲) جس جانور کا پیدائشی ایک ہی کان ہو اس کی قربانی ہوگی یا نہیں۔ ایک جانور کی پوری دم کٹ گئی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) بکری یا بھینس کا تھن خشک ہو گیا، یا ان کے "لر" سرا کٹ گیا، یا خشک ہو گیا تو ان کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) قربانی صرف تین دن مشروع ہے۔ ۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ اس کے بعد قربانی صحیح نہیں۔ ہدایہ میں ہے: **وهى جائزة فى ثلثة أيام، يوم النحر، ويومان بعده. لنا: ماروى عن عمروعلى وابن عباس رضى الله عنهم، قالوا: أيام النحر ثلثة أفضلها اولها وقد قالوه سماعاً، لأن الرائ لايهتدى الى المقادير.** اھ ملتقطا (ص: ۴۳۰، ج: ۴، مجلس برکات)

قربانی تین دن جائز ہے ایک تو یوم النحر یعنی ۱۰ / ذی الحجہ اور دو دن اس کے بعد۔ کیوں کہ حضرت عمر و علی و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ ان حضرات نے فرمایا کہ قربانی کے دن تین ہیں سب سے افضل پہلا دن یعنی ۱۰/ ذی الحجہ ہے۔ اور یقیناً ان حضرات نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی ارشاد فرمائی ہے کیوں کہ قیاس و رائے سے مقدار کا علم نہیں ہوتا۔

(۲) ان دونوں جانوروں کی قربانی ناجائز ہے کیوں کہ یہ دونوں عیب دار ہیں ساتھ ہی عیب ایسا ہے جس سے اس عضو کی پوری منفعت ختم ہو چکی ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: **ولاتجوز مقطوعة الأ ذنين والذنب بالكلية والتى لاأذن لهافى الخلقة وتجزئ السكاء وهى صغيرة الاذن فلاتجوز مقطوعة احدى الأذنين بكمالها. والتى لهااذن واحدة خلقة.** اھ ملتقطا

جس جانور کے دونوں کان کٹ گئے ہوں، دم کٹ گئی ہو، جس کے پیدائشی کان ہی نہ ہوں ان کی قربانی درست نہیں، ہاں جس جانور کے کان چھوٹے چھوٹے ہوں اس کی قربانی درست ہے۔ اور جس جانور کا ایک کان پورا کٹ گیا ہو، اور جس کا پیدائشی ایک ہی کان ہو اس کی بھی قربانی صحیح نہیں۔

(ص: ۲۹۸،۹۷ ج: ۵ باب خامس)

(۳) اگر بھینس یا بکری کے سارے تھن خشک ہو گئے، یا کٹ گئے، یا ان کے پستان (ل) کا سرا تنگ ہو گیا، یا کٹ گیا تو ان کی قربانی درست نہیں اور اگر بعض تھن، یا اس کا سرا صحیح سلامت ہے اور بعض عیب دار تو اس میں قدرے تفصیل ہے اگر بکری یا بھیڑ کے ایک تھن یا اس کے سرے میں یہ عیب پایا جاتا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں اور گائے، بھینس کے ایک تھن یا سرا میں یہ عیب ہے تو قربانی ہو جائے گی البتہ بچنا بہتر ہے۔ اور اگر ان کے دونوں تھن یا ان کے سرے عیب دار ہوں تو نہیں ہو گی۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

ومقطوعة رئوس ضروعهالاتجوز. وفي الشاة والمعزاذالم تكن لهما احدى حلمتيهاخلقة، أوذهبت بآفة وبقيت واحدة لم تجز، وفي الابل والبقران نهبت واحدة تجوزوان ذهبت الثنتان لاتجوزكذافي الخلاصة، والشطورلاتجزئ وهي من الشاة ماانقطع اللبن عن احدى ضرعيها، ومن الابل والبقر ما انقطع اللبن من ضرعيهما، لان لكل واحد منهمااربع أضرع كذافي التاتارخانية۔ اھ ملتقطا

جس جانور کے تھنوں کے سرے کٹ گئے ہوں ان کی قربانی درست نہیں۔ اور بکری اور بھیڑ کے تھن کا ایک سرا پیدائشی نہ ہو، یا کسی بیماری کی وجہ سے نہ رہا اور ایک باقی ہے تو بھی اس کی قربانی نہیں ہو گی، ہاں اونٹ اور گائے کے ایک تھن کا سرا نہ رہے تو ان کی قربانی جائز ہے اور اگر دونوں بیکار ہو گئے تو ناجائز ہے ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔ اور اگر بکری کے ایک تھن کا اور اونٹنی و گائے کے دو تھنوں کا دودھ خشک ہو جائے تو ان کی قربانی صحیح نہ ہو گی ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے (ص ۲۹۹ ج ۵)

نیز اسی میں ہے: ومن المشائخ من يذكرلهذاالفصل اصلاً ويقول: كل عيب يزيل المنفعةعلى الكمال اوالجمال على الكمال يمنع الأضحيةومالايكون بهذه الصفة لايمنع۔ اھ ملتقطا

کسی عیب دار جانور کی قربانی صحیح ہے، اور کسی کی نہیں، اس کا ایک ضابطہ بعض مشائخ کرام نے بیان فرمایا ہے کہ عیب کی وجہ سے عضو کی منفعت اگر کامل طور پر ختم ہو جائے یا عضو کا جمال کامل طور پر ختم ہو جائے تو قربانی درست نہ ہو گی اور اگر عیب اس درجے کا نہ ہو تو قربانی صحیح ہو گی۔

(فتاوی عالمگیری ص: ۲۹۹ باب خامس کتاب الاضحیۃ) واللہ تعالی اعلم

غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت نہ دیں

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ زید اس بات کا قائل ہے کہ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا جائز ہے اور بطور دلیل ''مائل خیر آبادی'' کی کتاب ''اسلامی شریعت ص:۹۱'' کا حوالہ پیش کرتا ہے ''قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو بھی دیا جاسکتا ہے اگر غیر مسلم پڑوسی ہو تو دینا ہی چاہیے'' جب کہ بکر قربانی کے گوشت غیر مسلموں کو نہ دیئے جانے کا قائل ہے لہٰذا قرآن واحادیث کی روشنی میں واضح بیان تحریر فرمائیں۔

الجواب: قربانی اسلام کے شعائر اور احکام سے ہے اس لیے جو لوگ اسلام کو نہیں مانتے ان سے نہ تو قربانی کا مطالبہ ہوسکتا ہے، نہ ہی قربانی کا گوشت انہیں دیا جاسکتا ہے۔ تاکہ یہ نہ ہو کہ اسلام نے اپنے شعار کی کوئی چیز ان پر تھوپ دی، خاص طور پر اس صورت میں کہ قربانی کسی بڑے جانور کی ہو کہ ایسا گوشت انہیں دینا ایک طرح سے ان کے ساتھ مذاق ہوگا۔ بلکہ اسے معلوم ہو جائے تو باہم نفرت، دلی کدورت اور دشمنی کا باعث بھی ہوگا۔

پھر ایک مسلمان کو یہاں اس حیثیت سے بھی غور کرنا چاہیے کہ یہاں کے غیر مسلموں کے مذہب میں گوشت کھانے کی اجازت ہے بھی یا نہیں، اگر ان کے مذہب میں اس کی اجازت نہ ہو کہ ان کے نزدیک یہ ''جیو ہتیا'' ہے تو انہیں یوں بھی گوشت دینے سے روکا جائے۔

حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: پڑوسی غیر مسلم کا صرف ایک حق جوار ہے، ہم نے عرض کی یارسول اللہ، ان کو اپنی قربانیوں میں سے دیں؟ فرمایا: مشرکین کو قربانیوں میں سے کچھ نہ دو۔

(بیہقی شریف بہار ۱۶ ص:۱۸۲)

زید ارشاد رسالت کو بلا چون وچرا مانے، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ حکمتوں کی بنیاد پر یہ حکم دیا ہے۔ تفصیل بالا کی روشنی میں زید کا قول غلط اور بکر کا قول حق وصحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قربانی کے لیے وکیل بنانے کی ایک صورت

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام کہ ہمارے یہاں کشمیر میں چند مدرسوں نے یہ دھندہ شروع کیا ہے کہ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ آٹھ آٹھ سو روپے کے ٹوکن ہم سے حاصل کر کے ہم مدرسہ والے آپ کے نام

سے قربانی خود کریں گے اور آپ اپنے گھر پر ہی بیٹھیں اس طرح آپ کی طرف سے قربانی ہو جائے گی جب کہ شریعت مطہرہ میں اس بات کی اجازت ہے کہ سات آدمی مل کر ایک گائے کی قربانی کر سکتے ہیں۔ لیکن ان مدرسوں کے اس طرح کے عمل سے یہ خدشہ بھی ہو سکتا ہے کہ آٹھ آٹھ سو میں سات افراد مل کر اگر یہ از خود مدرسہ والے جانور خریدیں گے تو اس طرح انہیں کچھ پیسے بھی بچ سکتے ہیں اور اپنے مدرسوں کے لیے ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا معلوم یہ قربانی کریں گے یا نہیں اور کیا ان کی طرف سے کر سکتے ہیں۔ برائے کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں نوازش ہوگی۔

الجواب: اگر وہ مدارس اہل سنت و جماعت کے ہیں، ان کی انتظامیہ قابل اعتماد ہے تو ایسے مدارس میں قربانی کے لیے روپے جمع کر سکتے ہیں البتہ مدارس کی انتظامیہ پر واجب ہے کہ جانور کے دام، اس کی خوراک اور ذبح وغیرہ کے ضروری مصارف کے بعد اگر آٹھ سو روپے میں سے کچھ رقم فاضل بچے تو وہ اس کے مالک کو واپس کر دیں اور مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ فاضل رقم چاہے تو لے لے یا چاہے تو مدرسہ میں چندہ کے طور پر دے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قربانی کی فالتو ہڈیوں کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

اجتماعی قربانی کے ذریعہ جو فالتو ہڈیاں ملتی ہیں ان کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ان کی فروخت سے جو رقم ملتی ہے اس کو دینی درس گاہوں کے مصرف کے لیے دے دیا جانا درست ہیں یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اجتماعی قربانی کی فالتو ہڈیاں مال تجارت نہیں ہیں، لہٰذا ان کی فروخت ناجائز ہے قربانی کی کھال کی فرخت سے جو رقم مل رہی ہے، سرے سے برصغیر کی دینی درس گاہیں اپنے مصارف میں لگاتے ہیں، ایسی صورت حال میں صرف ہڈیوں کو مال تجارت میں شمار کرنا یا تخصیص کر کے ان کی فروخت کرنا جائز ٹھہرانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جو حکم قربانی کی کھال کا ہے وہی حکم اس کی ہڈی کا بھی ہے۔ مدرسہ میں صرف کرنے کے لیے اسے بیچنا جائز و ثواب ہے۔ تمام فالتو ہڈیوں کو جمع کر کے بیچیں اور سنی مدارس میں اس کا دام

صرف کریں، یہ قربت وکارِ ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غیر رہائشی اداروں میں چرم قربانی کا حکم

زید ایک ایسا مدرسہ چلا رہا ہے جس میں مقامی طالبات تعلیم حاصل کر کے گھر چلی جاتی ہیں۔ فی الحال اس میں رہائش کا کوئی انتظام نہیں، نیز زید کا ارادہ ہے کہ مدرسہ میں طالبات کی رہائش کا انتظام کرے تو آیا ایسی صورت میں فی الحال مدرسہ کے لئے زید کو چرم قربانی دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ مدرسہ کی امداد چرم قربانی سے کرنا جائز اور باعثِ اجر وثواب ہے کہ اس مدرسہ کا تعاون بھی قربت وکارِ ثواب ہے اور چرم قربانی کا دام ہر کارِ ثواب میں صرف کرنا جائز ہے۔ حدیث شریف میں قربانی کے گوشت کے تعلق سے ہے: **فکلوا وادخروا واتجروا**۔ کھاؤ اور محفوظ رکھو اور ثواب کا کام کرو۔ (سنن ابوداؤد شریف)

جو حکم گوشت کا ہے ٹھیک وہی حکم پوست کا بھی ہے۔ لہٰذا اسے بھی ثواب کے کام میں صرف کرنا جائز ہے، جیسے گوشت کا ثواب کے کام میں صرف کرنا جائز ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **لایبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه وعیاله، واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لأنه قربة کالتصدق (باللحم) کذا فی التبیین وکذا فی الهدایة والکافی ملتقطا**۔ (ص:۳۰۱، ج:۵، الباب السادس)

اس مسئلے کی پوری تحقیق فتاویٰ رضویہ، جلد ۸، رسالہ الصافیۃ الموحیہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

گونگی گائے یا بکری کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

گونگی گائے یا بکری کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: گونگے جانور کی قربانی جائز ہے خواہ وہ گائے ہو یا بکری یا اونٹ، کہ جانور میں نطق منافع مقصودہ نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ نطق منافع سے ہے ہی نہیں، نہ منافع مقصودہ سے، جیسے آنکھ وغیرہ، نہ غیر مقصودہ سے جیسے سینگ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے انہیں نطق سے محفوظ رکھا ہے اور فقہائے کرام نے اسے عیوب سے نہیں شمار فرمایا۔ اگر یہ عیب ہوتا تو فقہا اسے ذکر فرماتے۔ واضح ہو کہ گونگے سے مراد ایسا

جانور ہے جس کی زبان سلامت نہ ہو تو اس میں تفصیل ہے۔ پیدائش کے وقت سے ہی وہ زبان سے محروم ہے اور وہ بکری کی جنس سے ہے تو قربانی صحیح ہے اور اگر گائے یا اونٹ کی جنس سے ہے تو نہیں، کہ بڑے جانور زبان سے چرتے اور اپنی غذا لیتے ہیں اور چھوٹے جانور دانت سے چرتے اور اپنی غذا لیتے ہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **والتی لالسان لها فی الغنم تجوز و فی البقرِ لاکذا فی الخلاصة۔**

(ص:۲۹۸، ج:۵، الباب الخامس) واللہ تعالیٰ اعلم

کیا دیہات میں نماز عید سے قبل قربانی جائز ہے؟

زید کہتا ہے کہ دیہات میں طلوع فجر کے بعد قبل نماز عید قربانی جائز ہے لیکن بکر کہتا ہے کہ دیہات میں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ ان دونوں کے درمیان حق واضح فرمائیں؟

الجواب: دیہات میں شرعاً عید کی نماز جائز نہیں اس لیے وہاں عید سے پہلے قربانی جائز ہے۔ فقہائے کرام نے صراحت فرمائی ہے۔ لیکن اب عام طور پر دیہات والے نماز عید پڑھتے ہیں اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ نماز سے پہلے قربانی نہیں اس لیے اس طرح کے مسائل ان کی ذہن سازی سے پہلے نہیں بیان کرنا چاہیے، اس میں ان کے دین وعقیدے کی حفاظت ہے۔

علاوہ ازیں جو دیہات بڑی بڑی آبادیوں پر مشتمل ہوں اور وہاں مذہب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ پر جمعہ و عیدین کی اجازت ہو وہاں قربانی کی اجازت قبل نماز عید نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جائز وناجائز

قرض کی ادائیگی کے لیے بھی

جوا کھیلنا جائز نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کا جوئے کا کاروبار ہے، اس سے وہ بچنا چاہتا ہے اور اس کے کاروبار میں اس کو نقصان ہونے کی وجہ سے بازار سے بڑا قرض لینا پڑا، لیکن وہ کاروبار کو بند کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، صرف وہ ادائے قرض کے لیے کاروبار چلا رہا ہے، اگر یہ کاروبار روک دے گا تو اس کے قرض کی ادائیگی نہ ہو سکے گی اور اس کاروبار سے جو وسیع شکل میں منافع آرہا ہے زید

اس سے قرض کی بھرپائی کر رہا ہے، اس سے اپنی ذات اور اہل وعیال پر کچھ بھی خرچ نہیں کرتا، لہٰذا مذکورہ کاروبار اور اس کی رقم سے قرض کی ادائیگی کا ازروے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب: جوابازی مطلقا حرام وگناہ ہے، اگر چہ اس سے مقصود قرض کی ادائیگی ہو یا فقرا ومساکین کی مدد ہو یا مساجد ومدارس کی خدمت ہو کہ دوسرے کا مال بلا وجہ شرعی حاصل کرنا اور اسے کسی تصرف میں لانا حرام وگناہ ہے۔

ارشاد باری ہے: **اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔**

(المائدہ، آیت: ۹۰)

لہٰذا زید فوراً اس ناپاک کاروبار سے الگ ہو جائے اور سچے دل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر کے حلال کاروبار اختیار کرے، جن کا مال قرض میں جیتا ہے ان سب کا مال انھیں واپس کرے، زید کی یہ سوچ جو سوال میں مذکور ہے، بہت غلط ہے، کیوں کہ قرض ادا کرنے کے لیے جوا کھیلنا چاہتا ہے، حالاں کہ جوئے میں جو کچھ جیت کر اپنے پاس رکھ لے گا وہ خود اس کے ذمہ صاحب کا مال قرض ہو جائے گا۔ اور اس پر فرض ہوگا کہ وہ پوری رقم اس کے مالک کو ادا کرے، اس لیے زید اپنی فکر سے باز آئے اور تائب ہو کر سب کے حقوق ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فرضی مزار پر فاتحہ پڑھنا ناجائز وگناہ ہے

کیا فرماتے ہیں علماے دین وشرع متین مسئلہ ذیل میں:

(۱) زید ایک گاؤں کا امام ہے جو اپنے آپ کو سنی صحیح العقیدہ بتاتا ہے مگر اسی گاؤں کا ایک آدمی جو اپنے کو مستان کہلواتا ہے، اس نے قبرستان میں ایک مٹی کے ڈھیر کو شہید کا مزار قرار دے رکھا ہے، جہاں نیاز وفاتحہ دیتا اور دلواتا ہے، جب کہ سبھی گاؤں والوں کو معلوم ہے کہ یہ مٹی کا ڈھیر ہے، پھر بھی کچھ لوگوں کے دباؤ میں آکر امام نے بھی فاتحہ پڑھنا شروع کر دیا۔ بعد کچھ دنوں کے لوگوں کے درمیان جائز وناجائز کی باتیں شروع ہوئیں، تو کچھ لوگوں نے علماے کرام سے فتویٰ لیا فتوے کے بعد زید نے اپنے عمل سے توبہ کر لی۔ مگر سوال یہ ہے کہ۔

(الف) زید کی توبہ سے پہلے جو اس اقتدا میں نمازیں پڑھی گئیں اس کا کیا حکم ہے؟

(ب) کیا لوگوں کے مجبور کرنے پر شریعت کے قانون کے خلاف کرنا جائز ہے؟

(ت) ایسے امام کے معاون و مددگار کے لیے شرع میں کیا حکم ہے؟

(ج) جس امام کے رہنے سے گاؤں برادری میں اختلاف ہو اس کو گاؤں میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بکر بالغ و مسلم ہے، لیکن اس نے بت (مورتی) کو اگربتی دکھا کر پوجا کی، گاؤں گھر برادری والے کہیں باہر چلے گئے تھے، جس کی وجہ سے وہ کلمہ نہ پڑھ سکا۔ سوال یہ ہے کہ کیا امام کو وقت دینا جائز و درست ہے۔ مذکورہ امام اور امامت کا شرع میں کیا حکم ہے، وضاحت فرمائیں۔

(۳) مذکورہ امام رخصت پر گھر جاتا ہے تو نماز کا پابند نہیں رہتا، یہاں تک کہ خاص لوگوں و رشتہ داروں سے معلوم ہوا کہ وہ نماز پڑھتا ہی نہیں اور جب یہاں ہوتا ہے تو بھی کبھی دیکھا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے کو امام بنا سکتے ہیں؟ حکم شرع کیا ہے؟

(۴) زید مذکورہ امام محرم وغیرہ کی تمیز نہیں رکھتا، وہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جاتا ہے، کیا ایسے کو امام بنایا جا سکتا ہے؟

(۵) بلا وضو اذان دی جا سکتی ہے؟ بلا وضو اذان دینے کو لازم کر لینا کیا جائز و درست ہے؟ جمہور علمائے اہل سنت کا موقف اور تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: (۱) جس جگہ کوئی ولی یا عالم یا مسلمان مدفون نہ ہو وہاں فرضی قبر یا مزار بنانا ناجائز و گناہ ہے۔ یہ لوگوں کو اعتقادِ فاسد میں مبتلا کرنا ہے۔ یہ ایک بری بدعت ہے، جس سے اجتناب لازم ہے۔ اگر زید کو یہ معلوم تھا کہ مزار فرضی ہے، پھر بھی اس نے وہاں جا کر فاتحہ پڑھی اور سائل کا بیان ہے کہ کئی سال تک پڑھتا رہا تو وہ گنہ گار فاسق معلن ہے، اس کے پیچھے توبہ سے پہلے جتنی نمازیں پڑھی گئیں سب کو دہرانا واجب ہے۔ فقہائے کرام نے مطلقاً فرمایا: "**کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا**" (الدر المختار المطبوع مع رد المحتار، ج:۲، ص:۱۴۷/۱۴۸، بیروت) وجوب ادا کی پوری تحقیق "رد المحتار باب **قضاء الفوائت**" میں ہے۔ فتاوی رضویہ جلد چہارم میں ہے:

قبر بلا مقبور کی زیارت کی طرف بلانا اور اس کے لیے وہ افعال کرانا گناہ ہے اور جب کہ وہ اس پر

مصر ہے اور اعلان اسے کررہا ہے تو فاسق معلن ہے فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور پھیرنی واجب۔ اس مسئلہ زیارت قبر بے مقبور میں شرکت جائز نہیں۔ زید کے اس معاملے سے جو خوش ہیں۔ خصوصاوہ مددمعاون ہیں، سب گنہ گار وفاسق ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ۔ (المائدہ، آیت:۲) بلکہ وہ بھیجو باوصف قدرت ساکت ہیں۔ (کتاب الجنائز، ج:۴۔ ص:۱۱۵، رضا اکیڈمی)

قال الله تعالى: كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

(المائدہ، آیت:۷۹)

(۲) صورت مسئولہ میں امام پر واجب تھا کہ بکر سے توبہ کرا کے فوراً کلمہ پڑھاتا اور مشرف بہ اسلام کرتا، لیکن اس نے ایسا نہ کیا، اس لیے وہ گنہ گار ہوا، بکر جب پہلے سے مسلمان تھا تو اس پر فرض تھا کہ خود ہی کلمہ پڑھ لے یا گاؤں کا کوئی بھی مسلمان اسے توبہ کرا کے کلمہ پڑھادیتا، جو لوگ بھی ایسا کر سکتے تھے اور جانتے ہوئے انہوں نے ایسا نہ کیا وہ سب گنہگار ہوئے۔ حدیث پاک میں ہے:

"من رای منکم منکرا فلیغیر بیدیه." (مسلم شریف، ص:۵۱، ج:۱، مجلس برکات)

یہ ایسا منکر ہے جس کی شناعت سے ہر مسلمان آگاہ ہے اور آبادی میں بہت سے مسلمان ایسے ہوتے ہیں جو توبہ اور کلمہ پڑھا سکتے ہیں، اس لیے ایسے سارے لوگوں پر لازم ہے کہ مسلمانوں کے مجمع میں علانیہ توبہ کریں اور احتیاطاً اس میں ہے کہ امام توبہ کے ساتھ تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی کرلے۔

(۳/۴) ایسا امام فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔

(۵) بلاوضو اذان نہ دینا چاہیے، یہ بے ادبی اور مکروہ ہے۔ ہاں اذان ہوجائے گی۔ واللہ اعلم

"کیش کالا" کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام: ایک تیل بنام "سوپر دسمول" ہے اس کے فارمولے کے مطابق اس میں خضاب نہیں لیکن یہ بال کالا کردیتا ہے۔ یہ تیل جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ ہے۔ (فارمولہ اس کے ساتھ حاضر خدمت ہے) لہذا اس کا استعمال عام طور پر یا خاص طور پر نوجوانوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: "سوپر دسمول" عرف "کیش کالا" کا نام جو بھی دیا جائے وہ شرعی نقطۂ نظر سے

واقع میں "کالا خضاب" ہی ہے اسے بالوں میں لگانا حرام و گناہ ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: عن جابر بن عبداللہ قال: اتی بابی قحافة یوم فتح مکة وراسه ولحیته کالثغامة بیاضاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم غیروا هذا بشیء واجتنبوا السواد۔

ترجمہ: جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن ابوقحافہ (حضرت ابوبکر کے والد) لائے گئے اور ان کا سر اور داڑھی ثغامہ (یہ ایک گھاس ہے) کی طرح سفید تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو کسی چیز سے بدل دو (یعنی خضاب لگاؤ) اور سیاہی سے بچو۔" یعنی سیاہ خضاب نہ لگانا۔ رہی بات کالا خضاب کے علاوہ کی تو وہ مرد کے لیے جائز ہے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے: یستحب للرجل خضاب شعره ولحیته ولو فی غیر حرب فی الأصح والأصح انه علیه الصلاة والسلام لم یفعله ویکره بالسواد۔ اھ ردالمحتار میں ہے: (ویکره بالسواد) أی لغیر الحرب قال فی الذخیرة: اما الخضاب بالسواد للغزو لیکون أهیب فی عین العدو فهو محمود بالاتفاق۔ اھ (ردمحتار و درالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ص: ۶۰۵، ج: ۹) نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ جیسے شراب کا نام شربت، کتا کا نام مرغی رکھ دیا جائے تو یہ حلال نہ ہوں گے۔ واللہ اعلم

نسبندی شدہ عورت کی عبادتوں کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام: ایک خاتون نے آپریشن کے ذریعہ بچہ پیدا ہونا بند کرا دیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ خاتون گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوئی۔ لہٰذا اس کی نماز، روزہ، حج وغیرہ قبول ہونگے یا نہیں اور اس گناہ کی معافی کی کیا صورت ہے؟

الجواب: یہ خاتون علانیہ توبہ کرے، سچے دل سے جو توبہ کی جاتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرماتا ہے اس کی نماز، روزہ، حج وغیرہ عبادات اپنے شرائط وارکان کے ساتھ ادا ہوں گے تو صحیح ہوں گے اور فضل الٰہی سے امید کہ قبول بھی فرمائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" جو گناہ سے توبہ کر لے وہ بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔

(مشکوۃ شریف، باب الاستغفار والتوبہ، ص:۲۰۶ مجلس برکات)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عام شعرا اور علما کو ثانیٔ حسان وثانی بلال کہنا جائز نہیں

اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں شرع متین ومفتیان دین:

مجھے ایک پوسٹر نظر نواز ہوا جس میں اس طرح کے جملے تحریر تھے، موجودہ شعرا کے ساتھ ثانی حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وثانی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، میرے کچھ ساتھیوں کو اعتراض ہے کہ ایسا جملہ نہیں لکھنا چاہیے۔ میں اور میرے ساتھی جاننا چاہتے ہیں کہ ان حضرات کے لیے اس طرح کے جملے منسوب کرنا کہاں تک صحیح وجائز ہے؟

الجواب: جو شعرا نعت گوئی کے شرعی حدود وآداب سے واقف نہیں اور نہ ہی ان کے اعمال حب رسول ﷺ کے شاہد ہیں اور نہ ہی وہ سنت کے پیروکار ومتبع۔ بلکہ کتنے تو ایسے ہیں جو فلمی گانوں کے طرز پر نعتیں پڑھتے ہیں ان کو حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ثانی کہنا جائز نہیں کہ جو ثانی نہیں ہے اسے ثانی کہنا ایسا ہی ہے جیسے بخیل کو حاتم، بزدل کو شیر اور بھیڑ کو دلیر کہنا، یہ ضرور جھوٹ ہے جو بلا شبہ ناجائز وگناہ ہے، علاوہ ازیں اس میں صحابیٔ رسول حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص وتوہین کا بھی ایک پہلو جیسے چپراسی یا منیب کو وزیر اعظم کا ثانی کہنا، حضرت سیدنا حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچے عاشق رسول، متبع سنت، نعت گوئی کے آداب کے نہ صرف عالم، بلکہ سند وحجت تھے اور آج بھی وہ سند وحجت ہیں۔ کہاں وہ اور کہاں آج کل کے عام شعرا، دونوں میں کوئی نسبت نہیں۔

اس کی قدرے تشریح یہ ہے کہ "ثانی" کا لفظ نظیر اور مانند کے معنی میں بھی آتا ہے جس سے مقصود تشبیہ ہوتا ہے، تو "ثانی حسان بن ثابت" کا معنی ہوا "حضرت حسان بن ثابت کے جیسا، ان کے مانند"۔ ظاہر ہے اب یہ تشبیہ صحابیت میں نہیں ہو سکتی، بلکہ صرف عشق رسول ﷺ سے لبریز نعت گوئی وجو اعدا میں ہو سکتی ہے۔ تو جو شخص مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا عاشق صادق ہو، متبع سنت ہو، نعت گوئی کے آداب وحدود سے واقف ہو، اس کے مطابق نعت کہے اور آپ کے دشمنوں کا رد کرے جیسے عاشق رسول امام احمد رضا علیہ

الرحمۃ والرضوان انہیں ثانی حسان کہنا جائز ہے۔(پھر بھی ہمارے ذمہ دار علمائے کرام نے احتیاطاً یہ لقب کسی ایسے عالم کو بھی دینے سے احتراز ہی فرمایا، جیسا کہ مجھے یہی معلوم ہے) جیسے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں "ثانی اثنین اذ هما فی الغار" یا علمائے باعمل کی فضیلت میں "العلماء ورثۃ الانبیاء" وغیرہ نصوص وارد ہوئے، تفسیر کبیر میں آیت مذکورہ کے تحت: دلت هذه الآية على فضل ابی بکر رضی الله تعالیٰ عنه من وجوه..الرابع :انه تعالیٰ سماه (ثانی اثنين) فجعل ثانی محمد عليه السلام حال كونهما فی الغار، والعلماء اثبتوا انه رضی الله عنه كان ثانی محمد فی اكثر المناصب الدينية، فانه صلى الله عليه وسلم لما أرسل الخلق وعرض الاسلام على ابی بکر اٰمن ابوبکر۔اھ ملخصاً یعنی یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر متعدد وجوہ سے دلالت کرتی ہے، انہیں میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کا نام "ثانی اثنین" یعنی "ثانی محمد ﷺ" رکھا جب کہ یہ دونوں حضرات غار میں تشریف فرما تھے۔اور علما نے ثابت کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر دینی مناصب میں "ثانی محمد" تھے۔ (ص:۶۵، ۶۶ ج:۱۶) مگر جو شاعر درج بالا اوصاف سے عاری ہے اسے "ثانی حسان" کہنا محض بے جا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔اس کو ایک مثال کی روشنی میں سمجھیے۔

کوئی شخص بہت قوی، بلند ہمت، شجاع ہو تو کہتے ہیں "وہ شیر ہے" یعنی شیر جیسا بہادر، قوی، بلند ہمت، لیکن اگر کوئی شخص ایسا نہ ہو، بلکہ بزدل ہو تو اسے شیر کہنا یا تو اس کے استہزا کے لیے ہوگا، یا خواہ مخواہ مدح کے لیے۔اور مدح کی صورت میں اس پر شیر کا اطلاق بے جا ہوگا کہ یہ غیر شجاع کو شجاع کہنا ہے، بلفظ دیگر شئی کے لیے اس کے ضد کا اثبات ہے۔مختصر المعانی بحث تشبیہ میں ہے:

(واعلم انه قد ينتزع الشبه) ای التماثل يقال بينهما شبه بالتحريك ای تشابه والمراد ههنا مابه التشابه اعنی وجه التشبيه من نفس (التضاد لاشتراك الضدين فيه) أی فی التضاد لكون كل منهما مضاداً للآخر (ثم ينزل التضاد منزلة التناسب بواسطة تمليح) أی اتيان بمافيه ملاحة وظرافة، يقال: ملح الشاعر اذا أتى بشئ مليح-(أوتهكم) أی سخرية واستهزاء (فيقال للجبان ما أشبهه بالأسد

للبخيل أنه حاتم)كل من مثالين صالح للتمليح والتهكم،وانمايفرق بينهمابحسب المقام،فان كان القصد الى ملاحة وظرافة دون استهزاء وسخرية باحدفتمليح، والافتهكم ومعلوم اناالااذاأردنا الاتصريح بوجه الشبه فى قوله للجبان"هوأسد" تمليحاأوتهكمالم تيات لنا الان نقول فى الشجاعة-اه ملخصا(ص:۳۳۸،۳۳۹)

خلاصہ کلام یہ کہ آج کل کے عام شعرائے نعت کو"ثانی حسان بن ثابت" کہنا جائز نہیں کہ یہ امر خلاف واقع وکذب ہے ساتھ ہی اس میں حضرت سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یک گونہ توہین بھی ہے اور عوام کی نگاہ میں ان کی عظمت وفضیلت کو کم کرنا بھی، ہاں ان شعرا کے لیے "مداح رسول" اور اس طرح کے دوسرے القاب کافی ہیں اس سے زیادہ آگے نہ بڑھیں، نہ بڑھائیں۔

ٹھیک یہی حکم عام موذنین اور علما کو "ثانی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کہنے کا بھی ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچے عاشق رسول (ﷺ) و متبع سنت تھے تو جو ایسا نہ ہو اسے ثانی بلال کہنا بزدل کو شیر کہنے کے مترادف ہوگا لہٰذا اس طرح کے القاب عام شعرا و مؤذنین کو دینے سے احتراز ضروری ہے اور جو لوگ ایسے امر کا ارتکاب کر چکے وہ مسلمانوں کے مجمع عام میں اس سے توبہ ورجوع کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا شرعا قسم نہیں

زید نے ہندہ سے کہا کہ تم کو بکر سے کلام نہیں کرنا ہے اور یہ بات زید نے ہندہ سے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم دلایا کہ تم کو بکر سے کلام نہیں کرنا ہے اور ہندہ نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم بھی کھائی کہ میں بکر سے ہرگز کلام نہیں کروں گی۔ اس کے باوجود بھی ہندہ نے بکر سے کلام کرنا شروع کر دیا۔ کیا اس صورت میں ہندہ پر کفارہ واجب ہوتا ہے؟

الجواب: "ہندہ نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی" اس جملے میں قسم سے سائل کی مراد کیا ہے۔ اگر وہ قرآن پاک پر ہاتھ رکھنے کو قسم سمجھتا ہے اور اسی کو قسم کہتا ہے تو یہ غلط ہے۔ شرعاً وہ قسم نہیں لہٰذا نہ قسم ٹوٹی اور نہ اس کا کفارہ واجب ہوا۔ بہار شریعت میں ہے:

"اس زمانے میں تغلیظ یا حلف کی ایک صورت بہت زیادہ مشہور ہے کہ قرآن مجید ہاتھ میں

ے کر کچھ الفاظ کہلواتے ہیں، مثلاً اسی قرآن کی مار پڑے، ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو، خدا کا دیدار نصیب
ہو، شفاعت نصیب نہ ہو، یہ سب باتیں خلاف شرع ہیں۔ مصحف شریف ہاتھ میں اٹھانا حلف شرعی نہیں۔"

(بہار شریعت، حصہ:۱۳،ص:۱۹، ۲۰، حلف کا بیان)

اور اگر قسم سے سائل کی مراد کچھ اور ہے تو الفاظ قسم صاف صاف لکھ کر حکم دریافت کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قبر کی لاش ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ھے:؟

قطب الاقطاب، مجدد دوراں، سید شاہ محمد عطاء الرحمٰن نقش بندی مجددی قادری چشتی سہروردی قلندری کبیر یہ مداریہ رحمۃ اللہ علیہ (جن کا روضہ مبارک سری پور، آسنسول مغربی بنگال میں ہے) کے دوسرے باکمال خلیفہ اور بہت بڑے ولی اللہ حضرت اسحاق عطاف نقش بندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۲۰۰۴ء میں ہوا تھا۔ ان کے گھر کے کچھ افراد اور بیٹی، داماد جو دیوبندی خیالات کے تھے، سبھوں نے بہ ضد ہو کر ایسے باکمال خلیفہ کو ایک قبرستان میں دفن کر دیا ہے، جہاں دیوبندیوں کا بول بالا ہے۔ ہم لوگوں کو وہاں درود و فاتحہ پڑھنے کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ چادر پوشی کرنے، یا مزار کی شکل دینے میں بھی لوگوں کو اعتراض ہو۔ خاص کر صاحب سجادہ مولانا ڈاکٹر حضرت سید شاہ محمد ولی الرحمٰن عطائی نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کو زیادہ دلی کوفت ہوتی ہے۔ چوں کہ اس موقع پر (وصال کے وقت) حضرت صاحب سجادہ وہاں تشریف فرما نہ تھے اور کسی خاص کام میں مصروف تھے۔ ساتھ ہی یہ دیکھ کر دل گریہ وزاری ہو جاتا ہے کہ جب ان کی قبر شریف کے ارد گرد دیوبندیوں اور دیگر مسلمانوں کی قبریں سٹتی جا رہی ہیں اور قبر شریف کی بے ادبی ہو رہی ہے۔ اس لیے ہم لوگوں کی یہ دلی خواہش ہے کہ ایسے باکمال خلیفہ اور اللہ کے ولی کی قبر شریف ادب کے ساتھ ان کی اپنی زمین پر منتقل کر دی جائے۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں کے حوالے سے جو حق جواب ہے، اسے تحریر فرما کر بھیجنے کی زحمت گوارا کریں تاکہ ہم لوگ حق پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے عمل کی طرف مائل رہیں۔

الجواب: آپ نے مدفون خلیفہ اور ولی اللہ کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے جو عذر پیش

کیا ہے وہ کوئی عذر شرعی نہیں، لہذا صرف زیارت قبر و فاتحہ کی آسانی کے لیے وہاں سے انھیں منتقل کر کے دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ بچے کو دفن کر دیا گیا اور ماں اسے دیکھنا چاہتی ہے تو اس کے لیے قبر کھولنا جائز نہیں اور جب زیارت ولد کے لیے محض قبر کھولنا جائز نہیں تو زیارت قبر کے لیے مدفون کو ایک قبر سے نکال کر دوسری جگہ لے جانا بدرجۂ اولی ناجائز ہوگا۔ خاص کر اس صورت میں کہ قبرستان کے کنارے کھڑے ہو کر زیارت قبور و فاتحہ خوانی ممکن ہے، جب کہ زیارت ولد بغیر قبر کھولے ممکن نہیں۔

طحاوی علی المراقی الفلاح میں ہے: "فی المضمرات النقل بعدالدفن علی ثلاثة اوجه فی وجه یجوزباتفاق، وفی وجه لایجوز باتفاق، وفی وجه اختلاف. اماالاول فهو اذادفن فی ارض مغصوبة او کفن فی ثوب مغصوب ولم یرض صاحبه الابنقله من ملکه او نزع ثوبه جازان یخرج منه باتفاق. واماالثانی :الام اذاارادت ان ینظر الی وجه ولدهااو نقله الی مقبره اخری لایجوزباتفاق. واماالثالث:اذاغلب الماء علی القبر، فقیل:یجوزتحویله. لماروی ان صالح بن عبدالله رأی فی المنام وهویقول: حولونی عن قبری فقد آذانی الماء، ثلاث فنظروافاذاشقه الذی یلی الماء قد اصابه الماء فافتیٰ ابن عباس رضی الله عنهمابتحویله وقال الفقیه ابوجعفر:یجوزذالك ایضاثم رجع ومنع.ا ھ۔" (طحاوی علی المراقی الفلاح، ص:۳۷۴، ج:۱، مصری) واللہ تعالیٰ اعلم

مخصوص کیمرے کے ذریعہ نگرانی کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام: (۱) دارالعلوم کے ہر کمرے میں ایک ایک کیمرہ لگا کر ٹیلی ویژن آفس میں رکھ کر ادارے کی تمام کاروائیوں پر نظر رکھنا کیسا ہے، جیسا کہ آج کل اسپتالوں میں، بڑی بڑی مساجد میں، بڑے بڑے شوروم وغیرہ میں ہوتا ہے اس میں کوئی فوٹو نہیں کھینچا جاتا ہے بعینہ صورت موجودہ ٹیلی ویژن کے پردے پر نظر آتی ہے۔

(۲) ایسے دارالعلوم جہاں پر اس قسم کی چیزیں ہوں ان میں پڑھانا، رہنا وغیرہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: (۱/۲) جب اس کیمرے سے فوٹو نہیں کھینچا جاتا، بلکہ ایک مخصوص سسٹم سے

صرف صورت کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے ملازمین کی مصروفیات پر ڈیوٹی کے اوقات میں نظر رکھنا جائز و درست ہے اور ایسے دار العلوم میں ملازمت اختیار کرنا بھی جائز و درست ہے کہ کوئی مانع شرعی موجود نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

موبائل یا میسیج کے ذریعہ مرید ہونے کا حکم

موبائل پر کال یا میسیج کے ذریعہ مرید ہونا کیسا ہے؟ ایک صاحب کہہ رہے ہیں کہ ان ذرائع سے مرید ہوا ہی نہیں جا سکتا ہے، برائے کرم دلائل سے اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: موبائل پر کال یا میسیج کے ذریعہ مرید ہونا جائز و درست ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"الکتاب کالخطاب" "خط" خطاب (مخاطب سے گفتگو) کی طرح ہے یعنی جو حکم خطاب کا ہے وہی حکم کتاب یعنی خط کا بھی ہے۔ موبائل کے ذریعہ گفتگو خطاب ہے اور میسیج کتاب۔ بذریعہ خطاب بیعت وارادت جائز و درست ہے تو بذریعہ میسیج بھی بیعت وارادت جائز و درست ہے۔

ہاں موبائل پر گفتگو خطاب کی ایک نئی صورت ہے جس میں مخاطب سامنے حاضر نہیں ہوتا، جب کہ اس سے پہلے جو مخاطب ہوتا وہ سامنے حاضر بھی ہوتا۔ مگر اس سے بیعت وارادت کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ بیعت کے لیے سامنے حاضر ہونا قطعاً شرط نہیں بلکہ بیعت غائبانہ بھی کافی ہے۔ جیسا کہ کتاب وسنت کے نصوص اس پر شاہد ہیں۔

ارشاد باری ہے: "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ. یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ"

جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (الفتح، آیت:۱۰)

نیز ارشاد باری ہے: "لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ."

اللہ مومنوں سے راضی ہوا جب وہ اے رسول آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ (الفتح۔۱۸)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کا ذکر فرمایا ہے جس میں زیادہ تر اصحاب حاضر تھے اور حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے مکہ معظمہ بھیجا تھا تو ان کی طرف سے خود ہی

اپنے دست اقدس پر بیعت فرمالی۔

بخاری شریف میں ہے: حضرت عثمان بن موہب کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا:

"واما تغیبه من بیعة الرضوان فانه لوکان احداعز ببطن مكة من عثمان بن عفان لبعثه مكانه،فبعث عثمان وكان بيعة الرضوان بعدماذهب عثمان الى مكة فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيده اليمنیٰ:هذه يد عثمان فضرب بهاعلى يده فقال هذه لعثمان."

بیعت رضوان سے حضرت عثمان کے غائب رہنے کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو (ایک اہم کام کے لیے) مکہ معظمہ بھیج دیا تھا اگر آپ کی نگاہ میں حضرت عثمان سے زیادہ کوئی عزیز اور اس کام کے لیے مناسب ہوتا تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام اسی کو بھیجتے، بیعت رضوان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ پھر اسے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ارشاد فرمایا: "هذه لعثمان" یہ عثمان کی بیعت ہے۔

(صحیح البخاری ص:۵۸۲، ج:۲ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

مشکوۃ المصابیح میں ہے: **عن أنس قال:لماامر رسول الله ﷺ ببيعة الرضوان كان عثمان رسول رسول الله ﷺ الى مكة،فبايع الناس،فقال رسول الله ﷺ:انّ عثمان في حاجة الله وحاجة رسوله،فضرب باحدىٰ يديه على الاخرىٰ،فكانت يد رسول الله ﷺ لعثمان خيرًامن ايديهم لانفسم،رواه الترمذي.**

حضرت انس رضی اللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مکہ معظمہ کے سفیر تھے،لوگوں نے بیعت کرلی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک عثمان، اللہ اور اس کے رسول کے کام میں ہیں، پھر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ کر حضرت عثمان کی بیعت کی۔ تو حضرت عثمان کی بیعت کے لیے حضور کا اپنے ہاتھ میں ہاتھ دینا دوسرے صحابہ کے اپنا ہاتھ دینے سے بہتر ہے۔ یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی۔

(مشکوۃ المصابیح، ص:۵۶۱، باب مناقب عثمان، مجلس برکات)

ان آیت کریمہ میں بہت ہی واضح لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دینی ضروری کام سے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔ اور اسی دن حدیبیہ کے مقام پر حضور ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی، حضرت عثمان غائب تھے، اس لیے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا ایک ہاتھ حضرت عثمان کی طرف سے اپنے دوسرے ہاتھ میں رکھ کر ان کی بیعت فرمائی، اس سے روز روشن کی طرح یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ بیعت غائبانہ جائز ودرست ہے۔ لہٰذا ٹیلی فون یا موبائل پر کال کر کے یا میسج بھیج کر یا فیس بک کے ذریعہ بیعت کرنا اور بیعت ہونا شرعا جائز ودرست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رضی اللہ عنہ کا استعمال

(۱) زید کہتا ہے کہ "رضی اللہ عنہ" کا استعمال صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے درست ہے، اور یہ کلمہ انہیں پاکیزہ شخصیات کے لیے خاص ہے، لہٰذا حق اور درست کیا ہے؟

(۲) اور بعض صلح کلی وبدمذہب حضرات کا یہ کہنا ہے کہ یا اعلیٰ حضرت المدد کہنا غیر درست ہے تو اس کی بھی دلیل کے ساتھ وضاحت فرمائیں۔

الجواب: (۱) زید غلط کہتا ہے، اس نے بے علم فتویٰ دیا جو ناجائز ہے۔ "رضی اللہ عنہ" ایک کلمہ دعا ہے جس کا معنیٰ "اللہ ان سے راضی ہو" اور اللہ تعالیٰ اپنے ایسے تمام بندوں سے راضی ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔ بالخصوص علمائے باعمل جن کی خشیت کی شہادت خود قرآن نے دی ہے۔

ارشاد ہے: "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا"

تو علمائے باعمل کے لیے یہ دعا ضرور جائز ہے، قرآن حکیم سورہ البینہ میں ہے۔

"رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ" (البینہ، آیت:۸)

اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے۔

لفظ "مَن" عام ہوتا ہے اور یہاں بغیر کسی قید کے یہ لفظ وارد ہے، اس لیے ثابت ہوا کہ قیامت تک کے تمام خاشع بندوں (اللہ سے ڈرنے والے بندے) کے لیے رضی اللہ عنہ کی بشارت دی گئی ہے۔

ہاں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں خشیت ربانی بہ نسبت عام علما کے بہت زیادہ پائی جاتی ہے،اس لیے انہیں رضی اللہ عنہ کہنا اولیٰ و مستحب ہے۔مگر جائز ہر عبد خاشع مثل علما و عباد و صالحین سب کے لیے ہے۔

تنویر الابصار درمختار میں ہے:''(ویستحب الترضي للصحابة)وكذامن اختلف في نبوته كذى القرنين ولقمان(والترحم للتابعين ومن بعدهم من عكسه)الترحم للصحابه والترضيٰ للتابعين ومن بعدهم(على الراجح)ذكره الكرماني.اھ''

ردالمحتار میں ہے:"(ويستحب الترضيٰ للصحابة)لأنهم كانوايبالغون في طلب الرضا من الله تعالىٰ ويجتهدون في فعل مايرضيه ويرضون بمايلحقهم من الابتلاء من جهته أشدالرضافهولاء أحق بالرضاوغيرهم لايلحق أدناهم ولوأنفق مل ء الأرض ذهبا."زيلعي.(درالمختار،کتاب الخنثی،ص:۴۸۵،ج:۱۰،دارالباز)

زید شریعت کے یہ دلائل خالی الذہن ہو کر پڑھے اور اپنے غلط فتویٰ سے علانیہ توبہ و رجوع کرکے حق کو قبول کرے۔

(۲)فتویٰ تو آپ نے خود ہی صادر فرمادیا۔ہمیں شریعت نے بدمذہبوں اور حق و باطل سب کو ٹھیک سمجھنے والے صلح کلیوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔حدیث پاک میں ہے،حضور اقدس سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:''ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم''۔

(مسلم شریف،ج:۱،ص:۱۰ مجلس برکات)

اس حدیث میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے بدمذہبوں کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا ہے اور بدمذہبوں کو اپنے قریب آنے کا موقع دینے سے بھی منع کیا ہے۔آئندہ انہیں آپ اپنے پاس نہ آنے دیں نہ ان کی بات سنیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

کافروں کی تعزیت اوران کے ساتھ مرگھٹ جانے کا حکم

(۱)کیا ایک مسلمان کو کافر کے مرنے کے بعد اس کے گھر تعزیت کے لیے جانا ازروے شرع

جائز ہے یا حرام؟

(۲) کافر کے میت کے ساتھ مسلمان کو اس کے مرگھٹ تک جانا اور اس کے جلانے تک وہاں رہنا اور کافروں کے ساتھ مرگھٹ سے آنا ازروے شرع حرام ہے، یا کفر؟

(۳) اگر ہم لوگ شریعت کی بات کرتے ہیں اور ناجائز و حرام کام سے روکتے ہیں تو چند لوگ یہ کہتے ہیں کہ کون شریعت پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو ورغلاتے ہیں، جس سے شریعت مطہرہ کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱/۲) یہ دونوں حرام و گناہ ہیں، کفر نہیں۔ (۳) یہ لوگ توبہ و تجدید ایمان کریں اور بیوی والے ہوں تو تجدید نکاح بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

راکھی باندھنے یا بندھوانے کا شرعی حکم

(۱) زید ایک سیاسی شخص ہے، اس سے اس کے ایک کافر سیاسی ساتھی (کلو) نے اپنی ماں کو جلانے کے لیے شمشان گھاٹ آنے کی دعوت دی تو زید کلو کی ماں کو جلانے کے موقع پر شمشان گھاٹ پہنچا۔

(۲) زید نے تیوہار کے موقع پر سیاسی طور پر خود اپنے ہاتھ پر ایک کافرہ سے راکھی بندھوائی اور دوسروں کو بھی بندھوائی۔ لہٰذا مذکورہ بالا دو مسئلوں میں زید پر کیا حکم شرع عائد ہوتا ہے؟

الجواب: غیر مسلموں کی میت کے ساتھ جانا یا شمشان گھاٹ جانا حرام و گناہ ہے۔ مذہب اسلام میں مردے کو جلانا جائز نہیں، اگر چہ وہ مردہ غیر مسلم ہو، تو جو مجمع اس ناجائز کام کے لیے شمشان گھاٹ جا رہا ہو اس مجمع کو بڑھانا جائز نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں تو یہاں تک حکم ہے: "وَلَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ" اور ان کی قبر پر کھڑے نہ ہونا، پھر جہاں مردہ جلایا جا رہا ہو وہاں جا رہا ہو وہاں آس پاس میں کھڑا ہونا ضرور ممنوع ہوگا، زید اپنے اس فعل سے توبہ کرے اور آئندہ بچے۔

(۲) راکھی یہاں کے غیر مسلموں کا شعار مذہبی ہے، اس لیے اسے پسندیدگی کے ساتھ باندھنا، بندھوانا حرام بلکہ کفر ہے۔ زید نے اپنے ہاتھ پر راکھی بندھوائی اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی، ظاہر ہے کہ اس نے یہ اچھا سمجھ کر ہی کیا ہے۔ اس لیے وہ اس سے توبہ کرے، بے زاری کا اظہار کرے اور کلمہ

پڑھ کر داخل اسلام ہو۔شادی ہو چکی ہو تو نئے مہر کے ساتھ پھر نیا نکاح کرے۔رواداری الگ چیز ہے اوران کے مذہبی امور میں شرکت اور عمل درآمد الگ چیز قرآن حکیم میں ہے۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔(الکفرون،آیت:٦)۔واللہ تعالی اعلم

الکحل آمیز دوائوں کا استعمال کیسا ھے ؟

الکحل ایک خاص قسم کی شراب ہے جو بے شمار دواؤں میں استعمال کی جاتی ہے۔سیال انگریزی دواؤں میں اس کا استعمال عام ہے،اور ہومیو پیتھک میں تو سو فی صد دواؤں میں اس کی آمیزش ہوتی ہے، بلکہ الکحل ہی ان کا جزءِ اعظم ہوتا ہے اور آج کے زمانے میں مسلمان عوام وخواص سبھی ان دواؤں سے اپنا یا اپنے اہل خاندان کا علاج کرتے کراتے ہیں۔اس لیے سوال یہ ہے آج کے حالات میں ہومیو پیتھک کی دواؤں سے علاج جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : آج کے حالات میں ہومیو پیتھک دواؤں سے علاج شرعاً جائز ومباح ہے، کیوں کہ دنیا کے مختلف حصوں میں اور خاص کر ہمارے ملک ہندوستان میں اس طریقۂ علاج کی افادیت ظاہر ہونے کے بعد کثرت سے اس کی طرف لوگوں کا رجوع ہوا ہے۔بڑے بڑے ڈاکٹروں کے یہاں تو حیرت انگیز طور پر اژدحام کثیر ہوتا ہے اور سچائی یہ ہے کہ آج ہمارے عوام وخواص، اکابر واصاغر سبھی ان دواؤں کے استعمال میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اب ان سے احتراز حد درجہ دشوار ہو چکا ہے، بلکہ بہت سے امراض میں تو ہومیو پیتھک دواؤں سے اعراض ضرر شدید کا باعث ہے پھر ان سے اعراض کر کے ایلو پیتھک کی طرف جائیں گے تو ادھر بھی اسپرٹ اور الکحل سے چھٹکارا نہیں ملے گا اس لیے فقہی اصطلاح کے مطابق الکحل آمیز دواؤں میں عموم بلوی ہو چکا ہے اور عموم بلوی کے باعث شریعت طاہرہ اپنے سخت احکام کو آسان حتی کہ بہت سی حرام چیزوں کو مباح کر دیتی ہے۔اس لیے آج الکحل آمیز دواؤں بشمول ہومیو پیتھک دواؤں سے علاج جائز ومباح ہے۔مسلمان بلا دغدغہ یہ طریقہ علاج اختیار کر سکتے ہیں۔ہم اس کی تائید کے لیے اس مقام پر فقیہ فقید المثال امام احمد رضا قدس سرہ کا ایک فتویٰ پیش کرتے ہیں جس سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح بے غبار ہو کر سامنے آجاتا ہے واضح ہو کہ امام موصوف کا یہ فتوی اسپرٹ کے تعلق سے ہے جسے

وہ خود خبیث ترین شراب قرار دیتے ہیں۔ آپ کے فتوٰی کے الفاظ یہ ہیں۔ ''پڑیا کی نجاست پر فتوٰی دیئے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے۔'' واللہ تعالٰی اعلم

زنا بالرضا کا حکم

زید نے ہندہ کے ساتھ اس کی رضا سے زنا کا ارتکاب کیا اور اسے ایک ہفتہ لے کر فرار رہا۔ معاملہ منکشف ہونے پر لوگوں نے زید سے باز پرس کی اور ہندہ کے ساتھ نکاح کرنے کی بابت کہا تو اس نے بخوشی ہندہ کے ساتھ عقد نکاح کر کے اسے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح سے قبل زید سے ہونے والے ارتکاب زنا کی وجہ سے کیا فی الحال زید کا سماجی بائیکاٹ کرنا مومنوں پر لازم ہے، حالاں کہ زنا کا صدور تو ہے مگر اس پر اصرار ثابت نہیں ہے۔ کیوں کہ بسبب عقد نکاح زنا کا سد باب ہو چکا ہے، تو کیا زید کے ماقبل میں کیے گئے گناہوں سے جب تک زید تائب نہیں ہو جاتا زید کا شرعاً سماجی بائیکاٹ ضروری ہے۔ مدلل دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

الجواب: زنا بدترین گناہ ہے چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن** ۔اھ، ترجمہ: جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن (کامل) نہیں ہوتا، (مشکوۃ شریف، ص: ۱۷، ج: ۱، باب الکبائر، مجلس برکات) اور اس کی سزا دنیا و آخرت میں بہت سخت ہے اس لیے زید اور ہندہ دونوں مسلمانوں کے مجمع عام میں اپنے گناہ سے توبہ کریں اور عہد کریں کہ آئندہ پھر کبھی ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کریں گے اور اپنے قرابت داروں سے معافی مانگیں، اگر یہ لوگ علانیہ تائب ہو جائیں اور اب گناہ سے باز آ ہی چکے ہیں تو انھیں اپنے ساتھ شامل کر لیں اور تائب نہ ہوں تو ان سے قطع تعلق کر لیں یعنی سماجی بائیکاٹ کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مزارات پر عورتوں کی حاضری کا حکم

(۱) اولیائے کرام مثلاً غازی میاں بہرائچ شریف، خواجہ صاحب اجمیر شریف اور مخدوم صاحب کچھوچھہ شریف علیہم الرحمہ کے مزارات پر عورتوں کا جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کی حاضری کو منع کرنے کے لیے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۱۶۲ تا ۱۷۶ اور فتاویٰ فیض الرسول جلد دوم ص: ۵۲۹/ بہار شریعت جلد چہارم، نظام شریعت ص: ۳۶۲/ اور دیگر اکابر علما و اولیا کے فتاویٰ و اقوال کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ مگر بعض لوگ اسے نہیں مانتے اور اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں۔ اپنی عورتوں کو مزار پر بھیجتے ہیں یا جانے کی زبردست وکالت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) ناجائز ہے اس میں عام طور سے اجنبی مردوں اور عورتوں کا باہم اختلاط نیز بے حجابانہ ایک دوسرے کے سامنے ہونا، یہاں تک کہ بہت سے مقامات پر ایک دوسرے کے بدن کو چھونا بلکہ دھکا لگنا بھی پایا جاتا ہے۔ جو شرعاً ناجائز و گناہ ہے۔

(۲) مزارات پر یا کہیں بھی عورتوں کو حاضر ہو کر مردوں کے سامنے برہنہ ہونا اور جھومنا ناجائز ہے۔ اس سے اجتناب واجب ہے۔ مردوں پر واجب ہے کہ عورتوں کو ہرگز ہرگز ایسی جگہوں پر نہ لے جائیں، بلکہ سمجھا بجھا کر روکیں۔ واقعی علاج مقصود ہے تو دیار اولیا اللہ میں مزارات سے کافی فاصلے پر جہاں اختلاط وغیرہ ممنوعات کا ارتکاب نہ ہو کسی مکان یا محفوظ کمرہ میں قیام کر کے بوسیلۂ شفا کی دعا کریں اور مخصوص وظائف میں نماز کی پابندی کے ساتھ مشغول ہوں۔

(۳) ان کو نرمی کے ساتھ سمجھائیں اور حسن موعظت کے ساتھ اتباع شریعت کے لیے راغب کریں۔

ارشاد باری ہے: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (النحل، آیت: ۱۲۵)

اس کا حکم فتاویٰ رضویہ وغیرہ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ وہ نہیں مانتے تو آپ مانیے، کیا وہ حکم آپ کے اطمینان کے لیے کافی نہیں اور بہر حال ۱/۲/ میں ان سب کا حکم ہے۔ گناہ کے کام کی وکالت کرنا بھی گناہ ہے، مگر آپ کی ذمہ داری صرف اتنے سے ہی پوری نہ ہوگی بلکہ اس کے ساتھ وہ بھی کرنا ہوگا جو اوپر مذکور ہوا۔

حدیث میں ہے: کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته۔ (الصحیح البخاری، باب الجمعة فی القری والمدن، ص: ۱۲۲، ج: ۱، مجلس برکات)

نیز ارشاد رسالت ہے: فان لم یستطع فبلسانه۔ (الصحیح المسلم، باب بیان کون نہی عن

المنکر من الایمان، ص:۵۱، ج:۱، مجلس برکات) واللہ تعالیٰ اعلم

کسی مسلمان پر گناہ کا الزام لگانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید نے اپنی تقریر میں بکر پر عیب لگائے اور کہا کہ میرے پاس اس کا ثبوت ہے جب ثبوت مانگا گیا تو آئیں بائیں شائیں کرنے لگا، اس نے مجمع میں بکر پر عیب لگائے، تو اب زید پر حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب: بلا تحقیق شرعی کسی مسلمان پر گناہ کا الزام لگانا جائز نہیں، اور مجمع عام میں اس کا اعلان تو بہت قبیح ہے۔ زید ثبوت پیش کرے ورنہ بکر سے علانیہ معافی مانگے اور توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اولاد کو سزا کے طور پر میراث سے محروم کر دینا جائز نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ اگر زید اپنی کسی اولاد کو جو کہ نالائق ہے اپنی جائداد سے بے دخل کر دے تو اب زید کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

نالائق کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کا خیال نہیں رکھتا، والدین کی نافرمانی کرتا ہے، پیسہ بھی والدین کو کما کر نہیں دیتا ہے۔ برائے کرم اس کا جواب عنایت فرمائیں؟

خیال رہے کہ ان اولاد کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے، اس کے بعد زید نے دوسری عورت سے شادی کر لی ہے۔

الجواب: اپنی اولاد کو اپنی میراث سے محروم کر دینا وہ بھی اس کی سزا کے طور پر جائز نہیں۔ حدیث پاک میں اس پر جنت سے محرومی کی وعید آئی ہے۔ اس لئے زید ہرگز ہرگز اپنی اولاد کو بے دخل نہ کرے اور اصلاح کی کوشش کرے۔

اور اولاد پر فرض ہے کہ طاعات میں اپنے والد کی اطاعت کرے، دل جوئی کرے، ان کی رضا کا خیال رکھے، ممکن ہو تو کتاب "عظمتِ والدین" ایک بار پڑھ لے۔ اگر وہ ان احکام کی بجا آوری نہ کرے تو گنہگار ہوگا، لیکن اس کی وجہ سے زید کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ خود گناہ کا کوئی کام کرے۔ فقہا فرماتے ہیں: "المظلوم لا یعظم" زید کو اپنے عمل کا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا ہے اور اس کی اولاد کو اپنے

عمل کا۔ اس لئے دونوں اپنے اپنے اعمال شریعت کے مطابق کریں۔ واللہ تعالی اعلم

شوهر کا اپنی بیوی کے جنازے کو غسل دینا جائز نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

کیا شوہر اپنی اہلیہ کے جنازے کو غسل دے سکتا ہے؟ کیا یہ جائز ہے؟ کیا حضورِ پاک ﷺ کے کسی داماد نے (نام یاد نہیں ہے) اپنی اہلیہ محترمہ کے جنازے کو خود غسل دیا تھا؟

الجواب: شوہر اپنی بیوی کے جنازے کو غسل نہیں دے سکتا۔ نہ اس کے بدن کو چھو سکتا ہے۔ ہاں اُسے دیکھ سکتا ہے۔ درمختار میں ہے: "**یمنع زوجها من غسلها و مسها لا من النظر الیها علی الا صح منیة**" اھ (الدر المختار، باب صلاۃ الجنازہ، ص: ۹۰، ج: ۳، دار الکتب العلمیہ)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو غسل دیا، مگر ایک تو یہ روایت ضعیف ہے، دوسرے ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ان کو غسل دیا اور دونوں رواتیوں میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل کے اسباب مہیا فرماتے اور حضرت ام ایمن کو نہلانے کا حکم دیا اور مجازاً کام کرانے والے کی طرف کام کی نسبت شائع ذائع ہے، جیسے مکان بنوانے والے کو اس کا بانی کہا جاتا ہے، حالانکہ بانی حقیقتاً معمار ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر ایسا ہوا ہے تو یہ بر بنائے خصوصیت ہے۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کے باوجود ان کا نکاح ختم نہ ہوا۔ اس لیے غسل دینا جائز ہوا، جب کہ عام مسلمانوں کا نکاح بیوی کے انتقال کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے، اس لیے انہیں اپنی فوت شدہ بیوی کو غسل دینا جائز نہیں۔ حضرات ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کا جواب دہی دیتے ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کیا، چنانچہ درمختار میں ہے: "**وقالت الائمة الثلٰثة: یجوز لأن علیاً غسل فاطمة رضی الله تعالیٰ عنهما قلنا: هٰذا محمول علیٰ بقاء الزوجیة لقوله علیه الصلاة والسلام "کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی و نسبی" مع ان**

بعض الصحابة انکر علیه،شرح المجمع للعینی" اھ(المصدر السابق)واللہ تعالی اعلم

نس بندی کرانا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور ہندہ کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے اس کے بعد ہندہ انتقال کر گئی۔پھر زید نے دوسری شادی زینب سے کی۔زید زینب سے کہتا ہے کہ تم میرے والدین اور میرے تینوں لڑکوں کی خدمت کرو اور ساتھ ہی ساتھ تمہیں نس بندی بھی کرانا ہے اور زینب سے زیور کا مطالبہ بھی کر رہا ہے۔

نوٹ:۔زید زینب کو طلاق دینے کے لئے تیار بھی نہیں۔زینب نس بندی کے ڈر سے زید کے وہاں جا بھی نہیں رہی ہے۔

الجواب: نس بندی کرانا اللہ تعالیٰ کی بنائی چیز کو بگاڑنا ہے جو حرام وشیطانی کام ہے قرآنِ حکیم میں ہے:"وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ "یعنی شیطان بولا اور میں ضرور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی چیز کو بگاڑ ڈالیں گے(قرآن حکیم)

اس لیے زید کا زینب سے نس بندی کرانے کا مطالبہ کرنا اور اس کے لیے اس پر دباؤ ڈالنا حرام وگناہ ہے۔اس پر فرض ہے کہ اس سے باز آئے اور زینب پر فرض ہے کہ ہرگز ہرگز نس بندی نہ کرائے۔

زید اپنی بیوی زینب سے زیور کا بھی مطالبہ کرتا ہے تو اگر وہ اپنے دیئے ہوئے زیور کا مطالبہ کرتا ہے اس پر کوئی الزام نہیں اور اگر زینب سے اس کے زیور کا مطالبہ کرتا ہے تا کہ اسے اپنے قبضہ میں کر لے اور اسے اپنے تصرف میں لائے تو یہ ناجائز وگناہ ہے۔زید پر لازم ہے کہ اس مطالبہ سے فوراً باز آئے اور توبہ کرے۔

ساتھ ہی زید پر واجب ہے کہ اپنی بیوی زینب کو اپنے ساتھ اچھی طرح رکھے اور اگر اسے اچھی طرح رکھنا منظور نہیں تو طلاق دے کر آزاد کر دے،اسے لٹکی ہوئی نہ رکھے۔اور اگر نہ تو زید زینب کو اپنے ساتھ اچھی طرح رکھے اور نہ ہی طلاق دے کر آزاد کرے تو برادری کے لوگ اسے سمجھا بجھا کر دونوں میں سے ایک کے اختیار کرنے پر تیار کریں۔تیار ہو جائے تو ٹھیک ورنہ اسے برادری سے الگ کر کے اس کا

بائیکاٹ کردیں تاکہ زینب کی زندگی مصیبت و پریشانی میں نہ رہے۔ واللہ تعالی اعلم

متفرقات

میری موت کے بعد تم غسل نہیں دے سکتے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مسئلہ ذیل میں:

زید، بکر کا بھائی ہے۔ زید کی بیماری کے ایام میں بکر نے زید کی تیمارداری و خدمت نہیں کیا۔ زید نے ناراضگی کے عالم میں بکر کو کہا کہ میری موت کے بعد تم مجھ کو غسل نہیں دے سکتے نہ میرے کفن کو چھو سکتے ہو۔ ایسا کہنا زید کا کہاں تک درست ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب: زید کا یہ قول ممکن ہے کہ خبر ہو یعنی بکر کو یہ بتانا مقصود ہو کہ جب تم میری زندگی میں میری تیمارداری نہیں کر سکتے تو میری وفات کے بعد تم مجھے غسل بھی نہیں دے سکتے۔ کفن بھی نہیں چھو سکتے۔ اس صورت میں تو یہ قول بے غبار ہے۔

اور اگر اس کا مقصود ممانعت ہو، تو یہ ایک غیر مناسب بات ہے، جو تقاضائے بشری انسان سے صادر ہو جاتی ہے، پھر اس طرح کی ممانعت زجر و توبیخ اور ڈانٹ، پھٹکار کے لیے بھی ہوتی ہے جو بکر کے مذکورہ برتاؤ پر ہونی بھی چاہیے۔ لیکن اس کے باوجود بکر پر شرعا کوئی رکاوٹ نہیں، وہ زید کی تجہیز و تکفین و تدفین سب کچھ کر سکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

فرضی قبر کی زیارت، عرس اور فاتحہ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک عورت ہے جو جنات سے متاثر ہے، وہ خواب میں دیکھی ہے۔ اس کے کہنے پر شہید بابا کا مزار بنا کر کچھ دنوں سے وہاں پر فاتحہ نیاز، چادر پوشی وغیرہ ہو رہا ہے۔ جب کہ میں اسی گاؤں کا رہنے والا ہوں، میری عمر ۷۵ر ۸۰ر سال ہے، گاؤں کے کسی بڑے بزرگ یعنی دادا پر دادا سے نہیں سنا گیا کہ یہاں کوئی شہید بابا رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی وہاں جا کر مٹی کے ڈھیر کے پاس کھڑا ہو کر فاتحہ نیاز کرتا ہے تو اس آدمی کے لیے کیا حکم ہے، اس سے سلام، دعا، یا کبھی اس کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے کہ نہیں۔ جنات

کے کہنے یا نشان دہی پر مزار بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس عورت کے خواب کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو انسان جن و شیطان سے متاثر ہوتا ہے، جنات اس کے حواس کو بے کار کر کے اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور اس سے غلط سلط باتیں بکواتا رہتا ہے اور خواب کی بات خلاف شرع امور میں مسموع نہیں ہوسکتی۔ صورت مسئولہ میں اس مدہوش عورت کی بات اور خواب کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں اور جس جگہ کے بارے میں بالیقین یہ معلوم نہ ہو کہ یہاں کوئی مسلمان مردہ دفن ہے، اس کو کسی بزرگ کی قبر مان کر اس کے ساتھ اصلی قبر کے جیسا معاملہ کرنا یعنی فاتحہ وغیرہ پڑھنا، عرس لگانا اور اس کی زیارت کے لیے جانا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔ (فتاوی رضویہ)

لہٰذا اس مصنوعی اور فرضی قبر کو شہید بابا کا مزار مان کر وہاں عرس لگانا، فاتحہ پڑھنا جائز نہیں اور فرضی جانتے ہوئے وہاں فاتحہ پڑھنا، زیارت کرنا اشد گناہ ہے۔ ایسے شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ الاّ یہ کہ ان خرافات سے بیزار ہو کر مجمع مسلمین میں توبہ کرے، اس پر قائم رہے ساتھ ہی جامع شرائط امامت ہو۔

حائضہ عورت کے پکائے ہوئے کھانے پر فاتحہ

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ ایک شخص (زید) یہ کہتا ہے کہ حائضہ عورت کو برتن چھونا یہاں تک کہ ایسا کھانا بنانا جس پر فاتحہ پڑھنا ہو جائز نہیں ہے۔ دوسرا بنانے پر پابندی نہیں زید کی بات عورت پر زیادتی ہے، اسلام کے اندر حائضہ عورت کو صرف چند عبادت جیسے نماز، روزہ، حج، طواف اور تلاوت قرآن وغیرہ سے منع کیا گیا ہے ہمارے لیے الگ سے کسی چیز کی شمولیت جائز نہیں ہے۔

مزید زید یہ کہتا ہے کہ چونکہ یہ کھانا اولیا اللہ کا فاتحہ کرنے کے لیے بنایا گیا اس لیے بہتر ہے کہ حائضہ عورت نہ بنائے ان کا بنانا مکروہ ہے برائے کرم از روئے شرع یہ بتایا جائے کہ ان دونوں میں سے کس شخص کی بات مانی جائے واضح ہو کہ یہ دونوں سنی صحیح العقیدہ ہیں۔

الجواب: زید نے غلط کہا "اسلام پر زیادتی کی" حائضہ عورت کو کھانا پکانے سے قرآن و حدیث میں کہیں ممانعت نہیں کی گئی ہے، بکر کا قول صحیح و درست ہے حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ

نے فرمایا"ان حیضتک لیست فی یدک" اے عائشہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں۔
(مشکوۃ ص:۵٦ باب الحیض)

اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ تیرا ہاتھ پاک ہے، صحیح مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی فرماتے ہیں، کہ یہودیوں میں جب کسی عورت کو حیض آتا تو اسے نہ اپنے ساتھ کھلاتے، نہ اپنے ساتھ گھروں میں رکھتے صحابہ کرام نے نبی ﷺ سے سوال کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ" (البقرہ، آیت:۲۲۲) نازل فرمائی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جماع کے سوا ہر شی کرو اس کی خبر یہود کو پہنچی تو کہنے لگے کہ یہ (نبی ﷺ) ہماری ہر بات کا خلاف کرنا چاہتے ہیں، اسید بن حضیر، اور عباس بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آکر عرض کی کہ یہود ایسا ایسا کہتے ہیں تو کیا ہم ان سے جماع نہ کریں (کہ پوری مخالفت ہو جائے) رسول اللہ ﷺ کا روئے مبارک متغیر ہو گیا یہاں تک کہ ہم کو گمان ہوا کہ ان دونوں پر غضب فرمایا، وہ دونوں چلے گئے اور ان کے بعد دودھ کا ہدیہ نبی ﷺ کے پاس آیا حضور نے آدمی بھیج کر ان کو بلوایا اور دودھ پلایا تو وہ سمجھے کہ حضور نے ان پر غضب نہیں فرمایا تھا۔ صحیح مسلم میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے فرماتی ہیں کہ زمانہ حیض میں پانی پیتی پھر حضور ﷺ کو دے دیتی تو جس جگہ میرا منہ لگا تو حضور وہیں دہن مبارک رکھ کر پیتے اور حالت حیض میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی پھر حضور کو دیدیتی حضور اپنا دہن شریف اس جگہ پر رکھتے جہاں میرا منہ لگا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح ۵٦ باب الحیض)

یہاں سے معلوم ہوا کہ زید نے جو بات کہی ہے وہ یہودیوں کا مذہب ہے مسلمانوں کا مذہب وہ ہے جو ان احادیث سے آشکارا ہے جب حضور ﷺ نے جماع کے سوا ہر چیز کی اجازت دیدی تو اس میں کھانا پکانا بھی شامل ہے چاہے وہ کھانا اولیا اللہ کی نیاز فاتحہ کے لیے تیار کیا جائے یا خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کے لیے، اس میں شرعا کوئی کراہت نہیں۔ زید پر فرض ہے کہ فوراً اس برے اعتقاد سے توبہ کرے اور آئندہ بچے۔

حیض والی عورت کے لیے عدت طلاق تین حیض ہے، یعنی تین بار حیض آکر گزر جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: سات دن کے بعد بھی اگر سکہ سے زیادہ حیض جاری رہتا ہے تو کیا کریں؟

الجواب: اگر عادت کے خلاف سات دن سے زیادہ خون جاری رہتا ہے تو دس دن تک وہ خون حیض مانا جائے گا، لہٰذا دس دن تک وہ عورت نماز نہ پڑھے، جب کہ خون دس دن پر موقوف ہو جائے اور اگر دس دن سے زیادہ جاری رہتا ہے تو حکم ہوگا کہ سات دن کے بعد جو عادت کے دن ہیں، وہ خون حیض کا نہیں بلکہ بیماری کا ہے۔ اس صورت میں وہ عورت سات دن کے بعد غسل کر کے نماز پڑھے۔ اگر خون مسلسل جاری رہتا ہے تو علاج کرائے اور جب تک مسلسل جاری رہے ہر نماز کے وقت میں تازہ وضو کر کے نماز پڑھے، تلاوت کرے اور جو بھی عبادت چاہے کرے۔ (ہندیہ، ص:۳۹، ج:۱، کتاب الحیض)

ناجائز اجارے کے روپے کا استعمال

(۱) کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید گانا گاتا اور ناچتا ہے۔ ساتھ میں گانے اور ناچنے والی عورتوں کو بھی رکھتا ہے جو ایک قسم کی تجارت تصور کرتا ہے اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے۔ اگر وہ میلاد شریف کرے تو اس میں شرکت کرنا اور اس کا نذرانہ لینا، بعدہ' کھانا کھانا کیسا ہے۔ اس تجارت کی آمدنی میں سے مسجد میں دے تو مسجدوں میں لگانا درست ہے یا نہیں۔ اگر اس میں اس قسم کی رقم لگادی گئی ہے تو اس میں نماز پڑھنے سے ہوگی، یا نہیں اور جو امام بعد میلاد شریف اس کا نذرانہ لیتے ہیں اور اس کے یہاں کھاتے پیتے ہیں ان کی اقتدا ہوگی یا نہیں؟

(۲) زید اپنے آپ کو مولوی بناتا ہے اس سے آکر کسی نے کہا کہ "چلئے جنازہ کی نماز پڑھا دیجئے"، تو زید نے جواب دیا کہ سب میلاد شریف مولانا صاحب پڑھتے ہیں ہم کو پڑھنے کے لیے نہیں کہتے ہیں اس لیے آپ لوگ مولانا صاحب کو بلا کر لے جائیے میں نہیں جاؤں گا: اب بتایا جائے کہ زید پر کیا حکم شرعی عائد ہوتا ہے اور اس کی اقتدا کیسی ہے؟

(۳) زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دیا مگر تحریری شکل میں نہیں دیا۔ اس کے ایک سال بعد بغیر طلاق نامہ دیکھے ہندہ کی شادی نہیں ہو رہی تھی تو زید نے لکھ کر دیا کہ ہم نے اپنی بیوی کو طلاق دیا۔ اب لکھنے کے تین ہی روز بعد بکر سے نکاح ہوا تو کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

عدت زبانی طلاق دینے کے بعد سے شروع ہوگی یا تحریر نامہ کے بعد، حالاں کہ زید نے جب

طلاق دیا تو ہندہ زید سے ایک سال الگ رہی تو ایک سال بعد زید نے طلاق نامہ لکھ کر دیا ہے۔

(۴) زید اور بکر میں کافی دنوں سے جھگڑا چل رہا ہے، بکر کسی غلط کام میں پکڑا گیا تو زید نے کہا کہ اگر بکر کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا گیا تو ہم خود حرام کو کاٹیں گے اور حرام کے ساتھ مسجد میں داخل ہوں گے دیکھتے ہیں کون ہم کو کیا کرتا ہے۔ لہٰذا زید پر کیا شریعت کا حکم صادر ہوگا؟

الجواب: گانے، ناچنے، باجا بجانے کا اجارہ: گانے، ناچنے اور دوسرے لہو ولعب مثلاً: باجا بجانے پر اجارہ باطل ہے۔ اس پر جو اجرت ملے وہ ناپاک وخبیث ہے، ہدایہ آخرین میں ہے:

قال (القدوری) ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح وکذا سائر الملاهی۔ لأنه استیجار علی المعصیة والمعصیة لا تستحق بالعقد۔ اھ (۳/۲۸۷ کتاب الاجارات)

زید کی آمدنی کا ذریعہ صرف یہی فعل حرام ہے یا کچھ آمدنی بذریعہ حلال بھی ہے؟ اگر کچھ آمدنی بذریعہ حلال بھی ہو مثلاً تجارت، حرفت، زراعت، دست کاری وغیرہ تو اس کا نذرانہ لینا، اس کے گھر کھانا کھانا، مسجد میں اس کا عطیہ قبول کرنا، اسے مسجد میں لگانا سب جائز ہے اور مانا یہ جائے گا کہ وہ یہ سارے اخراجات حلال کمائی سے ہی کرتا ہے: **حملاً لفعل المسلم علی الصلاح والسداد**۔ اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ بازار میں مال حرام غالب اور مال حلال مغلوب ہو تو خریداری جائز ہے جیسا کہ اشباہ میں قاعدہ: **أذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام** (الاشباہ والنظائر، ص:۳۰۱، بیروت) کی بحث میں اس کی صراحت ہے اور فتاوی رضویہ جلد دوم رسالہ الاحلی من السکر میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ نیز اس طرح کے لوگوں کی عادت بھی یہ سنی گئی کہ وہ اس طرح کے نیک کام حلال کمائی سے کرتے ہیں۔

اور اگر اس کے پاس کوئی حلال ذریعہ آمدنی نہ ہو اور یہ یقین سے معلوم ہو کہ وہ نذرانے میں وہی مال حرام دے رہا ہے کہیں سے قرض وغیرہ لے کر نہیں دے رہا ہے تو اسے لینا حرام ہے ارشاد باری ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ (النساء، آیت:۲۹)

اسے مسجد میں لینا بھی حرام اور گناہ ہوگا۔

لیکن اگر وہ مال مسجد کے واسطے قبول کیا گیا پھر اس سے سامان خرید کر مسجد میں لگا دیا گیا تو اس کے باعث مسجد کے مسجد ہونے میں کوئی اثر نہ پڑے گا، اور مسجد میں لگا ہوا سامان ناپاک وخبیث بھی نہ قرار

پائے گا کیوں کہ شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ مال حرام سے اگر کوئی چیز اس طور پر خریدی گئی کہ عقد ونقد دونوں مال حرام پر جمع نہ ہوں بلکہ صرف نقد میں اسے دے دیا جائے جیسا کہ آج کل تقریباً سو فیصد عقد اسی طور پر انجام پاتے ہیں تو خریدے ہوئے مال میں اس حرام روپے کی ناپا کی سرایت نہ کرے گی اور وہ مال پاک و طیب ہوگا، لہٰذا اس طور پر خریدے ہوئے مال کو مسجد میں لگانا جائز وحلال ہے اور اس مسجد میں نماز پڑھنا صحیح ودرست اور اس طور پر تیار کیے ہوئے کو کھانا بھی جائز ہے۔ لیکن احتراز اولی ہے۔

امام صاحب زید کے یہاں سے جو نذرانہ لیتے ہیں اگر یقین سے معلوم نہ ہو کہ یہ نذرانہ اسی مال حرام کا ہے (اور اس کے معلوم ہونے کی صورت یہی ہے کہ زید بتادے کہ وہی مال حرام ہے، یا امام صاحب کے سامنے ناچ گانے کے روپے ملے اور وہی روپے اس نے انہیں دے دیئے) تو امام پر کوئی الزام نہیں سوائے اس کے کہ ایک غیر اولی کام کیا لیکن اس سے ان کی امامت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

اور درج بالا کسی طریقے سے امام کو معلوم ہے کہ یہ نذرانہ وہی مال حرام ہے تو اسے لینا حرام اور علانیہ اس کا ارتکاب فسق، اور امام فاسق معلن ہوا، اس صورت میں ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ لوگ اپنے ظنون وخیالات کو بھی یقین کا درجہ دے دیتے ہیں یہاں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

یہ حکم زید کے مال کا تھا، اور اس کے گھر میلاد پڑھنے کا، لیکن جب وہ شخص علانیہ گناہ کے کاموں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے ساتھ خلط ملط، ممنوع ہے اور اس کا نذرانہ لینا بھی۔

(۲) نماز جنازہ کی امامت کا حق: نماز جنازہ کی امامت کا حق قاضی شریعت کو ہے یعنی اس شخص کو جو اپنے علاقے کا سب سے بڑا عالم، مرجع فتویٰ ہو، وہ نہ ہو تو امام جمعہ کو، وہ نہ ہو تو امام محلہ کو، پھر ولی کو۔

(غنیۃ ودر مختار) (در مختار المطبوع مع الرد المحتار، باب صلاۃ الجنازۃ، ص:۱۱۹، ج:۳، بیروت)

اس تفصیل کی روشنی میں اگر زید امامت جنازہ کا حقدار تھا تو اسے انکار کرنا درست نہ تھا۔ اور اگر وہاں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو جنازہ کی نماز پڑھا سکے تو اس کا انکار کرنا جائز تھا، ورنہ کم از کم نامناسب ضرور، وہ بھی اس بنا پر کہ اسے میلاد شریف کے لیے نہیں بلایا جاتا، بلفظ دیگر اسے نذرانہ نہیں ملتا، نذرانہ نہ ملنے کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار سخت معیوب ہے۔

(۳) اقرار طلاق کا حکم: سوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہے کہ زید نے اپنی بیوی

ہندہ کو ایک سال پہلے طلاق دے دی تھی، اگر واقعہ یہی ہو تو عدت اس وقت سے شمار کی جائے گی جس وقت سے طلاق دینا معلوم ومتعارف ہے۔ اور اگر یہ بات معلوم ومتعارف نہ ہو اور ہندہ اس کا ثبوت بھی نہ پیش کر سکے تو عدت کا شمار تحریری طلاق کے وقت سے ہوگا کذا فی الدر المختار۔ اب اگر واقعہ یہ ہو کہ ہندہ تحریری طلاق کے وقت سے عدت گزارے اس صورت میں بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح صحیح نہ ہوا، فاسد وحرام ہوا، اور اگر تفصیل بالا کے مطابق طلاق سال بھر پہلے کی مانی جائے تو اس صورت کا حکم یہ ہے کہ عدت پوری ہو چکی ہو تو بکر کے ساتھ نکاح صحیح، ورنہ فاسد ہے۔

(۴) مسجد میں حرام چیز لے جانا غرور وتکبر بھی ناجائز ہے اور مسجد میں ناپاک وحرام چیز لے جانا بھی ناجائز ہے زید نے تکبر آمیز بات کہی، اور مسجد کو ناپاک وحرام چیز سے آلودہ کرنے کا ارادہ کیا یہ بہت قبیح ہے اس پر لازم ہے کہ اس سے باز رہے۔ درمختار میں احکام مساجد کے بیان میں ہے: **ویمنع منه وكذا كل موذ ولو بلسانه**۔ (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ص: ۴۳۵، ج: ۲، بیروت)

بیوی سے الگ رہنے کی مدت

ایک شادی شدہ شوہر اپنی بیوی کو گھر چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ ممبئی میں دنیاوی زندگی گزارنے کی غرض سے روپیہ پیسہ کمانے کیلئے رک جاتا ہے، تو شوہر کو شرعی احکام کے مطابق زیادہ سے زیادہ کتنے دن دور رہنے کی چھوٹ ہے اگر شوہر ایک یا دو سال کے بعد گھر آتا ہے تو اس دوران اگر بیوی گناہ کی مرتکب ہوتی ہے تو کیا شوہر کو گناہ نہیں پڑیگا؟ اور اگر گناہ پڑتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ ہوتا ہے، یا گناہ صغیرہ اور اس کی شرعی سزا کیا ہوگی؟

الجواب : حاشیہ فتاوی رضویہ میں ہے:

عورت کو چھوڑ کر سفر پر جانا اگر کسی ضرورت سے ہو تو اس سفر کی کوئی حد مقرر نہیں جس قدر میں ضرورت پوری ہو، ہاں بعد انقضائے حاجت تعجیل مامور ہے، اور اگر بے ضرورت ہو تو چار ماہ سے زائد ہرگز سفر پر نہ ٹھہرے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کا حکم فرمایا۔ (ص: ۵۶۸ ج: ۵)

روپیہ پیسہ کمانا کوئی ایسی ضررروت نہیں، جو سال دو سال میں پوری ہو عام مزدوروں کو ایک دوروز

ہیں اور ملازمین کو ماہ بماہ تنخواہ ملتی رہتی ہے، ممبئی والے ہر چار ماہ پر ایک دو روز کے لیے گھر آسانی کے ساتھ آسکتے ہیں تو یہ لوگ سال دو سال تک اپنی بیوی سے علحدہ رہنے کی وجہ سے گنہگار رہوں گے، بیوی گناہ میں ملوث ہوئی تو یہ بھی اس کے گناہ میں شریک قرار پائیں گے مردوں کو حکم ہے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ۔ بیویوں کو وہیں رکھوں جہاں تم رہو، نیز ارشاد باری ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وراثت کا ایک اہم مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں: ہمارے ملک برطانیہ کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کی پوری جائداد اس کی بیوی کو مل جاتی ہے اس سے بچنے کے لیے اب یہاں لوگوں نے عام طور پر جائداد کو رجسٹرڈ کرنا شروع کر دیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''میری وفات کے بعد میری جائداد میرے وارثین کے درمیان شریعت اسلامیہ کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔''

اس عمل کو یہاں بل کہا جاتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ بل تو وصیت ہے اور وصیت وارث کے حق میں جائز و نافذ نہیں پھر حل کی راہ کیا ہے؟

الجواب: یہ حل شرعاً نافذ ہے کیوں کہ شریعت اسلامیہ نے وارثین کے لیے میت کے ترکے میں جو حصے مقرر کیے ہیں اس بل میں وہی حصے سارے وارثین کو دینے کی ہدایت ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اللہ أعطیٰ کل ذی حق حقه۔

بے شک اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا۔ (اخرجہ أحمد وصححہ الترمذي، کذا في الدرایۃ)

تو یہ وصیت فی الواقع اللہ عزوجل کے عطا کیے ہوئے اسی حق کی تنفیذ کی ہدایت و تاکید ہے جو شریعت کے تقاضے کے عین مطابق ہے اس لیے یہ جائز و نافذ اور واجب العمل ہے۔

وارث کے حق میں جو وصیت ناجائز ہوتی ہے وہ اللہ عزوجل کے عطا کردہ حق کے سوا کسی زائد مال کی وصیت ہوتی ہے پھر وہ بھی اس وقت ناجائز ہوتی ہے جب بعض ورثہ کو دوسرے ورثہ پر ترجیح دیا گیا ہو لیکن یہاں وصیت کسی بھی وارث کے لیے اس کے حق کے سوا کسی زائد مال کی نہیں ہے، پھر یہاں بعض کے

ساتھ ترجیحی سلوک بھی نہیں ہے جس سے دوسرے وارثین کو اذیت ہو یا وہ صلہ رحمی کے خلاف ہو، فقہ اسلامی کی اہم و معتمد کتاب ہدایہ کے درج ذیل اقتباس سے اس توجیہ کی روشنی ملتی ہے:

ولاتجوز لوارثه،لقوله عليه الصلاة والسلام:ان الله أعطى كل ذي حق حقه،ألا،لاوصية لوارث.ولأنه يتأذى البعض بايثارالبعض،ففي تجويزه قطعية الرحم ولأنه حيف بالحديث.(الھدایہ، ص:۶۴۱، ج:۴، مجلس برکات)

یہی وجہ ہے کہ اگر وارث تنہا ایک ہو تو اس کے حق میں پوری وصیت نافذ ہوتی ہے کیوں کہ وہی کل کا حق دار ہے تو اس کے لیے پورے مال کی وصیت فی الواقع اس کا پورا حق اسے دینے کی ہدایت و تاکید ہے، اور یہیں سے یہ امر بھی عیاں ہو گیا کہ وصیت اگر سارے وارثین کے لیے ہو اور ہر ایک کے شرعی حصے کے مطابق ہو تو یہ بھی نافذ ہے کہ یہ بھی ان کا پورا پورا شرعی حق دینے کی تاکید و ہدایت ہے اس مسئلے پر درج ذیل جزئیات سے روشنی پڑتی ہے۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:(ولالوارث... الاباجازة ورثته)لقوله عليه الصلاة والسلام:"لاوصية لوارث،الاأن يجيزهاالورثة" يعني عندوجودوارث آخر،كما يفيده آخرالحديث(أولم يكن له وارث سواه)كمافي الخانية:حتى لو أوصى لزوجتة أوهي له ولم يكن ثمة وارث آخرتصح الوصية.ابن كمال. زادفي المحبية: فلو أوصت لزوجهابالنصف كان له الكل.وانماقيدوابالزوجين لأن غيرهمالا يحتاج الى الوصية،لأنه يرث الكل بردأورحم،وقدقدمناه في الاقرار معزياللشر نبلالية.(تنویر الابصار و درمختار، المطبوع مع ردالمحتار، ج ۱۰، ص:۳۴۶، ۳۴۷)

"میراث سے محرومی" سے بچنے کی ایک صورت یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ جائداد کو اپنے اوپر، اپنی بیوی پر اور اپنی اولاد اور نسلاً بعد نسل اولاد کی اولاد پر وقف کر دے تو اس جائداد سے سب کو انتفاع کا حق حاصل رہے گا اور جب تک کہ نسل باقی ہے وہی اس سے فائدہ اٹھائے گی، فتاوی عالمگیری میں ہے:

رجل قال:أرضي صدقة موقوفة على نفسي يجوزهذاالوقف على المختار كذافي خزانة المفتين.ولوقال:أرضي موقوفة علي وعلى فلان :المختارأنه يصح،

كذا في الغياثية .اھ (الفتاوی الھندیہ ج:۲،ص:۳۷۱، الفصل الثاني في الوقف على نفسه وأولاده)

نیز اسی میں ہے: وان قال: على ولدي وولد ولدي، وولد ولد ولدي، ذكر البطن الثالث فانه، تصرف الغلة الى أولاده أبدا ما تناسلوا، ولا تصرف الى الفقراء ما بقي أحد، يكون الوقف عليهم وعلى من أسفل منهم، الأقرب والأبعد فيه سواء. اھ

(المرجع السابق ص:۳۷۴)

البتہ وقف کے بعد واقف یا موقوف علیہم کو یہ جائداد دوسرے کے ہاتھ بیچنے یا دوسرے کو ہبہ یا صدقہ کرنے وغیرہ کا اختیار نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غیر مسلم بابا سے جھاڑ پھونک کرانے کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) کیا کسی عورت کے جسم میں کوئی صاحب مزار بزرگ آکر سوالات کے جوابات دے سکتے ہیں، ان بزرگ کے سوا کوئی مرحوم عورت بھی اسی کے جسم میں آکر سوالوں کے جواب دے سکتی کیا؟

(۲) کسی مسلم عورت کا نامحرم بابا سے جھاڑ پھونک کے ذریعہ بچہ دانی کا علاج کروانا کیسا ہے؟

(۳) نمبر (۱) سوال میں مذکورہ عورت کہتی ہے کہ اس کے ایک غیر مسلم دوست کو ان صاحب مزار بابا نے جو اس کے جسم میں آتے ہیں غلام بنالیا ہے، وہ عورت اس کے ساتھ دوسرے شہر کے مزار پر حاضری کے لیے چلی جاتی ہے، کیا اس طرح صاحب مزار کا کسی کو غلام بنانا ممکن ہے؟

(۴) صاحب مزار نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اس بچی (عورت کو وہ بچی کہتے ہیں) کا جسم کمزور ہے، شادی کے لائق نہیں ہے، جب کہ اس کی عمر ۳۴ رسال ہے، کیا بابا ایسا کہہ سکتے ہیں؟ ہمارے صوبہ راجستھان انڈیا میں ایسے کئی معاملے ہو رہے ہیں، برائے مہربانی اصلاح فرمائیں۔

الجواب: (۱) مرد یا عورت کے بدن پر شیطان سوار ہو کر اسے مخبطی بنا دیتا ہے پھر اس کے دل و دماغ کو اپنے کنٹرول میں کر کے اس کی زبان سے بات کرتا اور لوگوں کے سوالات کے الٹے، سیدھے جواب دیتا ہے اور جھوٹ بول کر اپنے کو کوئی ولی، یا پیر یا شہید یا سید بابا وغیرہ ظاہر کرتا ہے۔ کوئی ولی کسی مرد

یا عورت کے جسم میں سرایت نہیں کرتے، نہ اسے مخبوط الحواس کر کے اس کی زبان سے بات کرتے ہیں اور لوگ کسی مخبوط الحواس سے جو کچھ سنتے ہیں وہ یا تو شیطان کا جھوٹ ہوتا ہے یا اس خبطی کا مکر و فریب۔ مسلمان ہرگز اس طرح کے چکر میں نہ پھنسیں، نہ ایسے خبطی لوگوں سے کچھ پوچھیں، نہ ان کی باتوں پر اعتماد کریں۔

(۲) ممنوع ہے اور بابا غیر مسلم ہو تو حرام۔ علمائے دین سے پردے میں رہ کر تعویذ لے سکتی ہے، یا پانی پر دم کرا سکتی ہے۔

(۳) وہ عورت جھوٹی ہے، اس کے گھر کے لوگ اسے کنٹرول کریں اور اپنے یہاں رکھیں، پھر کسی مسلمان سے شادی کر کے اس کے ساتھ رخصت کر دیں۔

(۴) ہرگز نہیں، عورت کے مکر کو سمجھنے پھر اس سے بچنے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جادو ٹونا کرنا حرام و گناہ ہے

میری دادی مجن نبوت خاتون مرحومہ پر تہمت لگائی گئی کہ یہ ٹونا کرنے والی عورت ہے اور میں اس عورت کا پوتا محمد اسلم حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میری دادی کبھی بھی ایسی نہیں تھیں۔ میری دادی نیک اور صوم وصلاۃ کی پابند تھیں اور جب میری دادی کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تو لوگ کہنے لگے کہ یہ اپنا ٹونا اپنی بہو کو دے کر گئی ہے (یعنی میری ماں کو) اس طرح لوگ میری ماں کو بھی ٹونا کرنے والی عورت کہنے لگے۔ اس نیک اور پارسا عورت پر بھی بہتان تراش دیا۔ ہم سے قطع تعلق کرنے والے اور ماں پر تہمت و ایذا رسانی کرنے والوں کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ٹونا کرنا حرام و گناہ ہے اور ٹونا کرنے والا گنہ گار و مستحق غضب جبار ہے، اس لیے کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کی طرف ٹونا کرنے کی نسبت صرف اسی وقت جائز ہے جب اس کے پاس شرعی گواہ ہوں، بلا ثبوت شرعی اور بلا تحقیق کسی کی طرف گناہ کی نسبت جائز نہیں، یوں ہی بدگمانی بھی حرام و گناہ ہے، احیاء العلوم میں ہے: "**لا تجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق کذا فی شرح فقه الاکبر وغیره**۔" جن لوگوں نے سوال میں درج عورتوں پر ٹونا کرنے کا الزام لگایا اور انھیں معاشرہ میں بدنام کیا، وہ لوگ اس پر دو شرعی گواہ پیش کریں، ورنہ علانیہ توبہ کریں اور جن پر یہ الزام لگایا ان سے اور

ان کے گھر والوں سے معافی مانگیں اور خدائے جبار و قہار کی پکڑ سے ڈریں کہ اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔

سحر اور جادو کے ذریعہ پریشان کرنے والے کی کیا سزا ہے؟

زید کئی برسوں سے سحر اور جادو کا کام متواتر کرتا رہا اور لوگوں کو طرح طرح کی پریشانیوں میں ڈالتا رہا۔ اس پر کچھ لوگوں نے اس سے اقرار کرایا کہ آپ ایسا کام کرتے ہیں یا نہیں تو بھرے مجمع میں سارے لوگوں کے سامنے اس نے اقرار کیا کہ میں نے یقیناً سحر اور جادو کر کے لوگوں کو پریشان کیا لیکن آج میں آپ تمام لوگوں کے درمیان وعدہ کرتا ہوں کہ اب ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ اگر کیا تو جو بھی سزا دیں گے میں قبول کرنے کو تیار ہوں لیکن میری کچھ شرطیں ہیں۔ اس کو مان لیں لوگ پریشانیوں سے بچنے کے لیے اس کی شرطوں کو تسلیم کر لئے۔ اور ایک عہد نامہ بھی لکھا گیا۔ لیکن زید پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آرہا ہے اور اپنے فعل میں مصروف ہے۔ لوگ دو گروپ میں بٹ چکے ہیں۔ ایک گروپ زید کے ساتھ میل جول رکھتا ہے۔ اور دوسرا گروپ کہتا ہے کہ جب تک زید جادوگری نہ چھوڑ دے اور اپنے اس فعل بد سے توبہ نہ کرلے اس وقت تک اس سے میل جول نہیں رکھیں گے۔ از روئے شرع زید پر اور اس کے متبعین پر کیا حکم عائد ہوتا ہے اور زید سے قطع تعلق کرنے والوں پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

الجواب : زید زمین میں فساد برپا کرنے والا، حق اللہ حق العباد میں گرفتار، مستحق غضب جبار و عذاب نار ہے اور اقبال جرم کے بعد اب وہ مستحق تعزیر بھی ہے، ایسے شخص کی سزا اسلام میں بہت سخت ہے لیکن اس سزا کا اختیار سلطان اسلام کو ہے اس لئے یہاں وہ سزا نہیں دی جا سکتی تاہم اس کا بائیکاٹ عام اہل اسلام کے اختیار میں ضروری ہے۔ اس لئے تمام مسلمان پوری سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں، اس کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، سلام و کلام، کھانا پینا، سب بند کریں، زید یقیناً اپنی فسد انگیزی و فتنہ خیزی کے باعث ظالم ہے اور ظالم کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۔ (الانعام، آیت: ٦٨) اگر شیطان تجھے بھلوا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔

جولوگ زید کا ساتھ دے رہے ہیں وہ قرآن حکیم کے اس حکم سے عبرت حاصل کریں، مسلمان ہو کر قرآن حکیم کی خلاف ورزی بہت ہی حیرت کی بات ہے۔

علاوہ ازیں اگر زید کو اپنے سحر میں کسی کفری بات کا اعتقاد، یا عمل کرنا پڑتا ہو تو اس پر بعد تحقیق حکم کفر ہوگا اور کم از کم وہ حرام کار ضرور ہے۔ اگر کہیں خدانخواستہ اس کا سحر کفر پر مشتمل ہو تو اس کا ساتھ دینا بڑی ہلاکت کا موجب ہوگا۔ اس لئے بھی مسلمانوں کو اس سے گریز ضروری ہے۔

ردالمحتار میں ہے: **وعلم به وبما نقلناه عن الخانية :انه لا يكفر بمجرد عمل السحر مالم يكن فيه اعتقاد ،او عمل فهو مكفر،ولذا نقل فى (تبيين المحارم)عن الامام ابى منصور:ان القول بانه كفرعلى الاطلاق خطاء و يجب البحث عن حقيقته فان كان فى ذالك ردما لزم فى شرط الايمان فهو كفر و الا فلا .١ھ**

(ردالمحتار، باب المرتد فی الساحر والزندیق، ص:۳۸۲ ج:۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

نیز اسی میں ہے: **وفى (نور العين)عن المختارات قال ابو حنيفة :الساحر اذا اقر بسحره،اوثبت بالبينة يقتل ولا يستتاب منه .والمسلم والذمى والحروالعبدفيه سواء۔۔۔اھ** (المرجع السابق) واللہ تعالیٰ اعلم

کسی بزرگ کے نام میں انصاری لکھنا کیسا ھے ؟

کیا فرماتے ہیں علمائے فحول ومفتیان ذوی العقول مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ کسی سنی بزرگ عالم دین کو اس وقت میں انصاری لکھنا یا کہنا کیسا ہے جب کہ معاشرے وعرف میں معیوب سمجھا جاتا ہے اگر زید ایسے میں کسی بزرگ کو یا عالم کو انصاری کہے یا لکھے تو اس پر کیا حکم شرع ہے۔ مطلع فرمائیں؟

الجواب: ہندوپاک میں ''انصار'' ذات، برداری کی ایک قسم ہے جو عرفاً مسلم بنکروں کے ساتھ خاص ہے خواہ وہ فی الحال بنائی کا کام کرتے ہو، یا پہلے کبھی ان کے آباواجداد میں یہ پیشہ رہا ہو، کسی غرض صحیح کیلئے ان کی ذات برداری کی تعیین درکار ہو تو علما غیر علما سب کے نام کے ساتھ ''انصاری'' لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، عرفاً انصاری ہونا، کہنا، معیوب نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ''جولاہا'' کہنا، لکھنا معیوب سمجھا جاتا

ہے، ہاں اگر کسی کی نیت اس لفظ سے عالم کی تحقیر ہو تو اس وجہ سے وہ گنہگار ہوگا مگر کسی مسلمان کی نیت پر شبہ نہیں کیا جاسکتا الا یہ کہ کوئی قرینہ ظاہرہ ہو۔

یہاں ایک امر قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ زیادہ تر لوگ انصاری برادری سے ہونے کے باوجود اپنے ناموں کے ساتھ انصاری نہیں لکھتے تو انکے نام کے ساتھ اگر کوئی دوسرا شخص یہ لفظ بڑھاتا ہے تو ایک تو یہ بے جوڑ لگتا ہے دوسرے ممکن ہے کسی کو اس سے تکدر ہو اس لیے عوام وخواص میں سے کسی کے نام کے ساتھ بھی اپنی مرضی سے یہ لفظ نہیں بڑھانا چاہئے۔ واللہ تعالی اعلم

دھنسی ہوئی قبر پر مٹی کیسے ڈالیں

ہمارے یہاں ایک رواج یہ بن گیا ہے کہ لوگ شعبان کے مہینے میں دھنسی ہوئی سبھی قبروں پر مٹی چڑھا کر اونچی اور نئی کر لیتے ہیں آیا یہ سنت ہے یا بدعت؟ شریعت مطہرہ کا اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟

الجواب : میت پر مٹی ڈال کر دبانا جائز نہیں، زمین کی سطح پر پہلے بانس، لکڑی کے تختے اور اوپر سے چٹائی وغیرہ کوئی چیز بچھا کر مٹی ڈالیں تا کہ میت کی بے حرمتی نہ ہو اور قبروں کا نشان محفوظ رہے، یہ جائز ہے کہ اس میں احترام مسلم ہے۔ واللہ تعالی اعلم

فاسق معلن کی تعریف اور بعض احکام

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد میں پانچ وقت کی نماز پڑھاتا ہے اور بکر نے اسے چھپ کر گناہ کرتے دیکھ لیا۔ سوال یہ ہے کہ:

(۱) کیا بکر پر یہ ہے کہ وہ لوگوں کو زید کے گناہ پر اطلاع کرے یا اسے چھپائے؟

(۲) کیا لوگوں کے باخبر ہونے کی وجہ سے زید کا فعل فسق علی الاعلان ہو جائے گا۔؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوگی؟

(۳) اگر بکر نے لوگوں کو اطلاع نہ کی تو بکر کے لیے زید فاسق معلن ہے یا نہیں؟ اس کے پیچھے اس کی نماز ہوگی کہ نہیں؟

(۴) اگر لوگوں کے باخبر ہونے کی وجہ سے زید کے پیچھے نماز جائز نہیں تو پہلی نمازوں کے

بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ان کی قضا کرنی ہوگی یا نہیں؟

(۵) اگر زید کے پیچھے نماز جائز نہ ہو اور کوئی عالم دین پھر بھی پڑھے اور اعتراض کرنے پر یہ کہے کہ "میں لوگوں میں فتنہ کے خوف سے پڑھ کر دہرا لیتا ہوں" تو اس عالم دین کا یہ کرنا صحیح ہے یا غلط؟ غلط ہے تو اس عالم پر کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱،۲،۳،۴،۵) فاسقِ معلن وہ شخص ہے جو کھلے طور پر گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے، یا بار بار گناہِ صغیرہ کا علانیہ مرتکب ہو۔ اور اگر کوئی شخص چھپ چھپا کر کسی گناہ میں ملوث ہو گیا تو وہ بھی فاسق ضرور ہے۔ مگر فاسق معلن نہیں، بلکہ غیر معلن ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"فاسق وہ کہ کسی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور وہی فاجر ہے۔ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، پھر اگر "معلن" نہ ہو یعنی وہ گناہ چھپ کر کرتا ہو، معروف و مشہور نہ ہو تو کراہت تنزیہی ہے اور اگر فاسق معلن ہو کہ علانیہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہے تو اسے امام بنانا گناہ ہے"۔

اس عبارت سے فاسقِ معلن و فاسقِ غیر معلن کی تعریف ظاہر ہے، اس کے پیش نظر زید "فاسقِ غیر معلن ہے" اس لیے ابھی وہ قابل امامت ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ نہ ہی اس کا اعادہ واجب ہے۔ ہاں بکر کی نماز مکروہ تنزیہی ہوگی، بکر کو چاہیئے کہ زید کی اصلاح کرے۔

فاسق معلن کا وہ حکم اس لیے ہوتا ہے کہ جب وہ اس قدر جری بے باک ہے کہ کھلے طور پر گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر بیٹھا، یا صغائر میں بار بار ملوث ہو رہا ہے، تو اس سے کیا بعید کہ وہ نماز میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جو نماز مکروہ یا فاسد کر دے، فاسق غیر معلن میں یہ جرأت و بے باکی نہیں ہوتی اس لیے دونوں میں فرقِ احکام رکھا گیا۔

غنیۃ شرح منیہ میں ہے: "**لو قدموا فاسقاً یاثمون، بناءً علیٰ ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلاۃ، وفعل ماینافیھا۔ بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ، ولذا لم تجز الصلوۃ خلفہ اصلاً عند مالک وروایۃ عن احمد، الا انا جوزناھا مع الکراھۃ لقولہ**

علیہ الصلوۃ والسلام "صلوا خلف کل برّوفاجر" (رواہ الدار قطنی)۔
(ص:۵۱۳، ۵۱۴، فصل فی الامامۃ، المبحث الرابع)
بکر لوگوں کو زید کے گناہ سے آگاہ نہ کرے، بلکہ صرف اس کی اصلاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی اور قاضی کا فرق

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام:

بعد ادائے مراسم بندگی عرض مودبانہ یہ کہ مندرجہ ذیل کا شرعی حکم عطا فرمائیں۔

(۱) مفتی اور قاضی میں کیا فرق ہے؟

(۲) ضرورتاً مفتی شافعی نہ ملے تب کیا کرے؟

الجواب : مفتی شریعت کے احکام وقوانین بتاتا ہے، اور قاضی ان احکام وقوانین کو نافذ کرتا ہے مفتی کی ذمہ داری بس اس قدر ہے کہ سوال کے مطابق جواب دے دے۔ جب کہ قاضی کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ واقعہ کی صحیح تفتیش وتحقیق کر کے فیصلہ صادر کرے۔

(۲) اگر کوئی قضیہ ایسا ہو کہ وہاں فقہائے محققین نے بوجہ ضرورت شرعیہ شافعی قاضی سے فیصلہ لینے کی اجازت دی ہو اور شافعی قاضی وہاں نہ پایا جاتا ہو تو حنفی قاضی کو اس قضیہ میں فیصلہ کا حق ہوگا۔

بینک سے سودی قرض لینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام بڑی بڑی تجارتوں اور بس، ٹرک، وغیرہ کی خریداری کے لیے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ورنہ اس سے زیادہ سرمایہ سیل ٹیکس اور انکم ٹیکس میں ضائع ہو جائے گا تو کیا ایسی مجبوری کی صورت میں بینک سے سودی قرض لینا جائز ہے؟

الجواب: سیل ٹیکس وانکم ٹیکس کے ضرر اور اس کی تباہ کاری سے بچنے کی ضرورت اور مفسدۂ مظنونہ (معاشی زبوں حالی، اور تعلیمی وثقافتی وسیاسی انحطاط) کے ازالہ کے لیے بینک سے سودی قرض لینا جائز ہے کہ یہ فی الواقع اپنے مال کو ضیاع سے بچانا ہے، نیز ضرر اشد سے تحفظ کے لیے ضرر اخف کا ارتکاب ہے۔ البتہ اس کے لیے درج ذیل شرائط کی پابندی لازمی ہے۔

(۱) بنام انٹریسٹ، جتنی رقم زائد دینی پڑے وہ سیل ٹیکس وانکم ٹیکس کی عائد ہونے والی رقم سے کم ہو۔

(۲) ممکنہ حد تک جلد از جلد قرض کی جملہ رقم ادا کردی جائے، کوئی قسط ناغہ نہ ہو جس کی بنا پر مزید اضافی رقم دینے کی نوبت آئے۔

(۳) اعتقاد یہی رکھے کہ قرض پر یہ زائد رقم بوجہ مجبوری دے رہا ہے اور اسے دل سے برا ہی جانے یہ نہیں کہ "اجازت بوجہ مجبور" کو اصل مباح سمجھ کر بغیر کسی ناگواری کے بطیب خاطر ایسے قرض کا لین دین جاری کرے۔

(۴) قرض اتنا ہی لے جتنے سے اس کی حاجت پوری ہو سکے کہ بوجہ حاجت جو اجازت ہوتی ہے وہ بقدر حاجت ہوتی ہے۔ان شرط کی رعایت کے ساتھ بس، ٹرک وغیرہ کی خریداری اور فروغ معاش کے لیے بینک سے قرض لینے کی اجازت ہے، ورنہ نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

عصر حاضر میں ضروری کاموں کے لیے تصویر کی گنجائش کس حد تک؟

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) تصویر کھینچنا اور کھینچانا دونوں کی حرمت ایک جیسی ہے یا کچھ فرق ہے؟

(۲) تصویر کھینچانے کی اجازت صرف ضرورت شرعیہ کی ہی صورت میں ہے یا حاجت شرعیہ کے پائے جانے کی صورت میں بھی اجازت ہوگی؟

(۳) آج کے زمانے میں بہت سے کاموں کے لیے تصویر دینا قانوناً لازمی قرار دے دیا گیا ہے جیسے پاسپورٹ کے لیے، بینک کا چیک جاری کرنے کے لیے، لائسنس کے لیے، فون، موبائل، امتحان، راشن کارڈ، شناختی کارڈ کے لیے تو ان کے جواز کی شرعاً کوئی صورت ہے یا نہیں؟

(۴) ریلوے پلیٹ فارم پر جگہ جگہ آگے، پیچھے، نیچے، اوپر تصاویر ہوتی ہیں تو وہاں نماز پڑھنے کی صورت کیا ہوگی؟ بینوا و توجروا۔

الجواب: (۱) جان دار کی تصویر کھینچنی بالاتفاق حرام قطعی ہے اور کھینچوانی حرام ظنی، کہ یہ

معصیت پر اعانت ہے۔
ارشاد باری ہے: وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ترجمہ: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔(المائدہ، آیت:۲)

حدیث پاک میں ہے: عن عبدالله بن مسعود قال سمعت رسول الله ﷺ یقول اشد الناس عذاباً عندالله المصورون۔(بخاری شریف، ج:۲،ص:۸۸۰) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خدائے تعالیٰ کے وہاں سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو دیا جائے گا جو جاندار کی تصویر بناتے ہیں۔ پھر اگر کھنچوانا بخوشی ہو تو بلاشبہ خود کھینچے ہی کی مثل ہے۔(مستفاد از فتاوی رضویہ ص:۱۹۷/ج:۹)

(۲) ضرورت شرعیہ پائی جائے تو بھی تصویر کھینچانے کی اجازت ہے اور حاجت شرعیہ پائی جائے تو بھی اجازت ہے اور بہرحال کھینچانے والے کا قصد اپنے اوپر سے دفع حرج وضرر ہو۔
(مستفاد از فتاوی رضویہ ص:۱۹۷ ج:۹)

(۳) پاسپورٹ، راشن کارڈ، شناختی کارڈ، سیاسی اجلاس میں دفع ضرر کے لیے شرکت، زمین کی رجسٹری، امتحان اور لائسنس کے لیے تصویر کھینچانے کی حاجت شرعاً پائی جاتی ہے، لہٰذا ان امور کے لیے تصویر کھینچانا جائز ہے۔ فتاوی رضویہ میں ضرورت و حاجت کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اس سے یہ روشنی ملتی ہے، تعریف یہ ہے: "فعل اگر دین، عقل، نسب، نفس، مال میں کسی کا موقوف علیہ ہے کہ بے اس کے یہ فوت یا قریب فوت ہو تو یہ مرتبہ ضرورت ہے جیسے مال کے لیے کسب و دفع غصب۔ اور اگر فعل ان میں کسی کا موقوف علیہ نہیں مگر اس کے ترک میں لحوق مشقت وضرر و حرج ہے تو حاجت ہے جیسے معشیت کے لیے چراغ کہ موقوف علیہ نہیں مگر عامہ کے لیے گھر میں بالکل روشنی نہ ہونا ضرور باعث مشقت و حرج ہے۔"
(ص:۱۹۹/ج:۹/رسالہ جلی النص فی اماکن الرخص بتغییر یسیر)

(۴) ریلوے پلیٹ فارم پر جہاں ہر طرف (آگے، پیچھے، دائیں، بائیں) تصاویر ہوتی ہیں اور ان سے بچ کر نماز پڑھنا متعذر رہتا ہے وہاں دفع حرج وضرر کے لیے اس بے مایہ کی نگاہ میں اب نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ نماز بلا کراہت صحیح ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مشترکہ گلی میں دروازہ کھڑکی کھولنے کا حق

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلے میں: زید ایک آراضی پر مکان کی تعمیر کر کے ایک طویل عرصہ سے سکونت پذیر ہے جس کے مشرق اور جنوب سے اس کا راستہ ہے۔ بکر نے زید سے متصل جانب مغرب زمین خریدی اس شرط کے ساتھ کہ مالک زمین اور بکر تین تین فٹ کا راستہ کل چھ فٹ کا راستہ مالک کے عقبی زمین کے لیے چھوڑیں گے۔ بعدازاں اس عقبی زمین کو زید نے خرید لیا اور اس راستے میں اپنی قدیم زمین کے مکان کی کھڑکی اور دروازہ بھی رکھنے کی ضد کر رہا ہے جب کہ زید نے اپنے قدیمی مکان سے اس کے نزاعی راستے کی جانب کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہے، بکر کا کہنا ہے کہ زید کو اپنے قدیمی مکان سے اس نزاعی راستے کی طرف کھڑکی یا دروازہ رکھنے کا حق نہیں۔ اب از روئے شرع بیان فرمائیں کہ کس کا موقف بجا اور درست ہے؟

الجواب: مالک زمین نے اپنی عقبی زمین میں جانے کے لیے ۳ فٹ کا جو راستہ چھوڑا ہے وہ زید اور بکر دونوں میں مشترک ہے دونوں کو اس راستے سے آنے جانے اور آسائش کا حق حاصل ہے اور اگر ان دونوں میں سے کوئی اپنا مکان بیچے تو دوسرے کو پڑوسی ہونے کی وجہ سے وہ زمین خریدنے کا اختیار ہے واضح ہو کہ اس اختیار کو فقہ کی زبان میں "حق شفعہ" کہا جاتا ہے۔ الغرض جب حق مرور (آنے۔ جانے کا حق) حق آسائش، حق شفعہ میں دونوں شریک ہیں تو زید کو اس راستہ کی سمت میں اپنے مکان میں دروازہ کھولنے کا حق بھی حاصل ہے، کھڑکی بھی کھول سکتا ہے، ہدایہ کتاب آدب القاضی، **مسائل شتی من کتاب القضا** میں ہے: **وان کانت مستدیرة قد لزق طرفاها فلهم ان یفتحوا بابا لان لکل احد منهم حق المرور فی کلها اذ هی ساحة مشترکة ولهذا یشترکون فی الشفعة اذا بیعت دار منها** (ص:۱۳۰ ج۳ مجلس برکات) نیز اسی میں ہے **قال واذا کانت زائغة مستطیلة تنشعب منها زائغة مستطیلة وهی غیر نافذة فلیس لاهل الزائغة الاولی ان یفتحوا بابا فی الزائغة القصوی لان فتحه للمرور، ولا حق لهم فی المرور اذ هو لاهلها خصوصا حتی لا یکون لاهل الاولی فیما بیع فیها حق الشفعة** (ایضا ص:۱۲۹، ۱۳۰ ج۳)

ان جزئیات کی ترجمانی بہارشریعت میں ان الفاظ میں ہیں: مسئلہ: ایک لمبا راستہ ہے جس میں سے ایک کوچہ غیر نافذہ نکلا ہے یعنی کچھ دور کے بعد یہ گلی بند ہوگئی ہے اس کی صورت یہ ہے۔ جن لوگوں کے مکانات کے دروازے پہلے راستہ میں ہیں ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ کوچۂ غیر نافذہ میں دروازے نکالیں کیوں کہ کوچۂ غیر نافذہ میں ان لوگوں کے لیے آمدورفت کا حق نہیں ہے ہاں اگر ہوا آنے جانے کے لیے کھڑکی بنانا چاہتے ہیں، یا روشندان کھولنا چاہتے ہیں تو اس سے روکے نہیں جاسکتے کہ اس میں کوچۂ سربستہ والے اگر پہلے راستہ میں اپنا دروازہ نکالیں تو منع نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ وہ راستہ ان لوگوں کے لیے مخصوص نہیں۔

مسئلہ: اگر اس لمبے راستے میں ایک شاخ مستدیر (گول) نکلی ہو جو نصف دائرہ یا کم ہو۔

ا۔لمبا راستہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو جن لوگوں کے دروازے پہلے راستہ میں ہوں اس کوچۂ مستدیرہ میں بھی اپنا دروازہ نکال سکتے ہیں کہ یہ میدان مشترک ہے سب کے لیے اس میں حق آسائش ہے۔ (ہدایہ وغیرہا۔ بہارشریعت ص:۹۷ ج ۱۲) اس تفصیل سے عیاں ہے کہ زید اس نئے راستے کی طرف کھڑکی روشندان، دروازہ کھول سکتا ہے اور بکر کو اس سے روکنے کا حق نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بینک سے ملی زائد رقم سود ھے یا نھیں ؟

زید کے پاس کچھ رقم ہے وہ اسے بینک میں متعینہ مدت تک کے لیے جمع کرنا چاہتا ہے اور مدت خاص گزرنے پر بینک اسے معتد بہ نفع دے گا تو کیا وہ اس نفع کو شادی وغیرہ یا دیگر کار خیر میں صرف کرسکتا ہے۔

الجواب : حکومت ہند کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں، مال مباح ہے اور مال مباح کا حصول جائز ہے، یہ حکم فکسڈ ڈپوزٹ، سیونگ بینک اکاؤنٹ، سب کو عام ہے۔ لہٰذا اس قسم کی نفع کی رقم بینک سے اصول کرنا اور شادی وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہے، البتہ بہتر یہ کہ اسے اپنے کام میں نہ لاکر فقرائے مسلمین، کو دیدیں یا کسی دینی مدرسے میں جمع کردیں۔

نوٹ: اس مسئلے کی پوری تفصیل میری کتاب ''جدید بینک کاری اور اسلام'' میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مجبوری میں داڑھی منڈانے کی اجازت

بعض امراض کی سرجری میں ڈاکٹر چہرے کے بال صاف کرنے کی لازمی ہدایات دیتے ہیں۔ جدید فن جراحت کے مطابق بال تراشنا یا داڑھی منڈوانا چہرے کی سرجری یا منہ کی سرجری میں ضرورت ہو سکتی ہے اس لیے کہ بغیر بال صاف کیے سرجری کرنا ممکن نہیں۔ چہرہ کے بعض جراثیمی بیماریوں مثلاً Abscess Collilitsl,Boik وغیرہ میں بھی چہرے کا بال صاف کرنا پڑ سکتا ہے۔ تو کیا اس طرح کی مجبوری میں داڑھی منڈانے کی اجازت ہے؟

الجواب: چہرے یا گال یا منہ کی سرجری اگر جمال کے لیے نہ ہو، بلکہ کسی بیماری مثلاً کینسر وغیرہ کے لیے ہو اور بغیر داڑھی منڈائے یہ سرجری ممکن نہ ہو یا انفیکشن کا صحیح اندیشہ ہو تو بوجہ مجبوری بقدر ضرورت داڑھی کے بال صاف کرنے کی اجازت ہوگی۔ داڑھی منڈانا بالاتفاق خلاف سنت ہے مگر ناجائز و گناہ بھی ہے یا نہیں یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ ہمارے فقہائے حنفیہ اسے ناجائز و گناہ قرار دیتے ہیں اور فقہائے شافعیہ مباح۔ اس اختلاف کے باعث حرمت میں یک گونہ تخفیف پہلے ہی سے تھی اور اب مجبوری کی صورت میں واضح حرج کے لیے حرمت ہی ختم ہو گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بینک سے زائد ملنے والی رقم کا حکم

زید کا گورنمنٹ بینک میں کھاتا ہے، زید کو بینک سے جو زائد رقم سود کی شکل میں ملتی ہے، وہ رقم زید دینی مدرسوں اور غریبوں کو دے سکتا ہے کہ نہیں برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: حکومت ہند کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں بلکہ ایک پاک اور حلال مال ہے، اسے سود سمجھنا غلط ہے، اس لیے وہ زائد رقم ضرور لے لیں، اور اس سے دینی مدارس اور محتاج مسلمانوں کی مدد کریں، یہ افضل ہے، اور چاہیں تو اپنے نجی امور میں بھی صرف کر سکتے ہیں، اس مسئلے کی پوری تحقیق میری کتاب "جدید بینک کاری اور اسلام" میں ہے، دلیل اور تحقیق کے لیے اسے پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

میموری کارڈ میں قرآن پاک یا نعت رکھنے کا حکم

علمائے کرام بتائیں کہ میموری کارڈ میں قرآن پاک یا نعت پاک وغیرہ متبرک کلمات بھر کر موبائل میں رکھنا، یا آیات قرآنیہ، اذان، نعت پاک وغیرہ کا رنگ ٹون وغیرہ رکھنا شرعا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: میموری کارڈ میں قرآن پاک ہو، یا قرآنی آیات، یا اذان و نعت اوراذکار وغیرہ کے متبرک کلمات، اسے موبائل میں رکھنا، یا ان کلمات مقدسہ کا رنگ ٹون رکھنا کہ جب کہیں سے فون آئے تو ان کلمات کے پڑھنے کی آواز بلند ہو، جائز ہے۔ البتہ ان کلمات مقدسہ کا احترام ضروری ہوگا، اس لیے اسے نیچے بغل کے جیب میں نہ رکھیں بلکہ اوپر داہنی طرف سینے کے قریب رکھیں اور استنجا خانہ میں بھی اسے لے کر نہ جائیں، اور اگر مجبوری کی وجہ سے لے کر جانا ہی پڑے تو بند کر کے لے جائیں۔ واللہ تعالی اعلم

رقوم منتقل کرنے کی اجرت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں:

(۱) چند مسلم نوجوانوں نے لوگوں کی رقومات منتقل کرنے لئے ایک تنظیم بنائی ہے، گجرات، مہاراشٹر اور جالون میں اس کی متعدد برانچیں ہیں، مثلاً مہاراشٹر سے جالون کسی کو اپنی رقم بھیجی ہے تو وہ اپنے قریبی برانچ میں جاکر، نام و پیسہ کے ساتھ جمع کرتا ہے اور جالون کی برانچ میں فون کر دیا جاتا ہے۔ وہ برانچ فوری طور سے یہ رقم (جس کے پاس پہنچتی ہے) ادا کر دیتی ہے۔ اس طرح بہت سی دشواریوں سے بچ جاتے ہیں اور آسانی کے ساتھ انہیں رقومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ تنظیم اس کام کے لئے بھیجنے والوں سے پانچ فی صد رقم وصول کرتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ تنظیم کا یہ کام از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پانچ سال تک ایک تنظیم جو پانچ فی صد رقم وصول کرتی ہے اور کرتی رہی اس کا کیا کیا جائے؟ نیز جواز کی اگر دوسری صورت ہو تو تحریر فرمائی جائے؟

(۲) زید کا گورنمنٹ بینک میں کھاتا ہے۔ زید کو بینک سے جو زائد رقم سود کی شکل میں ملتی ہے، وہ رقم زید دینی مدرسوں اور غریبوں کو دے سکتا ہے کہ نہیں؟ براہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت

فرمائیں؟

الجواب : (۱) شرعی نقطہ نظر سے روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا یہ طریقہ جائز ہے۔ اس کی نظیر منی آرڈر ہے۔ البتہ اُجرت کا فی صد کم ہونا چاہیئے۔ اور بہر حال طریقہ قانوناً جرم ہو یا منع ہو تو اس سے بچیں۔ اس تقدیر پر یہی حکم شرع ہے۔

(۲) حکومتِ ہند کے بینکوں میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں بلکہ ایک پاک اور حلال مال ہے۔ اُسے سود سمجھنا غلط ہے۔ اس لئے وہ زائد رقم ضرور لے لیں اور اس سے دینی مدارس اور محتاج مسلمانوں کی مدد کریں۔ یہ افضل ہے، اور چاہیں تو اپنے نجی امور میں بھی صرف کر سکتے ہیں۔ یہ جائز ہے۔ اس مسئلے کی پوری تحقیق میری کتاب "جدید بینک کاری اور اسلام" میں ہے دلیل اور تحقیق کے لئے اسے پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کسی کی گفتگو بغیر اجازت رکارڈ کر کے شائع کرنا کیسا ہے؟

آج یہ بہت ہو رہا ہے کہ کسی سے گفتگو ہوئی اور چپکے سے اس کو ٹیپ کر لیا، قائل کو اس کی اطلاع بھی نہیں پھر اس گفتگو کو نشر کر دیا تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے جب کہ قائل نے اس کی اجازت بھی نہ دی؟ دوسرے یہ کہ کبھی اصل گفتگو میں کچھ گھٹا بڑھا کر شائع کر دیتے ہیں اور یہ ظاہر بھی نہیں کرتے کہ کس قدر حصہ حذف ہوا ہے اور کس قدر اضافہ ہوا ہے۔

الجواب: مجالس مختلف طرح کی ہوتی ہیں اور اس وجہ سے ان کے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ (۱) مجلس درس: خواہ درس قرآن ہو یا درس حدیث یا درس فقہ یا ان کے اصول اور وسائل۔ (۲) مجلس وعظ و رشد و ہدایت بیعت و ارادت و تزکیۂ قلوب۔ (۳) مجلس مذاکرہ: جس میں دینی، علمی، تاریخی، سماجی یا اس طرح کے مفید اور اہم امور پر بحث و تبادلۂ خیالات ہو، یہ اور اس طرح کی دوسری مجالس کی گفتگو ٹیپ کرنا پھر اسے مرتب کر کے نشر کرنا جائز ہے، مگر یہ کہ کسی امر کی اشاعت سے صراحتاً ممانعت ہو۔ (۴) مجلس منکرات و مفاسد: جس میں شرعی منکرات پر گفتگو ہو، یا ناحق کسی کی ایذا رسانی، ہتک حرمت، غصب مال، یا قتل پر گفتگو

ہو، مختصر یہ کہ کسی فرد یا افراد کے دین، جان، مال، عقل، نسب میں سے کسی پر حملے کا منصوبہ ہو تو اسے بھی بیان کرنے کی اجازت بلکہ حکم ہے۔ حدیث پاک میں ہے:"عن قال جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال ،قال رسول الله ﷺ المجالس بالامانة الا ثلثة مجالس،سفك دم حرام او فرج حرام ، او اقتطاع مال بغير حق ۔" ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجالس امانت کے ساتھ ہیں (یعنی مجلس کی باتیں امانت ہیں) سوائے تین مجالس کے۔ ایک تو معصوم ومحترم خون بہانے کی مجلس، دوسری فرج حرام یعنی زنا کی مجلس، تیسری ناحق کسی کا مال ہڑپ کر لینے کی مجلس۔ (سنن ابو داؤد، ص۳۱۲، ج۲، باب نقل الحدیث) حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں:"أترغبون عن نكر الفاجر متى يعرفه الناس،انكروا الفاجر بما فيه يحذره الناس "ترجمہ: کیا فاجر کو برا کہنے سے پرہیز کرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے، فاجر کی برائیاں بیان کرو کہ لوگ اس سے بچیں۔ (۵) مجلس میں نزاعی امور پر گفتگو ہو اور بات حق ہو مگر اس کے بیان سے فتنہ وفساد بپا ہو یا قائل اسے ہرگز بیان نہ کرے کہ یہ معاشرے میں فتنہ وفساد پیدا کرنے، نیز ایذائے مسلم پر تعاون ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ ارشاد باری ہے:" وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ "ارشاد رسالت ہے:"لا ضرر و ضرار فی الاسلام "نیز ارشاد ہے"المجالس بالامانة" اور ان تمام صورتوں میں اگر ناقل نے کتر بیونت کی ہے جس سے قائل کے قول کا مفہوم کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے تو یہ خیانت بھی ہے۔ اور دیانت کے خلاف بھی جو بلا شبہہ نقلاً معیوب وقبیح ہے، اس سے بھی احترام واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خواجہ غریب نواز کے دربار میں چاندی کی نذر

زید نے یہ منت مانی اگر مجھے اولاد ہو گئی تو میں حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ کے دربار میں بچہ کے وزن کے برابر چاندی دوں گا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ کیا وہ چاندی ایک مشت ادا کی جائے یا قسط میں۔ زید کے گھر بچی پیدا ہوئی تو اس کا وزن ۳ رکلو ہے۔ فی الحال ۳ رکلو چاندی کی قیمت نوے ہزار ہو رہی ہے۔ زید پریشان ہے کہ اب اس کو کس طرح ادا کیا جائے؟

الجواب: زید غریب ہے تو اس پر یہ منت پوری کرنا لازم نہیں کہ اس نے جو منت مانی ہے اس کی جنس سے کوئی فرض عین نہیں، جو عبادت مقصودہ ہو۔ درمختار میں ہے۔ **ولم یلزم الناذر مالیس من جنسه فرض،کعیادة مریض ودخول مسجد ولو مسجد الرسول ﷺ أو الأقصی، لأنه لیس من جنسها فرض مقصود و هذا هو الضابط کما فی الدرر** ۔اھ ترجمہ: جس منت کی جنس سے کوئی فرض نہ ہو۔ اسے پوری کرنا نذر ماننے والے پر لازم نہیں۔ جیسے مریض کی عیادت کرنا، مسجد میں داخل ہونا، اگر چہ مسجدِ نبوی اور مسجد اقصیٰ ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ ان افعال کی جنس سے کوئی فرض مقصود نہیں ہے، اس سلسلے میں ضابطہ یہی ہے۔ جیسا کہ درر میں ہے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، ص: ۳۷، مطلب فی احکام النذر) تاہم جب اس نے اپنے رب سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ''اگر مجھے اولاد دی گئی تو میں حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے دربار میں بچہ کے وزن کے برابر چاندی دوں گا۔'' تو مستحسن یہ ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔ اگر ایک ساتھ اسے پوری رقم دینے کی استطاعت نہیں ہے تو مختلف قسطوں میں ادا کر سکتا ہے، اور قسط بھی آسانی کے لحاظ سے مختصر رکھ سکتا ہے۔ البتہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں زید یہ رقم کس کو دے گا، اس کے بارے میں دو قول ہیں، اور اس زمانے میں فتویٰ اس قول پر مناسب ہے کہ وہاں کے فقرا کو دے دے۔ درمختار میں ہے: وفی المجتبیٰ: **أوصی بثلث ماله للکعبة جاز وتصرّف لفقراء الکعبة لاغیر وکذا للمسجد ولقدس** ۔اھ (کتاب الوصایا) ترجمہ: کسی شخص نے اپنے مال کے تہائی حصہ کی وصیت کعبہ شریف کے لیے کی تو یہ وصیت جائز ہے۔ اور وصیت کا مال صرف کعبۂ اطہر کے فقرا پر صرف ہوگا، دوسرے پر نہیں۔ یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب کہ اس نے مسجد اور قدس کے لیے وصیت کی ہو۔ ردالمحتار میں ہے: **وینبغی الافتاء بان الوصیة للمسجد وصیة لفقرائه فی مثل الازهر،کذا حرر هذا المحل السایحانی رحمة الله تعالیٰ** ۔اھ ترجمہ: اسی پر فتویٰ دیا جانا چاہیے کہ مسجد کے لیے وصیت اس کے فقرا کے لیے وصیت ہے (ردالمحتار، ص: ۴۸، ض: ۵، کتاب الوصایا)

بچہ دانی نکلوانا کیسا ہے؟

میں اترتے وقت سیڑھی سے گر گئی تھی اور بچہ دانی میں چوٹ آ گئی ہے بہت زیادہ تکلیف رہتی ہے

تقریباً آٹھ سال ہو گئے تو حضرت میں آپریشن کرانا چاہتی ہوں؟

الجواب: علاج سے گھبرانا نہیں چاہیے اللہ تعالیٰ نے درد، دیا ہے وہی شفا دے گا تم علاج جاری رکھو کسی ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھ کے ڈاکٹر سے دوا لو یا اچھے ایم بی، بی، ایس، ایم، ڈی سے، امید ہے کہ بغیر آپریشن کے ٹھیک ہو جاؤ گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بچہ دانی کٹوا کر نکلوانا حرام اور شیطانی کام ہے اس لیے جب تک اس سے بچنا ممکن ہو بچو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کیا قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر عہد کرنا قسم ہے؟

زید نے ہندہ سے کہا کہ تم کو بکر سے کلام نہیں کرنا ہے اور یہ بات زید نے ہندہ سے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم دلائی کہ تم کو بکر سے کلام نہیں کرنا ہے اور ہندہ نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم بھی کھائی کہ بکر سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ اس کے باوجود ہندہ نے بکر سے کلام کرنا شروع کر دیا۔ کیا اس صورت میں ہندہ پر کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ''ہندہ نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی'' اس جملے میں قسم سے سائل کی مراد کیا ہے اگر وہ قرآن پاک پر ہاتھ رکھنے کو قسم سمجھتا ہے اور اسی کو قسم کہتا ہے تو غلط ہے شرعاً وہ قسم نہیں لہٰذا نہ قسم ٹوٹی اور نہ اس کا کفارہ واجب ہوا۔ ''اس زمانے میں تغلیظ یا حلف کی صورت بہت زیادہ مشہور ہے کہ قرآن مجید ہاتھ میں دے کر کچھ الفاظ کہلواتے ہیں مثلاً اسے قرآن کی مار پڑے، ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو، شفاعت نصیب نہ ہو، یہ سب باتیں خلاف شرع ہیں، مصحف شریف ہاتھ میں اٹھانا حلف شرعی نہیں''
(بہار شریعت حصہ ۱۲ ص ۹۱/۲۰ حلف کا بیان) اور اگر قسم سے سائل کی مراد کچھ اور ہے تو الفاظ قسم صاف صاف لکھ کر حکم دریافت کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اولیا اللہ کی سواری مرد اور عورت کسی پر نہیں آتی

ایک عورت بتاتی ہے کہ میرے اندر ولی اللہ کی سواری آتی ہے یا حاضری آتی ہے اور کئی مرد اس عورت کے ہاتھ بھی چومتے ہیں اور اپنی تکلیف بتاتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: وہ عورت غلط کہتی ہے، اولیا اللہ کی سواری مرد یا عورت کسی پر نہیں آتی ہے۔ اور

خاص کر عورتوں پر ان کی سواری آنا تو شرعاً بہت بعید ہے، کیوں کہ وہ حضرات اجنبی عورتوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں تو ان پر سوار کیوں کر ہو سکتے ہیں، یا تو وہ عورت خود جھوٹ بول رہی ہے، یا اس پر شیطان کی سواری آتی ہے اور وہ جھوٹ بول کر اولیا اللہ کو بدنام کرتا ہے۔ مردوں پر اس عورت کے ہاتھ پکڑنا، چومنا حرام ہے اور اس کے پاس علاج کے لئے جانا ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پیر کو سرکار یا حضور کہنا کیسا ہے ؟

(۱) کچھ لوگ پیر کو سرکار، حضور وغیرہ پکارتے ہیں تو کیا ایسا کہہ سکتے ہیں؟

(۲) کئی لوگ سوچتے ہیں کہ میرے پیر کا کرم ہو گیا اور میرا کام ہو گیا کیا یہ سہی ہے؟

(۳) کھلے آسمان کے نیچے نماز اور قرآن پڑھ سکتے ہے یا نہیں؟ اور لڑکیوں کے لیے نماز اور روزے کب فرض ہوتے ہیں؟ کس عمر میں؟

(۴) کچھ لوگ دوسروں کی طرف سے قربانی اس طور پر کرتے ہیں کہ اپنے شہر کے حساب سے جانور کا دام مثلاً ۳۰۰۰ روپے وصول کرتے ہیں پھر وہ کسی ایسے علاقے میں چلے جاتے ہیں جہاں جانور سستے مثلاً ۲۰۰۰ کے ہوتے ہیں پر قربانی کے لائق جانور خرید کر ان تمام لوگوں کی طرف سے قربانی کر دیتے ہیں اور فی قربانی ایک ایک ہزار روپے مثلاً اپنے لیے بچا لیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ قربانیاں صحیح ہوئیں یا نہیں اور ایسا کرنے کا کیا حکم ہے؟ وہ کمائی ان کے لیے حلال ہے یا نہیں؟

الجواب : (۱) اگر پیر سنی صحیح العقیدہ عالم دین، صالح، دین دار ہوں تو انھیں عصر حاضر کے تعظیمی کلمات حضرت، حضور، سرکار وغیرہ کہنا جائز ہے۔

(۲) پیر (جس کے اوصاف اوپر مذکور ہیں) کی دعا سے لوگوں کا کام بن جاتا ہے۔

(۳) کھلے آسمان کے نیچے نماز پڑھ سکتے ہیں بس شرط یہ ہے کہ زمین غصب کی ہوئی نہ ہو اور مسجد میں پڑھنا ممکن ہو تو اسی میں پڑھیں کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔ لڑکے اور لڑکی جب بالغ ہو جائیں تو ان پر نماز فرض ہو جاتی ہے اور دوسرے احکام مثل روزہ کے بھی وہ مکلف ہو جاتے ہیں لڑکیاں کم سے کم ۹ سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال میں بالغ ہوتی ہیں۔ (درمختار، ص:۴۴، ج:۲، کتاب الصلوٰۃ ردالمحتار، ص:۶۵،

ج:۲، باب الاذان، مطلب فی کراھۃ تکرار الجماعۃ فی مسجد/ایضاً ص:۲۹۰، ج:۲، باب الامامۃ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد)

(۴) جو لوگ مسلمانوں سے قربانی کے روپے جمع کر کے قربانیاں کرتے اور اپنی مزدوری کے طور پر کچھ بچا لیتے ہیں ان کو چاہیے کہ اپنا طریقۂ کار لوگوں کو بتا دیں پھر وہ اس پر راضی ہو کر انھیں قربانی کے لیے روپے دیں تو یہ طریقہ جائز ہوگا۔ (فتاوی ھندیہ، ج:۴، کتاب الاجارۃ، الباب السادس، عشر فی مسائل الشیوع فی الاجارۃ والاستئجار علی الطاعات والمعاصی والافعال المباحۃ. أیضا، ج:۴، کتاب الاجارۃ، فصل فی المتفرقات. مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان) واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆☆☆

سراج الفقہا ایک نظر میں

سراج الفقہا ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے گاؤں کے مکتب سے تعلیمی سفر شروع کیا جو انجمن معین الاسلام بستی، مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ، ضلع بہرائچ ہوتے ہوئے جامعہ اشرفیہ مبارک پور پر ختم ہوا، آپ کو جامعہ کا ماحول اتنا پسند آیا کہ یہاں آئے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

نام و شجرۂ نسب: محمد نظام الدین رضوی بن خوش محمد انصاری (مرحوم) بن سخاوت علی انصاری (مرحوم) بن فتح محمد انصاری (مرحوم) بن خدا بخش انصاری (مرحوم)۔

ولادت: ۲/مارچ ۱۹۵۷ء جمعرات ایک بجے شب۔

وطن اصلی: موضع بھوجولی، پوکھرا ٹولا (Bhujauli, Pokhara Tola) ڈاک خانہ بھوجولی بازار، کھڈا، ضلع (قدیم) دیوریا (جدید) کشی نگر، اتر پردیش، ہند۔

وطن اقامت: متصل جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یو. پی.) اب عرصۂ دراز سے مستقل بود و باش یہیں اختیار کر لی ہے۔

دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ: شوال ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء درجۂ سابعہ۔

فراغت: یکم جمادی الآخرہ ۱۴۰۰ھ مطابق اپریل ۱۹۸۰ء۔

مدت تعلیم: دار العلوم اشرفیہ: ۴/سال: ایک سال درجۂ سابعہ، اس کے بعد دو سال درجۂ تحقیق فی الفقہ، پھر ایک سال درجۂ فضیلت۔

معین المدرسین دار العلوم اشرفیہ:

ذو قعدہ ۱۳۹۸ھ۔ تقرر بحیثیت مدرس دار العلوم اشرفیہ، شوال ۱۴۰۰ھ/ اگست ۱۹۸۰ء۔

تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کے لیے تعین: محرم الحرام ۱۴۰۱ھ۔

پہلا مبسوط فتویٰ بنام "فقہ حنفی سے دیوبندیوں کا ارتداد" جمادی الآخرہ و رجب ۱۴۰۱ھ، ترتیب کتاب "فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ" ذو الحجہ ۱۴۰۰ھ تا جمادی الاولی ۱۴۰۱ھ (کثرت مشاغل کے سبب یہ کام ملتوی ہوا، اب تک یہی حال ہے، یہ کاپی سائز کے ۳۰۰/صفحات پر مشتمل ہے)۔

دلچسپی کے میدان: تدریس، فتویٰ نویسی، مقالہ نگاری، جلسۂ عام میں سوال وجواب کے ذریعہ تبلیغ دین، سیمناروں میں شرکت۔ تادم تحریر ایک سائنسی، ایک سماجی، ایک اصلاحی، تین تاریخی، دو تعلیمی اور ۴۰؍فقہی سیمناروں کے لیے مقالے لکھے جو مقبول ہوئے۔ نیز ان سیمناروں میں شرکت کی۔ کانفرنسوں کی شرکت اس کے سوا ہے مجموعی طور پر اب تک ۶۰؍سیمناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی۔

تصانیف: تصانیف کی تعداد ۴۵؍رہے، جن کی نوعیت اور عناوین یہ ہیں:

(۱) الحواشی الجلیۃ فی تائید مذہب الحنفیۃ علیٰ شرح صحیح مسلم (۲) فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ کتاب وسنت کی روشنی میں (۳) عصمت انبیا (۴) لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم (۵) شیئر بازار کے مسائل (۶) جدید بینک کاری اور اسلام (۷) مشینی ذبیحہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں (۸) مبارک راتیں (۹) عظمت والدین (۱۰) امام احمد رضا پر اعتراضات ایک تحقیقی جائزہ (۱۱) ایک نشست میں تین طلاق کا شرعی حکم (۱۲) فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول (۱۳) دوملکوں کی کرنسیوں کا اُدھار، تبادلہ وحوالہ (۱۴) انسانی خون سے علاج کا شرعی حکم (۱۵) دکانوں، مکانوں کے پٹہ وپگڑی کے مسائل (۱۶) تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم (۱۷) خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام (۱۸) تعمیر مزارات احادیث نبویہ کی روشنی میں (۱۹) خسر، بہو کے رشتے کا احترام اسلام کی نگاہ میں (۲۰) اعضا کی پیوند کاری (۲۱) فلیٹوں کی خرید وفروخت کے جدید طریقے (۲۲) بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نامزدگی کی شرعی حیثیت (۲۳) فقدان زوج کی مختلف صورتوں کے احکام (۲۴) کان اور آنکھ میں دواڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں (۲۵) جدید ذرائع ابلاغ اور رویت ہلال (۲۶) طویل المیعاد قرض اور ان کے احکام (۲۷) طبیب کے لیے اسلام اور تقویٰ کی شرط (۲۸) نیٹ ورک مارکیٹنگ کا شرعی حکم (۲۹) فسخ نکاح بوجہ تعسر نفقہ (۳۰) فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت فتاوی رضویہ کے حوالے سے (۳۱) مسلک اعلیٰ حضرت عصر حاضر میں مسلک اہل سنت کی مترادف اصطلاح (۳۲) جداگانہ احکام اور فقہی اختلافات کے حدود حقائق وشواہد کے اجالے میں (۳۳) مساجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ اخراجات کا انتظام (۳۴) تندیۂ مرض شرعی نقطۂ نظر سے (۳۵) خلافت شرعی اور فضائل خلفاے راشدین (۳۶) جلوس عید میلاد النبی ﷺ سنت صحابی کی یادگار (۳۷) برقی کتابوں کی خرید وفروخت شرعی نقطۂ نظر سے (۳۸) مسئلہ کفاءت عصر حاضر کے تناظر میں (۳۹) بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں (۴۰) اجتہاد کیا ہے اور مجتہد کون؟

(۴۱) تہتر میں ایک کون؟ (۴۲) ترک تقلید اور غیر مقلدین کے اجتہادی مسائل (۴۳) ثبوت ہلال کی نو صورتیں (۴۴) فقہی فروعی اختلاف کی شرعی حیثیت (۴۵) ۱۵ر جلدوں میں "فتاویٰ نظامیہ" جو دراصل "فتاویٰ اشرفیہ" ہے۔ **مقالات**: مقالات کی تعداد ۱۳۰ر ہے جن میں چند کے نام یہ ہیں:

(۱) قیاس حجت شرعی ہے (۲) اتر پردیش کے مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل (۳) امام احمد رضا اور جدید فقہی مسائل (۴) امام احمد رضا کا ذوق عبادت مکتوبات کے آئینے میں (۵) تقلید عرفی کی شرعی حیثیت (۶) پرنٹنگ ایجنسی کے احکام (۷) سرکار غوث اعظم کا فقہی مسلک (۸) تصوف اور اسلام (۹) حضور مفتی اعظم بحر فقاہت کے درشاہوار (۱۰) قضاۃ اور ان کے حدود ولایت (۱۱) بہار شریعت کا مختصر تعارف (۱۲) حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کا مذہب فقہی نقطۂ نظر سے (۱۳) اسلامی درس گاہوں کا اسباب زوال اور ان کا علاج (۱۴) مساجد میں مدارس کا قیام (۱۵) میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت (۱۶) پراوِڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت (۱۷) درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم (۱۸) زینت کے لیے قرآنی آیات کا استعمال (۱۹) فیضان رسالت (۲۰) مصطفیٰ جان رحمت اور حقوق انسانی (۲۱) مذہبی چینل کا شرعی حکم فتاوی رضویہ کی روشنی میں (۲۲) لغزش زبان سے صادر ہونے والے کلمات کب کفر ہیں کب نہیں؟ (۲۳) مسلک اہل سنت ہی مسلک اعلیٰ حضرت ہے (۲۴) حدیث افتراق امت اور بہتر فرقے (۲۵) نماز کے احکام پردیل کے بدلتے نظام کا اثر (۲۶) انٹرنیٹ کے مواد و مشمولات کا شرعی حکم (۲۷) غیر رسم عثمانی میں قرآن حکیم کی کتابت (۲۸) ڈی این اے ٹیسٹ شرعی نقطۂ نظر سے (۲۹) قومی و ملی مسائل میں اہل سنت کا کردار ضرورت اور طریقۂ کار (۳۰) جینیٹک ٹیسٹ اور اس کی شرعی حیثیت (۳۱) جدید ذرائع ابلاغ سے نکاح کب جائز کب ناجائز (۳۲) بلیک برن وغیرہ بلاد برطانیہ میں عشاء، وتر اور صوم کے وجوب کی تحقیق (۳۳) روزہ میں گل لگانے کی شرعی حیثیت (۳۴) سفر میں جمع بین الصلاتین (۳۵) صدقۂ فطر کا وزن ۲ر کلو ۴۵ گرام ہے (۳۶) مسجد دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی (۳۷) قربانی کے فضائل و مسائل (۳۸) نماز کی اہمیت مسائل کی روشنی میں (۳۹) آج کل سنی جامعات کس نہج پر ہیں (۴۰) اختلافی مسائل رحمت یا زحمت (۴۱) سنی دارالافتا کا کردار اور مفتیان عظام (۴۲) بیمۂ جان و مال کی تحقیق (۴۳) الکحل آمیز دواؤں کا استعمال (۴۴) جھوٹ بولنے کا دردناک انجام (۴۵) دین حق اور اس کی بے بہا تعلیمات (۴۶) فلمی

کانوں کا ہولناک منظر (۴۷) میوزک نما ذکر کے ساتھ نعت مصطفےٰ ﷺ پڑھنا اور سننا (۴۸) ایڈز زدہ حاملہ عورت کو حمل ساقط کرانے کی اجازت نہیں (۴۹) چیک اور پرچی کی کٹوتی کا شرعی حکم (۵۰) دیون اور ان کے منافع پر زکاۃ (۵۱) دیہات میں جمعہ وظہر (۵۲) باغات وتالاب کارائج اجارہ (۵۳) غیر مسلم ممالک میں جمعہ وعیدین (۵۴) تقلید غیر کب جائز کب ناجائز؟ (۵۵) چھت سے سعی وطواف کا مسئلہ (۵۶) حاجی مقیم پر قربانی واجب ہے (۵۷) معاملہ کرایہ فروخت شرعی نقطۂ نظر سے (۵۸) بیت المال ومسلم کالج اور اسکول کے نام پر تحصیل زکاۃ (۵۹) یوروکائینز انجکشن سے علاج کا شرعی حکم (۶۰) صاحب زمین پر قربانی وصدقۂ فطر کا وجوب (۶۱) انجکشن مفسد صوم ہے یا نہیں (۶۲) واشنگ مشین میں دھلے گئے کپڑے پاک ہیں یا ناپاک؟ (۶۳) حالت احرام میں خوشبودار مشروبات پینے کا حکم (۶۴) عصر حاضر میں دار القضا کی ضرورت (۶۵) تمنائے موت شرعا ممنوع ہے (۶۶) استمداد واستعانت پر ایک تحقیقی بحث (۶۷) اسلامی تصور توحید اور ائمۂ کرام (۶۸) مدارس میں طریقت اور خانقاہوں میں شریعت کا نفاذ ہو (۶۹) اسما وصفات باری تعالیٰ (۷۰) حافظ ملت اپنی تعلیمات کے آئینے میں (۷۱) حضور احسن العلما بحیثیت شیخ کامل (۷۲) حضرت صدر الافاضل بحیثیت مفسر قرآن (۷۳) حضرت صدر العلما بشیر القاری کے آئینے میں (۷۴) مسلم معاشرے کی خرابیاں اور ان کی اصلاح کے راستے (۷۵) اصول تدریس فقہ واصول فقہ (۷۶) جبری جہیز کی لعنت کے خلاف فتویٰ (۷۷) الامام الترمذی ومآثرہ العلمیۃ (عربی) (۷۸) المحدث أحمد علی السہارنفوری (عربی) (۷۹) ترجمۃ صاحب الصحیح: الامام أبوالحسن مسلم بن الحجاج علیہ الرحمۃ (عربی) (۸۰) ترجمۃ الشارح: ألامام أبو زکریا یحیی بن شرف النووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ (عربی)۔

ایوارڈ: آپ کی دینی خدمات کے صلے میں آپ کو کئی ایوارڈ مل چکے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

صدر الشریعہ ایوارڈ: (از دار العلوم حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ)

حافظ ملت ایوارڈ: (از شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ اکبر میاں چشتی رحمۃ اللہ علیہ پھپھوند شریف)

قائد اہل سنت ایوارڈ: (از علامہ ارشد القادری چیریٹر انٹرنیشنل، جمشید پور)

شمس مارہرہ ایوارڈ: (از جامعہ قادریہ حیات العلوم، شہزاد پور، اکبر پور)

امام احمد رضا محدث بریلوی ایوارڈ: (از مینائی ایجوکیشنل ویلفیئر سوسائٹی لکھنؤ)

امام احمد رضا ایوارڈ: (از بزم حسان رسول مشن مبارک پور)

قبلۂ عالم ایوارڈ: (از خانقاہ مصباحیہ صمدیہ پھپھوند شریف)

سرکار شاہ میراں ایوارڈ: (از خانقاہ آستانہ سرکار شاہ میراں اشرف نگر کھمبات گجرات)

مذہبی تعمیرات: امام احمد رضا جامع مسجد، پھوجولی پوکھر اٹولہ، ضلع کشی نگر (یو. پی.)

مناصب بتدریج: مدرس، مفتی، ناظم مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، صدر شعبۂ افتا و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، رکن مجلس مشاورت ماہنامہ اشرفیہ، قاضی شریعت کمشنری گورکھپور، رکن فقہی سمینار بورڈ دہلی، نگراں مرکز تربیت افتا اوجھا گنج ضلع بستی (یو. پی)

سفر حج وزیارت: (پہلا حج) ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء (دوسرا حج) ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء،

عمرہ: (پہلا عمرہ) ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۷ء (دوسرا عمرہ) ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء۔

غیر ملکی تبلیغی اسفار: برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، پاکستان، ماریشش۔

بیعت: دست اقدس مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان نوری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بریلی شریف)

اجازت وخلافت: از حضرت سیدی برہان ملت مولانا شاہ محمد برہان الحق رحمۃ اللہ علیہ (جبل پور) واز حضرت امین ملت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی دام ظلہ العالی (مارہرہ شریف)

پیش کردہ: محمد اشتیاق احمد متعلم الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ۔